نظر اصلاح کے بعد اضافہ شدہ نسخہ

دہلی کی برادریاں

تنویر

کاوش

مفسر قرآن مولانا سید اخلاق حسین قاسمی

تدوین واضافہ

حافظ تنویر احمد شریفی

مکتبہ رشیدیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○

اللهم صل على محمد النبي
الأمي وعلى آله وسلم تسليما

دلّی کی برادریاں

نظرثانی اور جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

کاوش

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی مدظلہ

مفسر قرآن، مؤلف کتب کثیرہ

مہتمم مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری مسجد دہلی

ترتیب، تبویب، اضافہ ونظر ثانی

حافظ تنویر احمد شریفی

فاضل جامعہ یوسفیہ بنوریہ کراچی

- دہلی کی عظمت
- دہلی کا عروج وزوال
- برادری ازم
- کوئی پیشہ حقیر نہیں
- اشراف برادریاں
- دولت مندی شرافت ہے
- غلط انتساب کی مذمت
- برادری ازم اور مسئلہ کفو
- دہلی کے قریشی
- راعین
- عطار
- پنجابی
- انصاری
- لاہوری
- صدیقی
- عباسی
- پراچہ
- خیاط
- زرکوبی
- منصوری
- رنگ ساز
- موسیقار
- سلمانی
- گھوسی
- منہیار
- صباغ
- خطاط
- مکاتیب اخلاق

برادریوں کے اکابر کے واقعات وحالات۔

ناشر

مکتبہ رشیدیہ

اردو بازار کراچی۔ فون: ۲۲۳۲-۲۷۶۷

دلّی کی برادریاں

نام کتاب	:	دلّی کی برادریاں (تیسری مرتبہ اضافہ شدہ ایڈیشن)
مصنف	:	مولانا سید اخلاق حسین قاسمی
ترتیب و تبویب و اضافہ	:	حافظ تنویر احمد شریفی
تاریخِ اشاعت	:	۲۷ مئی ۲۰۰۱ء
تاریخِ اشاعتِ ثانی	:	یکم جون ۲۰۰۳ء
تاریخِ اشاعتِ ثالث	:	جون ۲۰۰۵
کمپوزنگ	:	حامد احمد شرفی
تعداد	:	ایک ہزار
مطبع	:	

ملنے کا پتا

مکتبہ رشیدیہ،
بالمقابل مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی،
فون: ۲۷۶۷۲۳۲

مضامین کا آئینہ

پیش لفظ

مفسر قرآن
مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی مدظلہ العالی

دہلی مرحوم نے عجیب عجیب باکمال ہستیاں پیدا کی ہیں۔ کچھ وہیں کی خاک سے اٹھیں اور کچھ اِدھر اُدھر سے آ کر دہلی میں جمع ہو گئیں تھیں۔ ان سب نے مل کر دہلی کو منتخب روزگار اور علم وتہذیب کا مرکز بنا دیا تھا۔ حالی مرحوم نے اسی کے متعلق کہا تھا۔

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز!

انھیں باکمال اور قابل ترین ہستیوں میں حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کا خاندان، استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ، سرسید احمد خاں، حکیم اجمل خاں، مفتی اعظم حضرت العلام مولانا محمد کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا امین الدین دہلویؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ جیسی علمی اور سیاسی شخصیات ہیں تو دوسری طرف مرزا غالب، مومن خاں مومن اور داغ جیسے بڑے بڑے شعرائے کرام شامل ہیں۔

اب دلّی میں گذشتہ عہد علم وتہذیب کی یادگار حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی دامت برکاتہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور محتاجی کی زندگی سے بچائے اور اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین!

ذیل کی سطور میں پاکستانی قارئین کے لیے اس کتاب کے فاضل ومحترم مؤلف کا تعارف اور کچھ حالاتِ زندگی تحریر کیے جارہے ہیں۔ اس لیے کہ ہندوستان اور خصوصاً دہلی اور اس کے قرب وجوار کے عوام وخواص تو مولانا سے بخوبی واقف ہیں،

ان کے لیے مولانا کی بڑی خدمات ہیں، لیکن پاکستان میں اہل دہلی یا ''دلی والے'' ان کو شاید بھول گئے ہوں یا نئی نسل جانتی ہی نہ ہو۔ ان کے لیے مولانا کی زندگی کے بارے میں یہ تعارفی کلمات تحریر کیے گئے ہیں۔

پیدائش اور خاندان:

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی ۱۲/ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ مطابق ۸/ مارچ ۱۹۲۵ء کو دلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولوی عنایت حسین مرحوم دلی کے پرانے صنعتی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے خاندان میں دلی کی مشہور صنعت تارکشی، کامدانی اور گوٹا پیمک کا کام ہوتا تھا۔ اس صنعت کا تعلق قلعۂ معلّٰی سے تھا اور شاہی سرپرستی اس کام کے کارخانہ داروں کو حاصل تھی۔

جناب عنایت حسین صاحب مرحوم کے ماموں آ کا شرف الدین صاحب لاولد تھے۔ انھوں نے اپنے بھانجے کے لڑکے (مولانا سید اخلاق حسین) کو گود لے کر پرورش کی۔

تعلیم و تربیت:

جناب آ کا شرف الدین صاحب مرحوم نے مولانا سید اخلاق حسین قاسمی کو حفظ قرآن کریم کے لیے مدرسۂ عالیہ فتح پوری دہلی میں جناب قاری فضل الدین پنجابیؒ کے پاس داخل کرایا اور کچھ پارے حفظ کرنے کے بعد حافظ ضیاء الدین صاحب سادہ کارؒ کے پاس لال کنویں کے مدرسے میں داخل ہوئے اور قرآن مجید کے حفظ کی تکمیل کی۔

اعلیٰ تعلیم یا گریجویشن:

حفظ قرآن کے بعد عربی تعلیم (درس نظامی) کے لیے مدرسۂ عالیہ ہی میں داخلہ

لیا۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء سے ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء تک مدرسۂ عالیہ فتح پوری میں تفسیرِ جلالین تک کتابیں مختلف اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ جن میں حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی، حضرت مولانا ولایت احمد سنبھلی، حضرت مولانا سید فخر الحسن دیوبندی، حضرت مولانا قاضی سجاد حسین کرت پوری، حضرت مولانا عبدالرحمٰن پشاوری، حضرت مولانا محمد شریف اللہ خان، حضرت مولانا قاری سید حامد حسین علی گڑھی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں اور حضرت مولانا قاری شریف احمد مدظلہٗ سے انھوں نے بعض نصابی کتب کے علاوہ تجوید پڑھی تھی۔ مولانا سید اخلاق حسین قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

> ''قاری (شریف احمد) صاحب کی اس محبت کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں کہ بے تکلفی کے باوجود قاری صاحب نے مجھے قرآن کریم کی اتنی مشق کرادی جو آج تک مجھے کام دے رہی ہے اور میں ماہر قاری کی حیثیت سے نہ سہی، ایک ڈھنگ سے قرآن کریم پڑھنے والے امام کے طور پر اپنے آپ کو مدرسہ حسین بخش جامع مسجد کے تاریخی منبر ومحراب کے قابل سمجھتا ہوں۔''
>
> (تذکرۃ الشریف، ص ۱۸۴)

فیضانِ دارالعلوم دیوبند:

مدرسۂ عالیہ فتح پوری میں تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد مولانا سید اخلاق حسین قاسمی نے عالم اسلام کی عظیم تاریخی یونی ورسٹی ازہر الہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور اس زمانے کے عظیم اساتذہ اور مجاہد فی سبیل اللہ شیخ العرب والعجم وشیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی، افضل المفسرین حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی رحمہم اللہ وقدس اللہ اسرارہم سے احادیث اور تفسیر وفقہ کی بڑی کتابیں پڑھ کر ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔

بیعت اور اصلاحی تعلق:

دورۂ حدیث کے بعد مولانا اخلاق حسین قاسمی نے شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور حضرت کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''اس ناچیز نے حضرت مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت ضرور کی، لیکن دارالعلوم سے فراغت کے بعد جماعتی مصروفیتوں اور گھریلو پریشانیوں کے سبب حضرتؒ سے باقاعدہ روحانی تربیت حاصل کرنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ حضرت مدنیؒ جب دہلی تشریف لاتے تو دفتر جمعیت علمائے ہند میں قیام کے دوران بھی حضرتؒ سے تقرب نہ ہوتا۔ بلکہ مصافحہ کرکے اِدھر اُدھر ہو جاتا۔ کیوں کہ میرے دل پر حضرتؒ کی روحانی ہیبت قایم تھی۔ مولانا کی ذات گرامی میں محبوبیت تھی، پیار تھا، شفقت تھی، لیکن دارالعلوم کے قیام میں درس حدیث کے ایک ایک استاد کی جو ہیبت دل میں قایم ہوئی تھی وہ آج تک میرے دل پر قایم ہے۔ میں اپنے آپ کو ایک گناہ گار وجود سمجھ کر حضرتؒ کے سامنے ہونے کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ نیند کا بہت کچا تھا۔ درس میں جب نیند غالب ہو جاتی تو درس گاہ میں اونگھنے کے بجائے باہر آکر کس ٹوٹے ہوئے جھولے پر پڑ جاتا۔ پھر سبق ختم ہونے اور حضرتؒ کے ادھر سے گزرنے کا خوف سوار ہو جاتا، آنکھیں ملتا ہوا درس گاہ میں پیچھے کی قطار میں جا کر بیٹھ جاتا۔ لیکن اس کم زور ظاہری تعلق کے باوجود میں حضرت مدنیؒ کے روحانی تصرف کے واقعات بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ زندگی میں کوئی سخت واقعہ ایسا نہیں آیا جس میں حضرت مدنیؒ کی خواب میں زیارت نہ ہوئی ہو اور اس زیارت سے قلب نے قوت محسوس نہ کی ہو۔''

(خطبات دہلی، ص ۷۱)

دورۂ تفسیر اور ترجمہ و تفسیر کی تربیت:

۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں مولانا قاسمی نے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے شیراں والا گیٹ میں دورۂ تفسیر قرآن کیا اور اسی سال سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی قدس سرہٗ سے ترجمہ و تفسیر قرآن کی تربیت لی۔ اس زمانے میں حضرت سحبان الہندؒ تفسیر کشف الرحمٰن تصنیف فرمارہے تھے۔

درسِ قرآن:

اسی سال مولانا نے دہلی میں لال مسجد لال کنواں میں درس قرآن کا آغاز کیا۔
اس درس کا افتتاح حضرت سحبان الہندؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ اور حضرت لاہوریؒ نے کیا تھا۔ یہ درس فجر کی نماز کے بعد ہوتا تھا۔
اسی سال درس تفسیر (بعد نماز عشاء) دہلی کی کھجور والی مسجد بیرم خان بہ افتتاح حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ شروع کیا۔

تاریخی خدمات:

ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ ساتھ مولانا قاسمی نے سیاست میں جمعیت علماے ہند کے کارکن کی حیثیت سے حصہ لینا شروع کیا۔ اور مسلمانان ہند کی خدمت مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں دیو بندیؒ کی سرپرستی میں کی۔ یہ دور ہندوستان کی قومی اور ملکی سیاست کا بڑا ہنگامی دور تھا۔
آپ حضرت مجاہد ملتؒ کے ساتھ دلی وقف بورڈ میں دینی شعبے کے انچارج رہے۔
۱۹۴۵ء میں مدرسہ حسین بخش دہلی کی مسجد میں خطیب اور حدیث و تفسیر کے مدرس مقرر ہوئے۔
۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء سے ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء تک جمعیت علماے ہند کے مرکزی ناظم اور صوبہ دہلی کے صدر رہے۔

۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں مولانا نے ایک تبلیغی اور اشاعتی ادارہ ''رحمت عالم'' قایم کیا۔ جس سے پچاس سے زائد اردو، ہندی اور انگریزی کے کتابچے چھاپ کر بلا قیمت تقسیم کیے گئے۔

۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء میں حضرت مجاہد ملتؒ کے مشورے سے دہلی کی میونسپل کارپوریشن کے انتخابات میں کانگریس کے امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا اور کامیاب ہوئے اور پانچ سال کارپوریشن کے ممبر اور ایجوکیشن کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ رہے۔

عوامی خطیب:

فرقہ وارانہ فسادات میں جمعیتِ علما کے امدادی کاموں میں رات دن ایک کر کے مولانا نے ہندوستان کے کونے کونے کا دورہ کیا اور دینی اجتماعات میں اسلام کے پیغام کو نہایت شگفتہ، عام فہم اور دلّی کے پر اثر ادیبانہ اسلوب میں پیش کیا۔ اسی لیے ہندوستان میں مولانا ''عوامی خطیب'' کے لقب سے مشہور ہیں۔

جمال عبدالناصر کے خلاف کفر کا فتویٰ اور مولانا کا نظریہ:

۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی۔ اس وقت حکومت سعودیہ نے عالم اسلام کے علما کی ایک میٹنگ بلائی اور مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے سوشلسٹ خیالات کو سامنے رکھ کر ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ اس اجلاس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے بھی شرکت کی۔ انھیں ہندوستان کا نمائندہ کہا گیا۔

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی نے اس کے خلاف ایک بیان وہاں کے اخبارات کو دیا کہ مولانا ندوی کی شرکت ذاتی حیثیت سے ہے۔ ہندوستان کے تمام مسلمان جمال عبدالناصر کی تکفیر اتفاق سے نہیں رکھتے۔

اس بیان پر ہندوستان میں بعض مخالفین نے مولانا قاسمی صاحب کا استقبال سیاہ

جھنڈیوں سے کرنے کا پروگرام بنایا، لیکن مولانا کے معتقدین کے اقدامات سے وہ کامیاب نہ ہوسکے اور مولانا کے اعزاز میں حوض قاضی چوک دہلی میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء میں مولانا نے ایک ماہانہ رسالہ بھی جاری کیا۔لیکن کچھ عرصے بعد مالی پریشانیوں کے پیش نظر اسے بند کرنا پڑا۔

۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں مولانا اخلاق حسین قاسمی، تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند اور وفاق مدارس عربیہ ہند کے ناظم رہے۔اور پھر اسی سال مستعفی ہو گئے۔

۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء کے صد سالہ جشن دارالعلوم دیوبند کے بعد جب دارالعلوم کا قضیہ شروع ہوا تو مولانا کی رائے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے حق میں تھی۔لیکن حضرت حکیم الاسلام کے اخلاف نے دارالعلوم کو اپنا ورثہ سمجھا اور دارالعلوم کے مفادات کے خلاف کام کیا تو مولانا نے اسے جماعتِ اسلامی ہند کی سازش قرار دے کر اپنی رائے بدل لی۔اور مجلسِ شوریٰ کی رائے سے اتفاق کیا۔ فرماتے ہیں کہ

"مولانا اسعد مدنی کی فراست نے جماعتِ دارالعلوم کو مودودی فتنے سے بچالیا۔"

جون ۱۹۹۰ء میں حکومت عراق کی طرف سے صیہونیت کے خلاف موتمر اسلامی عراق کے عظیم اجلاس میں مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔

مولانا کی پہلی اہلیہ محترمہ بتول خانم مرحومہ، الہ نور خان صاحب کی صاحب زادی تھیں۔ان سے مولانا کے ایک صاحب زادے ڈاکٹر شریف حسین قاسمی اور ایک صاحب زادی فاطمہ بیگم ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے خونیں واقعات اور حالات نے انھیں مولانا سے جدا کردیا۔

اس کے بعد مولانا نے دوسرا نکاح کیا۔ان سے بھی اللہ نے اولاد کی نعمت سے نوازا۔

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی کی تصنیفات

نمبر	نام تصنیف	صفحات	زمانۂ تالیف	کیفیت
۱	وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۵۰	۱۹۴۵ء	مطبوعہ
۲	ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰۰	۱۹۵۰ء	مطبوعہ
۳	تعلیم الدین (بچوں کا قاعدہ)	۴۸	۱۹۵۰ء	مطبوعہ
۴	جمعہ کے آسان خطبات مع دعائیہ خطبہ	۴۸	۱۹۵۱ء	مطبوعہ
۵	تحفۃ الابرار یعنی احکام وعبادات	۲۰۰	۱۹۵۱ء	مطبوعہ
۶	افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	۴۸	۱۹۵۲ء	مطبوعہ
۷	سیرت چارٹ رنگین	پوسٹر سائز	۱۹۵۵ء	مطبوعہ
۸	عدل اسلامی (انگریزی)	۵۰	۱۹۵۶ء	مطبوعہ
۹	پانچ پیشین گوئیاں (اردو، ہندی، انگریزی)	۸	۱۹۵۷ء	مطبوعہ
۱۰	اسلام سب کا فائدہ چاہتا ہے	۴۸	۱۹۶۰ء	مطبوعہ
۱۱	اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق	۲۵۰	۱۹۶۰ء	مطبوعہ
۱۲	مودودی صاحب کی تفسیر پر ایک نظر	۴۸	۱۹۶۰ء	مطبوعہ
۱۳	مختصر تاریخ ملت	۱۵۰	۱۹۶۰ء	مطبوعہ
۱۴	اسلامی عقائد (اردو، ہندی)	۴۸	۱۹۶۰ء	مطبوعہ

۱۵	جمعیت علماے ہند کا تعمیری، سماجی، اقتصادی اوراصلاحی پروگرام	۱۵۰	۱۹۶۰ء	مطبوعہ
۱۶	حج کے مقدس مقامات	۱۰۰	۱۹۶۰ء	مطبوعہ
۱۷	حج کا آسان طریقہ	۴۸	۱۹۶۰ء	مطبوعہ
۱۸	اسلام کیا کہتا ہے؟	۱۵۰	۱۹۶۱ء	مطبوعہ
۱۹	شہداے حق	۱۵۰	۱۹۶۱ء	مطبوعہ
۲۰	اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۴۵۰	۱۹۶۱ء	مطبوعہ
۲۱	اسلام سماج سیوا کا استھان (ہندی)	۱۵۰	۱۹۶۵ء	مطبوعہ
۲۲	اسلام میں رفاہ عام	۱۵۰	۱۹۶۵ء	مطبوعہ
۲۳	ماہ نامہ نظام ملت		۱۹۶۶ء	مطبوعہ
۲۴	مستند موضح قرآن	۱۰۰۰	۱۹۷۰ء	مطبوعہ
۲۵	فرقہ پرستی کی آگ (اس کتاب کی اشاعت پر چار مقدمات قایم ہوئے اور بارہ سال تک یہ مقدمات چلتے رہے)	۱۰۰	۱۹۷۲ء	مطبوعہ
۲۶	محاسن موضح قرآن	۸۰۰	۱۹۷۲ء	مطبوعہ
۲۷	اہل اللہ کی عظمت علماے دیوبند کی نظر میں	۱۰۰	۱۹۷۵ء	مطبوعہ
۲۸	معاشرے پر عورت کے احسان	۱۵۰	۱۹۸۰ء	مطبوعہ
۲۹	دنیا اور اس کی فضیلت	۱۶	۱۹۸۲ء	مطبوعہ

۳۰	بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ	۱۵۲	۱۹۸۲ء	مطبوعہ
۳۱	مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد	۲۲۱	۱۹۸۳ء	مطبوعہ
۳۲	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی سیرت	۳۰۰	۱۹۸۷ء	مطبوعہ
۳۳	مولانا آزادؒ کی قرآنی بصیرت	۳۷۱	۱۹۸۸ء	مطبوعہ
۳۴	خلفاے راشدینؓ	۴۸	۱۹۹۰ء	مطبوعہ
۳۵	اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مختصر)	۴۸	۱۹۹۰ء	مطبوعہ
۳۶	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ٹونے کا جھوٹا افسانہ	۱۰۰	۱۹۹۰ء	مطبوعہ
۳۷	قصص القرآن از مولانا ابوالکلام آزادؒ		۱۹۹۰ء	غیر مطبوعہ
۳۸	شاہ ولی اللہؒ اور ان کا نسبی اور فکری خاندان	۱۵۰	۱۹۹۴ء	مطبوعہ
۳۹	فوائد الفواد کا علمی مقام	۴۰۰	۱۹۹۴ء	مطبوعہ
۴۰	خطبات دہلی اور تعارف وتبصرہ	۱۸۴		مطبوعہ
۴۱	اسلامی احکام اور دعائیں	۸۰		مطبوعہ
۴۲	دلی کی برادریاں (جدید واضافہ شدہ)		زیر نظر کتاب	مطبوعہ

ان تصنیفات کے علاوہ مولانا سید اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے گراں قدر علمی اور تحقیقی مقالات ماہ نامہ دار العلوم دیوبند، ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی، اخبارِ نو دہلی، ماہ نامہ روبی دہلی، رسالہ اشاعت حق دیوبند، ماہ نامہ طیب دیوبند، ماہ نامہ حکمت قرآن لاہور،

رسالہ الفیصل حیدرآباد دکن، رسالہ ندا لاہور، ماہ نامہ نئی دنیا دہلی، ماہ نامہ ریاض الجنتہ جون پور، اخبار مشرقی آواز دہلی، اور کئی سیمنار کے لیے لکھے گئے جو شایع ہوئے۔ ان کا اجمالی خاکہ اس طرح ہیں۔

۱: جنت کا شجر ممنوعہ اور تفسیر بالرائے
۲: دنیا کی خدمت اور قرآن حکیم
۳: علم الاسماء میں علم اسماء سے کیا مراد ہے؟ وحید الدین خان کے افکار پر تنقید
۴: قانون عذاب الٰہی اور قرآن حکیم
۵: قرآن کا نظریۂ رحمت
۶: رحمت کا حقیقی سرچشمہ
۷: شوریٰ کی اسلامی حیثیت اور مولانا جلال آبادی کی کم زور رائے
۸: ہندوستان میں رسولوں کی آمد اور بشارات احمدی کے اقتباسات
۹: سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ قیادت
۱۰: ملّی اتحاد کے لیے علمائے حق کی جدو جہد
۱۱: مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب کی قرآن فہمی
۱۲: اسلام میں مذہبی آزادی کا تحفظ
۱۳: اسلام کا اقتصادی انصاف
۱۴: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا بے لاگ عدل قایم کیا
۱۵: جماعت شیخ الہندؒ کے منظور نظر مولانا محمد طیب صاحبؒ کی یاد
۱۶: کافر قرآن کی نظر میں
۱۷: فاتح ایران حضرت سعد ابن وقاصؓ کی سعادت وخشیت
۱۸: آسمانی سفر کے مشاہدات
۱۹: مولانا آزادؒ اور ترجمان القرآن
۲۰: خطبۂ صدارت جمعیت علما، صوبہ دہلی

۴۲: مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ
۴۳: انفاس العارفین اور مقدمہ القول الجلی پر تحقیقی نظر، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تجدیدی مشن کو مسخ کرنے کی کوشش
۴۴: دعوت عام میں تالیف قلب کا قرآنی اسلوب اور بیان القرآن کا تعمیری تسامح
۴۵: مولانا آزادؒ کی قرآنی بصیرت (عربی مضمون)
۴۶: الفرقان کی تفسیر؛ فرقانِ نظری، فرقانِ عملی اور فرقانِ سیاسی
۴۷: دلی مرحوم کی بدقسمتی (راقم الحروف کی کتاب ''تذکرۃ الشریف'' کے لیے ایک مختصر مضمون)
(ان مضامین کو یک جا کر کے ان شاء اللہ العزیز مقالات اخلاق کے نام شایع کیا جائے گا۔ اس پر کام ہو رہا ہے)۔

مولانا کے مزید مقالات ماہ نامہ ندآئے شاہی مراد آباد میں شایع ہوتے ہیں، جنھیں جمع کیا جا رہا ہے۔

دِلی کی برادریاں:

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ درالاصل وہ مضامین ہیں جو مولانا سید اخلاق حسین قاسمی نے جناب محمد عتیق صاحب مدیر روزنامہ الیوم دہلی کی فرمایش پر لکھے اور اسی اخبار میں شایع ہوئے۔ جب مضامین پورے ہو گئے تو جناب محمد عتیق صاحب نے اس کو کتابی صورت میں شایع کیا۔ مولانا نے مہربانی فرماتے ہوئے اس کتاب کا ایک نسخہ اپنے رفیق خاص اور میرے جد امجد حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم کو روانہ کیا۔ کتاب دل چسپ ہے اور اپنے بزرگوں کا اس میں کافی ذکر ہے۔ کچھ پرانی باتیں جو سینوں میں تھیں اوراق پر منتقل ہو گئیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب برادریوں کے تذکرے کے ساتھ ہمارے اکابر کے حالات پر بھی مشتمل ہے۔ میں نے اس کتاب کو چھاپنے کا ارادہ کیا تو حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے مولانا کو دہلی خط لکھا اور میرے ارادے سے انھیں آگاہ کیا۔

مولانا نے انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے ہوئے اس کتاب کو چھاپنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کتاب میں جابجا اضافے بھی فرمائے اور نیا مسودہ روانہ فرمادیا۔

ذیل میں مولانا کا مکتوب گرامی درج ہے۔

''محترمی حضرت قاری صاحب!

سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ بڑی خوشی ہوئی۔

خدا تعالیٰ آپ کی آنکھوں میں روشنی پیدا کرے گا یہ مرض دفع ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ ان آنکھوں نے صحیفۂ جمال الٰہی کی زیارت میں اپنی ساری زندگی گزاری ہے۔

دلّی کی برادریاں میاں تنویر احمد چھاپ سکتے ہیں۔ ایک نسخہ کچھ اضافوں کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ چند صفحات کتابت کرا کے بڑھا دیجیے گا۔ پوری کتاب بہت عمدہ ہے۔ کتابت کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چند فٹ نوٹ تحریر کیے ہیں انھیں بھی باریک قلم سے کتابت کرا کر شامل کردیں۔

مدرسۂ عالیہ فتح پوری کے تعارف کو بھی شامل کتاب کرادیں۔

طالب دعا ہوں۔ جو زبان ہر وقت کلام الٰہی کی تلاوت کرتی ہے اس پر جاری ہونے والی دعا اجابت سے محروم نہیں ہوسکتی۔

عزیز واقارب کورنگی میں سخت ابتلا سے گزر رہے ہیں۔ لیکن اس قابل نہیں رہا کہ کراچی آسکوں۔ صرف دعا کر رہا ہوں۔

الحمدللہ! موضح قرآن چھپ گیا۔ بڑی محنت بہ توفیق الٰہی کی گئی تھی، وہ قبول ہوگئی۔

کشف الرحمٰن بھی ان شاء اللہ چھپ جائے گی۔ صفحات کی ضخامت تین ہزار ہوگئی۔ اب تین جلدیں بنیں گی۔ اے کاش ایک ہی جلد ہوتی۔

تمام احباب کو سلام مسنون۔ شاجہان پوری صاحب ثم السندھی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔

نوٹ: احقر کا تعارفی صفحہ بہت مدہم ہوگیا ہے اسے دو صفحوں پر کتابت کرا کر شامل کر دیں۔ بعض اہم مضامین ہمراہ ہیں۔ان کی کتابت کر کے آخر میں شامل کر دیں۔ کتاب کی تاریخی اہمیت بڑھ جائے گی۔

والسلام
اخلاق حسین قاسمی
۱۰/اکتوبر ۱۹۹۹ء''

زیرِ نظر ایڈیشن کی خصوصیات:

اس کتاب کا انڈیا والے ایڈیشن سے عکس نہیں لیا گیا۔ بلکہ مروجہ طریقہ کمپیوٹر سے کتابت کرائی گئی۔اب اس جدید پاکستانی ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ابواب قایم کیے گئے ہیں۔مولانا مدظلہم نے جو اضافات فرمائے تھے ان کو انھی مقامات پر رکھا گیا جہاں ربط تھا۔امید ہے کہ باذوق حضرات اور خصوصاً ''دلی والے'' اسے پسند کریں گے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو صحت و عافیت کے ساتھ عمر میں برکت عطا فرمائے اور دین کی جو خدمت وہ انجام دے رہے ہیں اس کو قبول فرمائے۔

تنویر احمد شریفی عفی عنہ
۲۸/جولائی ۲۰۰۰ء الیوم الجمعۃ

.....☆☆☆☆☆.....

اشاعتِ ثانی:

الحمد للہ! خلافِ توقع بہت ہی قلیل عرصے میں اس کتاب کا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت اس میں پائے جانے والی اغلاط درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ کرے کہ ہمیں اس میں کامیابی ہو۔

اس کتاب کا پہلا پاکستانی ایڈیشن ۲۹؍ابواب پر مشتمل تھا۔ اب ایک باب ''دہلی کے خطّاط'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس لیے موجود ایڈیشن ۳۰؍ابواب پر مشتمل ہے۔

شریفی

یکم رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

۹؍ستمبر ۲۰۰۲ء

اشاعتِ ثالث:

زیرِ نظر ایڈیشن میں مزید اغلاط درست کی گئیں ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی اہتمام کیا گیا کہ انگریزی تاریخ وسنین کے ساتھ اسلامی تاریخ بھی درج ہوں۔

شریفی

۲۳؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

۵؍مارچ ۲۰۰۵ء

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دلّی کی عظمت

دلّی کی قدیم تاریخ راجہ دہلو سے شروع ہوتی ہے۔لیکن اس تاریخی بستی کو ۵۹۱ھ/ ۱۱۹۵ء میں مُسلم فرماں رواؤں کی راج دھانی بننے کا شرف حاصل ہوا۔

یہ دلّی مہرولی کے آس پاس تھی، اس کے دوسو برس بعد (۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء) فیروز شاہ تغلق نے اس جگہ دلّی بسائی جہاں آج فیروز شاہ کوٹلہ ہے اور اس تعلق سے اسے فیروز آباد کہا گیا۔

ہمایوں کے بیٹے اکبر نے آگرہ کو اپنی راج دھانی بنایا اور قلعہ فیروز شاہی (کوٹلہ) کو صرف ایک فوجی چھاؤنی رکھا۔

اکبر کے پوتے شاہ جہاں نے لال قلعہ تعمیر کرایا اور اس کے پاس دلّی بسائی جو شاہ جہاں کی نسبت سے شاہ جہاں آباد کہلائی۔

عظمت دلّی کا آغاز:

دلّی کی اسلامی عظمت کا آغاز بغداد کی مسلم عظمت کے زوال سے جڑا ہوا ہے۔ ادھر تاتاریوں کے ہاتھوں عباسی خلافت کا سورج غروب ہوا ادھر علما وفضلا اور صوفیا کی ہندوستان میں آمد نے اس سرزمین ہند کو اسلامی علوم اور مسلم تہذیب کی روشنی سے منور کیا۔

عدو شرّے بر انگیزد کہ خیر مادراں باشد

کے مقولے کے مطابق بغداد، بصرہ بخارا کے آسمان پر چمکنے والے ستارے وہاں غروب ہوئے اور یہاں طلوع ہو گئے۔

دلّی کے لیے بار بار اجڑنا اور بسنا اسی لیے ضرب المثل ہو گیا کہ یہ بستی ہر بار کے اجڑنے کے بعد پھر اس سے زیادہ باعظمت بن گئی۔

اسلامی ہند کا یہ ابتدائی دور تھا جس میں اسلامی دلّی کی تعمیر شروع ہوئی اور دلّی کو اپنی تعمیر کے لیے وہ مسالہ مل گیا جو اسلامیانِ عالم کی صدیوں کی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔

طبقاتِ ناصری کا مولف منہاج السراج اس وقت کی دلّی کو نہایت معزز لقب۔ ''حضرت دلّی''..... سے یاد کرتا ہے۔

''خلایق اطراف گیتی را بہ حضرت دہلی کہ دارالملک ہندوستان است و مرکز دایرہ اسلام'' (ص ۱۶۶)

فتوح السلاطین کے مصنف عصامی نے عہد شمسی کی دلّی کی تعریف وتوصیف کرکے آخری شعر یہ لکھا ہے

یکے کعبہ ہفت اقلیم شد
دیارش ہمہ دارا سلیم شد (ص ۱۱۱)

خداوند عالم نے اس عہد کے حکم راں سلطان التمش کو علم دوستی کا وہ وصف عطا کیا جس کی وجہ سے سینکڑوں علما، شعرا و صوفیا اس کی طرف کھنچ کر آ گئے۔

تاتاریوں کی خون آشام تلوار مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہی تھی اور علما و صوفیا کی یہ جماعت یہ اعلان کر رہی تھی ؎

با وصفِ غم برہنہ پائی
ہیں تابد رواں دواں ہم
ہم گونج ہیں سازِ ارتقا کی
گونجیں گے ابھی زماں زماں ہم

وقت آ گیا تھا کہ جس سرزمین سے میر عرب کو ٹھنڈی ہوا آئی وہ سرزمین میر عرب کے پیغام سے سرفراز ہو۔

علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

دورِ عروج:

اسلامی ہند کی عظمت علاءالدین خلجی کے عہد میں انتہائی عروج پر پہنچی۔ اس عہد کے مورخ برنی کا بیان ہے کہ اس عہد میں دارالسلطنت دلی میں ایسے ایسے باکمال علما وفضلا جمع ہو گئے تھے جن کا ثانی بغداد اور بصرہ و بخارا میں ملنا مشکل تھا۔ یہاں تک کہ

''اگر استادان ما آں تصنیف را استحسان واعتبارے کردندے معتبر شدے والامہجور ماندے'' (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۴)

''یعنی ان اسلامی مرکزوں کی تصانیف اسی وقت معتبر سمجھی جاتی تھیں جب علماے دہلی ان کی توثیق وتصدیق کر دیا کرتے تھے۔''

برنی اس عہد کی دلی کے ایک واعظ وخطیب مولانا عمادالدین حسام درویشؒ کے روح پرور مواعظ کی تاثیر کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

نہ چشمے دیدہ نہ گوشے شنیدہ
مرغ از آسمان فرود آمدے

اسی عہد کے ایک عالم مولانا ضیاءالدین سنامیؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے سماع پر تنقید کی اور اسے خلافِ شرع قرار دیا۔ ان کی وفات پر حضرت نے فرمایا:

''یک ذات بود حامی شریعت، حیف آں نیز نماند۔''

(اخبار الاخیار ص ۱۰۸)

برنی نے اس دورِ سعادت کے باکمال علما کی فہرست میں چھیالیس نام تحریر کیے ہیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ ہند اپنی فطری صلاحیت کی وجہ سے بہت جلد اس قابل ہو گئی کہ سمرقند و بخارا کی زرخیز مٹی سے اٹھنے والی باکمال حضرات کی تعلیم و

تربیت سے ہندوستان کے شہروں بیانہ، بھکّر، کول، ملتان، بلند شہر، ہالنی اور لاہور کی سرزمین سے باکمال علما کا ظہور شروع ہوگیا اور اسلام کی اس کرامت نے صرف ایک صدی کے اندر ہی سرزمین ہند کی کایا پلٹ کردی ہے۔

قیام دلّی بعہدِ شمس الدین التمش (۵۹۱ھ/ ۱۱۹۵ء) چھٹی صدی کے آخر کا واقعہ اور علاء الدین خلجی کی فتح دلّی (۶۹۵ھ/ ۱۲۶۹ء) ساتویں صدی ہجری کے آخر کا واقعہ ہے۔

اور یہی وہ دور ہے یعنی ساتویں صدی کا آغاز جب عالم اسلام پر اس کے مرکز بغداد و بصرہ پر تاتاریوں کے حملوں کی قیامت ٹوٹی ہے

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر نکلے اُدھر ڈوبے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

پھر علم و فضل میں باکمال افراد ہی نہیں بلکہ وہ مجاہدینِ حق پیدا ہوئے جنھوں نے مکہ اور مدینہ اور بغداد و بصرہ کے مجاہدینِ اسلام کی مثالیں قایم کر کے مسلم اقتدار کی فرعونیت کو للکارا اور امام احمد ابن حنبلؒ اور سعید ابن جبیرؒ کی یاد تازہ کردی۔

تاریخ کا یہ افسوس ناک واقعہ تو سب کو معلوم ہے کہ راجستھان (ناگور) کے مُلاّ مبارک اور ان کے لڑکوں ابوالفضل اور فیضی نے جلال الدین اکبر کو گم راہ کیا اور اس کی گم راہی کے لیے اپنے علم و فضل کا سرمایہ باطل پیش کیا۔ لیکن یہ تاریخی بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اسی سرزمین راجستھان (بیانہ) سے وہ ہستی اٹھی جسے قاضی مغیثؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس نے اکبر سے تین سو برس پہلے علاء الدین خلجی کی شکل میں نمودار ہونے والی گم راہی (دعویٰ نبوت) کو للکارا اور خلجی جیسے جابر حکم ران کے منہ پر اعلانِ حق کیا اور خلجی اپنی عام عادتِ جبر و تشدد کے برعکس قاضی کی پر خلوص نصیحت سے متاثر ہوگیا اور اپنے فرعونی ارادے سے باز رہا۔

ورنہ جو گم راہی اکبر (وفات ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں نمودار ہوئی وہ خلجی کے عہد (۶۹۵ھ) میں نمودار ہو چکی ہوتی۔

تاریخ فرشتہ نے دوسرا نام کوتوال شہر دلّی علاء الملک کا لکھا ہے جس نے اس جابر حکم راں کے سامنے وہ تقریر کی جس کی مثالیں حضرات انبیا علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں میں ملتی ہیں۔

دین وشریعت کا تعلق انبیا علیہم السلام سے ہے اور ان کی نبوت وحی آسمانی سے وابستہ ہے، منصب نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے۔ ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا حال سن کر عام وخاص اور چھوٹے اور بڑے سب آپ سے متنفر ہو جائیں گے اور سلطنت میں فساد عظیم برپا ہو جائے گا۔ بادشاہ کو معلوم ہے کہ چنگیز خان اور اس کی اولاد نے برسوں کوشش کی کہ دین محمدی کو مٹا کر اپنے دین (بت پرستی) کو جو ہزاروں سال سے ترکستان میں رائج تھا جاری کرے اور اسی خیال سے انھوں نے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا لیکن ان کی کوشش بارآور نہ ہوئی اور آخر کار یہ سب لوگ خود مسلمان ہو گئے۔"

خلجی پر علاء الملک کی اس تقریر کا ایسا اثر پڑا کہ وہ بول پڑا۔

"آں چہ تو گفتی ہمہ صواب وموافق نفس الامر است باید کہ من بعد ایں قسم سخن از من صادر نہ شود۔"

(مسلمانوں کا عروج وزوال، بہ حوالہ فرشتہ، جلد اوّل۔ ص ۲۶۵)

"ٹھیک ہے، جو تو کہتا ہے وہ حقیقت ہے، میں آیندہ ایسی گم راہانہ بات منہ سے نہیں نکالوں گا۔"

شاہ جہاں کی تعمیری جدوجہد:

دلّی کے شاہ جہاں آباد نے مغل سلطنت کی راج دھانی قرار پانے کے بعد ظاہر ہے کہ آگرہ سے مختلف اہل فن کی دلّی میں آمد شروع ہوئی۔ کیوں کہ جلال الدین اکبر کے عہد میں آگرہ اہل فن کا مرکز بن گیا تھا۔

تاریخ ہند سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مغل حکم ران جلال الدین محمد اکبر کو اپنے دار الخلافہ (آگرہ) میں ہر قسم کے صنعت کاروں کو جمع کرنے اور ان کی سرپرستی کرنے کا شوق تھا۔

انگریز مورخ سر جارج بروڈ نے اپنی انڈسٹریل آرٹس آف انڈیا میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے مسلم امرا اور حکم رانوں کی دل چسپی کا سبب ہی تھا کہ ہندوستان کی صنعت وحرفت کمال کو پہنچی۔

ابوالفضل نے آئینہ اکبری میں لکھا ہے کہ مغل حکم ران اپنے محلوں میں ہر فن کے باکمال کاری گروں کو ہر خطے سے بُلا کر رکھا کرتے تھے۔

اکبر بادشاہ کو خود بھی نقاشی اور مصوری کا بے حد شوق تھا، یہ بادشاہ ہر قسم کے کاری گروں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا تاکہ ان لوگوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہو اور ملک کی صنعت ترقی کرے، بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے مختلف کاری گروں کے کام خود دیکھتا اور انھیں اکرام سے نوازتا تھا۔

شاہی لباس خانے میں ہر قسم کے ماہر بنکر، زردوز اور کامدار موجود تھے اور ان کے بنائے ہوئے لباس شاہی انعامات کے طور پر خلعتوں اور انعامات میں دیے جاتے تھے۔

اسی طرح شاہی سرپرستی سے سادہ کار، جوہری، مہر کن اور سنہار فایدہ اٹھاتے تھے۔

سر جارج نے لکھا ہے کہ لندن کے انڈین میوزیم میں ایک بہت بڑا پیالہ رکھا ہوا ہے جس پر تین پشتوں کے میناکاری کے فن کاروں کی محنت صرف ہوئی تھی۔

(واقعات دار الحکومت، دوم ص ۳۸۸)

ظاہر ہے کہ اہل صنعت میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔ مغلوں کے ہاں سیاست اور معیشت کے کاروبار میں مذہب کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ البتہ یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ہندو کاری گر مسلم ماحول سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے

ہوں تاکہ وہ ماحول میں گھل مل جائیں اور سکون کی زندگی گزاریں۔
عالم گیر کو بڑا ظالم بادشاہ کہا جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح ہے کہ دوسرے مغل حکم رانوں کے مقابلے میں دین دار تھا۔ اور وہ جس دین کو مانتا تھا وہ دین اسلام ہے۔
دین اسلام میں کاروبار حکومت کے اندر کام کی اہلیت کا لحاظ رکھنے کی ہدایت ہے، یہ ہدایت نہیں ہے کہ ایک مسلمان کتنا بے صلاحیت ہو، اسے حکومت کے عہدے پر بٹھا دو، چاہے کاروبار سیاست برباد ہو جائے۔
چناں چہ عالم گیر کے دربار میں ایک خزانچی کی جگہ خالی ہوئی، اس کے لیے ایک مسلمان اور ایک مجوسی آتش پرست دونوں نے درخواست کی۔ عالم گیر نے مجوسی کو مقرر کر دیا، اور مسلمان کو لکھا:

> ''کاروبار حکومت میں اہلیت کار کا لحاظ رکھا جاتا ہے، عقیدے اور مذہب کا نہیں اور اس رقعہ میں سورۃ ممتحنہ کی آیت نمبر ۸ کا حوالہ دیا، جس کا مفہوم یہ ہے۔
>
> خدا تعالیٰ ان غیر مسلموں کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے کو نہیں روکتا جنھوں نے اے مسلمانوں تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ خدا تعالیٰ انصاف سے کام لینے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آرنلڈ تھامس نے عالم گیر کا یہ رقعہ نقل کیا ہے اور یہ دستور خلافتِ راشدہ کے اندر بھی رہا ہے، فقہائے اسلام نے صرف خلافت کے عہد کو عقیدۂ توحید و نبوت کے ساتھ خاص رکھا ہے، اس کے علاوہ صلاحیت کار کے اصول کو تسلیم کیا ہے۔
شاہ جہاں نے لال قلعہ کی تعمیر کے لیے لاہور سے جن اہل فن کو دلی بلایا اس کی تفصیل لاہوری برادری کے تذکرے میں آئے گی۔ شاہ جہاں نامے کے مصنف کا بیان ہے کہ لال قلعہ نو برس تین مہینہ میں مکمل ہوا اور اس کی تعمیر پر سات لاکھ روپے خرچ ہوئے۔
شاہ جہاں کے وزیر سعد اللہ خاں نے قلعے کی عظمت پر یہ شعر کہا

اگر فردوس بہ روئے زمین است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

پھر لکھتا ہے کہ وہ سیاح جن کی آنکھوں نے تاج محل کے خوب صورت تناسب کے مزے لوٹے ہیں اور جن کے دل نے تغلق آباد کے حیرت انگیز کھنڈرات اور تر کی سلاطین کے آثار قدیمہ قطب مینار، مقبرہ التمش، علائی دروازہ وغیرہ کی عظیم تعمیرات پر حیرت کی ہے وہ لال قلعہ کے دیوانِ خاص اور دیوانِ عام کے حسن و جمال کو دیکھ کے سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

۱۹۴۷ء کی دلّی!

میرا موضوعِ تحریر ۱۹۴۷ء کی مبتلائے آلام دلّی ہے۔

جس دلّی کے مسلم حصے پر جو تباہی آئی وہ فتنۂ تاتار میں بغداد کی تباہی سے کم نہیں تھی۔ بغداد و بصرہ پھر بہت جلد سنبھل گئے تھے، پچاس برس کے بعد قاتلانِ ملت کے سر اسلام کے آگے جھک گئے تھے، مگر پچاس برس گزرنے کو آئے مسلم دلّی ابھی تک اپنی عظمت رفتہ سے ہم کنار نہیں ہوئی۔

بے شک دلّی کے مسلمانوں نے اپنی چھینی ہوئی دکانیں اور مکانات بھاری پگڑیاں دے کر غیر مسلموں سے واپس لینی شروع کر دی ہیں اور مسلمان پرانی دلّی سے نکل کر جمنا پار اور دوسری کالونیوں میں پھیل گئے ہیں۔ لیکن یہ قومی عظمت کا صرف مادی رخ ہے اور قوموں کی حقیقی عظمت اس کے علمی اور تہذیبی پہلو سے وابستہ ہے۔

دوسری قوموں سے موازنہ کرو، وہ مادی عظمت کے ساتھ علمی اور تہذیبی برتری کے نہایت اونچے مقام پر فایز نظر آتی ہیں۔

میں پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات سے بحث نہیں کرنا چاہتا میرا موضوع ہندوستان کی راج دھانی دلّی کے موجودہ حالات ہیں۔

دورِ ابتلا کے مجاہد:

دلّی کے اس دورِ ابتلا میں جن مسلمانوں نے، اہلِ علم واتقا نے، اہلِ زبان وادب نے، سماجی کارکنوں نے اور تحریک آزادی کے سرفروشوں نے جو خدمات مسلمانوں کو سنبھالنے کے لیے انجام دیں اپنی محدود معلومات کی حد تک ان خدمات پر روشنی ڈال کر انھیں زندہ رکھنا میری اس تحریر کا اصلی مقصد ہے۔

تکلیف کے لیے معذرت:

اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے میں نے دلّی کی بڑی برادریوں کو عنوان بنایا ہے، اسی عنوان کے تحت دلّی کے علما رؤسا اور محنت کشوں کا مختصر تعارف قارئین کے سامنے ہے۔

ہوسکتا ہے کہ میری معلومات کی کم زوریوں یا میرے طالب علمانہ انداز بیان سے کسی بزرگ و بھائی کو تکلیف پہنچے تو میں ان حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔

میں نے کوشش کی ہے کہ مطبوعہ مضامین (الیوم) میں جو کم زوریاں تھیں انھیں دور کر کے کتابی شکل دی جائے۔

مجھے اس کمی کا بڑا احساس ہے کہ دلّی کی مسلم برادریوں کے تذکرے میں ضمنی طور پر دلّی کے جن دینی اور قومی کارکنوں کا ذکر خیر آیا ہے ان میں بعض اہم ہستیاں اس ضمنی بیان میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں، لیکن یہ کمی اتفاقی ہے اور اس کا سبب میری معلومات کے دائرہ کی تنگی ہے۔ مثلاً ہمارے درویش صفت رفیق مولانا قاری فقیہ الدین صاحب، مولانا سید انیس الحسن صاحب بی اے، مولانا وحید الدین صاحب قاسمی مرحوم، جناب انور دہلوی صاحب، میر مشتاق احمد صاحب مولانا محمد فاروق صاحب (بچوں کا گھر) مفتی محمد ضیاء الحق صاحب دہلوی۔ ان دوستوں کی خدمات دلّی کے دورِ ابتلا کی تاریخ کے صفحات پر روشن رہیں گی، خدا کرے میری کوشش کامیاب رہی ہو۔

میں اور میرے ساتھ تمام دلی نواز حضرات، جناب محمد عتیق صدیقی ناظم اعلا جمعیت علماء صوبہ دہلی اور مالک ومدیر ''الیوم'' کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے میرے مضامین کو ''الیوم'' میں سلیقہ سے شایع کیا اور اب ان مضامین کو کتابی شکل میں شایع کررہے ہیں۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ. (حدیث)

''جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا اسے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق بھی نہیں ملتی۔''

اخلاق حسین قاسمی

۲۳رفروری ۱۹۹۶ء

باب(۱)

برادری ازم اور اسلام

مولانا احمد سعید علیہ الرحمتہ اپنے وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر برادری کا آدمی ہوں، میرا کسی خاص برادری سے تعلق نہیں، ایک مذہبی رہنما کو جس طرح پوری امت مسلمہ کے ساتھ گھل مل کر محبت کے ساتھ رہنا چاہیے، مولانا مرحوم اسی جذبے کا اظہار کرتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ قریش کی سب سے زیادہ باعزت شاخ بنی ہاشم سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو قبیلہ پسندی سے بلند رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے تمام خاندانوں نے اور عجم کے حبشیوں، رومیوں اور فارسیوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے دل میں اپنے لیے بھرپور محبت پائی اور کسی معاملے میں امتیاز محسوس نہیں کیا۔

قرآن کریم نے اعلان کیا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ (۱۳:۴۹)

لوگو! تم میں خدا کے نزدیک وہی سب سے زیادہ باعزت ہے جو خدا سے زیادہ ڈرتا ہے۔

اس اصول کی پابندی اگر رسولِ خدا ہی نہ کرتے تو پھر اور کون کرتا؟

حضرات صحابہؓ ایک موقع پر انبیائے سابقین کے القابِ کا عالیہ تذکرہ کر رہے تھے، حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمرے میں یہ بحث سماعت فرما رہے تھے۔ آپ نے اس موقع پر ضرورت محسوس کی کہ انبیائے کرام میں آپ کا جو درجہ اور مرتبہ ہے اس کا اظہار فرمائیں۔ چناں چہ آپ کمرے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

''تم لوگ، حضرات انبیاے سابقین کے القابِ عالیہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔
تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا مرتبہ یہ ہے۔ اَنَــا سَیِّــدُ وُلْــدِ اٰدَمَ وَلَا
فَخْرَ. ''میں اولادِ آدم کا سردار بنایا گیا ہوں لیکن میں اس پر فخر نہیں کرتا۔''

آپ نے اگر اپنے اسلاف پر نسبی طور پر فخر کیا تو وہ موقع تھا میدانِ جہاد کا۔
جب غزوہ حنین میں آپ کے ساتھیوں کی پسپائی ہوگئی اور آپ تنہا رہ گئے تو آپ جوشِ جہاد میں تنہا ہی دشمنوں کی طرف لپکے، اس وقت آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، اور اس کی لگام میں آپ کے چچا حضرت عباسؓ تھامے ہوے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں دشمنوں کی صفوں کی طرف بڑھ رہے تھے اور زبانِ مبارک پر رجز (جنگ کا ترانہ) کا یہ شعر جاری تھا

اَنَــا الــنَّبِــیُّ لَا کَــذِبْ
اَنَــا ابْــنُ عَبْــدِ الْــمُـطَّــلِــبْ

''لوگو! میں سچا نبی ہوں، جھوٹا نبی نہیں ہوں۔ اور میں حضرت عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔''

عبدالمطلب آپ کے دادا تھے، ان ہی کی گود میں اس دُرِ یتیم نے پرورش پائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں تھے اور نہ شاعری آپ کے اصلی منصب (نبوت) کے شایانِ شان تھی۔ لیکن بہ ہر حال آپ ایک ادیب قوم کے فرد تھے، جس قوم کی گھریلو کنیزیں بھی شعر کہنے کی قدرت رکھتی تھیں، اس لیے کبھی کبھی جوش کے عالم میں آپ کی زبانِ مبارک پر مقفّٰی فقرے جاری ہو جاتے تھے۔ اس وقت حضرت عباسؓ آپ کی سواری کو آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔

تمام رسولوں پر درجۂ فضیلت رکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قومیں اپنے اپنے رسولوں اور پیشواؤں پر فخر نہ کریں۔
چناں چہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کی قسم کھائی، اس پر ایک مسلمان کو غصہ آ گیا اور اس نے اس یہودی پر ہاتھ

چھوڑ دیا۔ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے شکایت کی، آپ نے اس مسلمان کو سخت سرزنش فرمائی، اور یہودی کے ساتھ مذہبی آزادی کا معاملہ فرمایا۔

(بخاری۔ کتاب الانبیاء)

قرآنِ کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل ایمان کا روحانی باپ کہا گیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کو اہل ایمان کی مائیں قرار دیا گیا۔

(احزاب آیت ۶)

یہی نسبت اور یہی تصور ہے جو اہل ایمان کو ہر حال میں زندہ و تابندہ رکھتا ہے۔

ہر چند پیروختہ دل ناتواں شدم
ہرگہ کہ یادروئے تو کردم جواں شدم

میں نے دلّی کی برادریوں کے بارے میں جو مضامین ''الیوم'' میں لکھے ہیں ان میں نسب کے معاملے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سخت ہدایت ہے اور اس ہدایت کی خلاف ورزی کرنے پر جو شدید مذمت احادیث میں وارد ہے، اسے اپنے ان دین دار بھائیوں کی واقفیت کے لیے لکھ کر جو بے خبری کی وجہ سے محض ایک فیشن سمجھ کر اپنے ناموں کے ساتھ بزرگوں کی نسبت لگاتے ہیں اور وہ نسبت کسی پیشے کے تعلق کی نہیں ہوتی، بلکہ حسب نسب سے تعلق رکھتی ہے، اور اس سے التباسِ نسب کا گناہ لازم آتا ہے، اس گناہ سے وہ دین دار لوگ بچ جائیں۔ اور یہ ایک عام فیشن ہے کہ بڑے لوگوں (مذہبی پیشواؤں یا سلاطینِ) کی طرف نسبت کر کے اپنے آپ کو باعزت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ماضی قریب میں اس قسم کے جذبے نے مصر کے حکم ران جمال عبدالناصر کو فراعنہ مصر کی اولاد قرار دینے اور اس بدترین نسبی تعلق پر فخر کرنے کے خبط میں مبتلا کر دیا تھا اور شہنشاہِ ایران نے بھی خود کو آریہ مہر کے خطاب سے ملقب کر کے اپنا ڈھائی ہزار سالہ جشن منایا تھا اور پھر دونوں حکم رانوں پر جس طرح زوال آیا وہ تاریخ کی ایک عبرت ناک داستان ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی قسمیں، اسلام میں کوئی پیشہ حقیر نہیں:

جفت فروش برادری کو اگر کسی گھٹیاپن کے اعتبار سے (حضرت) صدیق اکبرؓ کی اولاد سے جوڑا گیا ہے تو یہ احساس کم تری کی بات ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایت ہے کہ:

تَخْصِفُ النَّعْلَ بِيَدِهٖ.

"آپ اپنے ہاتھ سے اپنی چپل مرمت کیا کرتے تھے۔"

فقہ کے ایک امام (امام خصّافؒ) خصّاف کے لقب کے مشہور ہیں، یہ جوتوں کی مرمت کیا کرتے تھے یا نئے جوتے بناتے تھے۔ خصف کے دونوں معنی آتے ہیں۔

پھر کیا ضرورت ہے کہ ایک ہندوستانی برادری کو عرب کی ایک بڑی شخصیت (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کی اولاد قرار دیا جائے۔

اہلِ تاریخ (آرنلڈ تھامس) نے یہ لکھا ہے کہ عربوں کے مسلم قبائل اور مسلم عرب نسلیں ہندوستان کے مغربی ساحل پر آباد ہیں، یہ عرب خاندان سمندر کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک موپلا قوم کہلاتی ہے جو عراق سے ہندوستان آئی، یہ لوگ گرم مسالہ، ہاتھی دانت اور جواہرات کی تجارت کرتے تھے۔ ممبئی کے ساحلی علاقوں میں کوکنی قوم آباد ہے، یہ بھی عرب قبائل ہیں، ان میں بعض قبائل بنی امیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو عباسی حکم رانوں کے ہاتھوں سے بچ کر ہندوستان آ گئے اور مچھلی کی تجارت شروع کردی۔

تاریخ کوکن میں ان خاندانوں کی تفصیل موجود ہے۔

ان کے علاوہ وہ مسلمان ہیں جو شمال مغرب کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے، ان میں مسلم حکم رانوں (غزنوی، غوری، لودھی، پٹھان، اور مغل) کی اولاد، ان کے اہل کار اور سپاہی اور ان کی اولاد ہے۔

ان دو قسم کے مسلمانوں کے علاوہ کثرت ان نومسلموں کی ہے جنھوں نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔ (پریچنگ آف اسلام، ص ۲۰۶)

ان نومسلم قوموں میں بھی بڑی تعداد مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والوں کی ہے۔

چوں کہ ہندوستان کے نسل پرست پیشوں کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ اس لیے اس طبقے نے مسلمانوں میں شامل ہوکر اسلامی اخوت اور مساوات کی تعلیم سے نسل پرستوں کی حقارت سے نجات پائی۔

ان نومسلم برادریوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس نے اپنے آپ کو ان بزرگوں کے لقب سے موسوم کر دیا جن کے ہاتھوں پر انھوں نے اسلام قبول کیا تھا، اور اس طرح ایک طبقہ سید شیخ، مرزا، یا خان ہو گیا۔ (ایضاً ۲۰۷)

معلوم ہوا کہ سید، مرزا، پٹھان کے القاب محض اپنے آپ کو اپنے روحانی بزرگوں (علما و صوفیا) سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے بھی اختیار کیے گئے۔ ایک طبقہ ایسا بھی تھا، یہ اصلی سید، اصلی مغل پٹھان کے علاوہ نقلی سید نقلی مرزا اور نقلی پٹھانوں کا طبقہ ہے۔

شیخ کا لقب:

عربی میں شیخ کے معنی عمر رسیدہ اور بوڑھے آدمی کے ہیں۔ بوڑھے آدمی کو قابل احترام سمجھا جاتا ہے، اس لیے شیخ کا لفظ ایک باعزت اور محترم بن گیا۔

اشراف مسلم برادریوں (سید، مغل، پٹھان) کے مقابلے میں نومسلم لوگوں کے اندر عزتِ نفس کا احساس پیدا کرنے کے لیے حضرات علما اور صوفیا نے نومسلموں کو شیخ کے لفظ سے پکارنا شروع کر دیا۔

کیوں کہ شیخ کا لقب بزرگ اور مقتدا کے مفہوم میں علما و صوفیا کے حلقوں میں بولا جاتا تھا۔ شیخ المشائخ، شیخ العلماء، شیخ الاسلام، شیخ الادب، شیخ الحدیث کے القاب آج تک مروج ہیں۔

تھامس نے لکھا ہے کہ گوگاواں میں (دلی کے قریب) بنیوں کا ایک خاندان

ہے جو اپنے نام کے ساتھ شیخ کا لقب لکھتا ہے اور اس کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ اس کے بزرگوں میں ایک شخص نے (جو لاولد تھا) اپنی جایداد کو ضبط ہونے سے بچانے کے لیے اسلام قبول کرلیا تھا، اور اپنے نام کے ساتھ شیخ لکھتا تھا، وہ لقب اس کے ہندو خاندان میں رائج ہو گیا۔ (پریچنگ آف اسلام، ص ۲۱۱)

اشراف برادریاں:

پیشہ ور نومسلموں کے علاوہ ہندستان کی باعزت ہندو برادریوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ راجپوت، اگروال، جاٹ، برہمن نومسلم لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ علامہ اقبالؒ، کشمیری پنڈت تھے اور اس پر انھوں نے فخر کیا ہے ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ رمز آشنائے روم وتبریز است

پاکستان کے مشہور مذہبی اسکالر اور تحریکِ خلافت کے قائد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب حصار (ہریانہ) کی رینگڑ مسلم برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم مہاراجہ اگرسین کی نسل سے ہیں اور اگروال ہیں۔

دولت مندی شرافت ہے:

اکبر الہ آبادیؒ نے آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے کہا تھا ؎

طے کرو صاحب نسب نامہ وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگی شرافت، مال دیکھا جائے گا

اکبر کی پیش گوئی آج پوری طرح آنکھوں کے سامنے ہے، دولت مندی شرافت کا معیار بن چکی ہے، دولت کے ساتھ حسب ونسب جاتے ہیں، غربت کے ساتھ اپنے حقیقی باپ دادا کا نام لیا جا رہا ہے۔ ورنہ دولت کے آتے ہی شیخ سے مغل

اور مغل سے پٹھان اور سید تیار ہو جاتے ہیں۔

صاحبِ تفہیم لکھتے ہیں:

قدیم زمانے کے قاعدے کے مطابق جو لوگ کسی بڑے آدمی کے ساتھ وابستہ ہو جاتے تھے، وہ رفتہ رفتہ اسی کی آل اولاد میں شمار ہو کر بن فلاں کہلائے جانے لگتے تھے۔

اسی قاعدے پر عرب کی آبادی کا بڑا حصہ بنی اسماعیل کہلایا اور اولاد یعقوب کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہونے والے لوگ سب کے سب بنی اسرائیل کے جامع نام کے تحت کھپ گئے۔

اسی طرح مدین کے علاقے کی ساری آبادی بھی مدیان ابن ابراہیم کے زیر اثر آئی۔ وہ بنی مدیان کہلائی اور اس ملک کا نام ہی مدین یا مدیان مشہور ہو گیا۔

(مختصر تفہیم۔ صفحہ ۲۶۶)

امام محمد ابن اسماعیل بخاریؒ کے دادا مغیرہؒ نے بخارا کے عالم یمان جعفیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اسی نسبت سے امام بخاری جعفیؒ سے مشہور ہو گئے۔

(ابن حجرؒ، مقدمہ فتح الباری، صفحہ ۴۴۸)

غلط انتساب کی مذمت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط انتساب اور اپنے حقیقی باپ دادا کو چھوڑ کر بڑے لوگوں کی طرف نسبت کرنے کی سخت ترین مذمت فرمائی ہے۔ اسی طرح اپنے صحیح باپ دادا پر فخر و مباہات کرنے کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔

اپنے بڑوں کا ادب واحترام الگ چیز ہے، جس کی قرآن نے ہدایت کی ہے اور ان پر فخر کرنا اور بڑوں سے اپنے آپ کو منسوب کر کے بڑائی حاصل کرنے کی کوشش کرنا ایک الگ چیز ہے۔

آپ نے فرمایا:

''جوقومیں اپنے آباواجداد پرفخر کرتی ہیں (اوران کا اپنا کردار کچھ نہیں ہوتا) تو وہ جہنم کا سوختہ ایندھن ہیں یا خدا کے نزدیک نجاست کے کیڑے (جعل) سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔'' (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۴۱۸)

اس اہم حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ یَّفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَاءِ هِمُ الَّذِیْ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِّنْ جَهَنَّمَ اَوْلَیَکُوْنَنَّ اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنَ الْجُعْلِ الَّذِیْ یُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ..... اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَفَخْرِهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْفَاجِرٌ شَقِیٌّ، کُلُّهُمْ بَنِیْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد ومشکوٰۃ۔ ۴۱۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اتنی سخت مذمت شاید ہی کسی دوسرے برے اعمال کے لیے نکلی ہو، کیوں کہ یہی وہ اجتماعی گناہ ہے جس نے امت مسلمہ کی اس عظمت وشوکت کو آہستہ آہستہ ختم کیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فیض یافتہ صحابہؓ کی بے مثال جدوجہد، ایثار پسندی اور قربانیوں کے ذریعے حاصل ہوئی تھی۔ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

حیرت نہ کر بدن کو میرے چور چور دیکھ کر
ان رفعتوں کو دیکھ جہاں سے گرا تھا میں

اسلام جو اصولی امت (امت مسلمہ) بناتا ہے۔ اسی اصولی امت پر اسلام کے قیام واستحکام کا دارومدار ہے۔ اصولی امت کا شیرازہ بکھیرنے والی جولعنت ہے وہ برادری ازم اور اپنے آباؤاجداد پر فخر کرنا ہے۔

ہندوستان کی نو مسلم قومیں:

ہندوستانی مسلمانوں میں جب قدیم مسلم قومیں اپنے فاروقی، صدیقی، عثمانی اور مرزا، مغل اور پٹھان ہونے پر فخر کرتی ہیں تو نو مسلم برادریاں اپنے راجپوت، چودھری، گوجر اور جاٹ ہونے پر فخر و مباہات کے احساسات کا اظہار کرنے پر فطری طور پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ ایک باعزت سکھ گھرانے کے فرد تھے، یہ خاندان راج پوت تھا۔ راج پوت ہندوستانی راجاؤں کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ مولانا سندھی جب کبھی شرافت پرست مسلمانوں کے فخر و غرور کو اپنے مقابلے میں محسوس کرتے تو فرماتے:

> ”میں بھی ایک ہندوستانی سید (سردار) ہوں، یہ اشارہ اپنے راج پوت ہونے کی طرف تھا“

برادری ازم کا زور:

سیاسی ضرورت اور سیاسی مصلحت کے تحت بردری ازم کا زور اندرا گاندھی کے دور میں ہوا۔

نئی دہلی کے اقتدار نے پہلے تو مسلمانوں کے اندر تنظیمی افتراق پیدا کیا اور جمعیت علماے ہند کی قدیم تاریخی تنظیم کو نشانہ بنانے سے اس فتنے کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر مسلمانوں کے معاشرتی اتحاد کو برادری ازم کے فتنے کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

اندرا گاندھی کے دور میں انصار اور مومن برادری کے ایک رہنما ضیاء الرحمٰن صاحب انصاری وزیر تجارت بنائے گئے تھے، ان کا خاندان پرانا کانگریسی تھا اور یہ اپنے علاقے سے منتخب ہو کر آئے تھے۔

انصاری صاحب برادری ازم کے مسئلے میں بہت حساس واقع ہوئے تھے۔

انگریزی دور میں اشراف طبقہ (پٹھان، مغل) کی طرف سے پیشہ وروں اور غربا کے ساتھ جو ذلت آمیز برتاؤ کیا جاتا رہا، مرحوم اپنی تقریروں میں اس پر نہایت دل آزارانہ تبصرہ کرتے تھے اور اس سے پرانی نفرت کے احساسات بے دار ہوتے تھے۔

چناں چہ بارہ بنکی کے ایک جلسے میں جو مولانا رشید الدین صاحب حمیدیؒ [1] (حال مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد) کی طرف سے بلایا گیا تھا اور ایک دینی مدرسے کے تحت بلایا گیا تھا، اس میں انصاری صاحب نے اشراف طبقے کے خلاف نہایت سخت قسم کی تقریر کی۔ مولانا رشید الدینؒ گھبرا گئے اور مجھ سے کہا کہ اس تقریر سے میرے مدرسے کو نقصان پہنچے گا۔ میں نے اپنی تقریر میں انصاری صاحب کے تبصرے کی تردید کر کے فضا کو صاف کیا۔

مرحوم انصاری صاحب کو اس تردید کی شکایت رہی۔

اُونچ نیچ کا فتنہ کب اُٹھا:

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے ایک کتابچہ ''نہایت الارب'' کے نام سے شائع کیا اور اس میں کنزل العمال جیسی کم زور کتاب سے مختلف پیشوں کی مذمت کے بارے میں بے اصل روایات نقل کیں۔ جن روایات کو پڑھ کر دماغ کھول جاتا ہے کہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے اس قسم کی مضحکہ خیز اور خلاف عقل و تدبر باتیں ارشاد فرما سکتے ہیں؟.....العیاذ باللہ!

یہ دور تحریکِ آزادی کا تھا اور تحریک آزادی میں ہندوستان کے اہل صنعت و حرفت، علمائے حق (جمعیت علمائے ہند) کے ساتھ تھے۔

---

[1] حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی مدینۂ منورہ میں انتقال فرما گئے، جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ مرحوم حضرت مدنیؒ کے داماد اور حضرت شیخ الحدیث کے خلیفہ تھے۔ (شریفی)

علمائے دیوبند میں مولانا تھانویؒ اور ان کا حلقہ تحریک آزادی میں مشترک جدوجہد کے خلاف تھا۔ مفتی شفیع صاحبؒ مولانا تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اس کے علاوہ دیوبند کے شیخ زادگان کے اندر نسبی غرور کی کمزوری تھی..... جو اس فتنے کا محرک بنی۔

اس فتنہ انگیز کتاب کے شایع ہونے پر ہندوستان کی پیشہ ور برادریوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور دارالعلوم دیوبند کے بائیکاٹ کی تحریک شروع کردی گئی۔

اس کتاب کے اندر درج روایات کے بارے میں جب حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ سے استفسار کیا گیا تو مفتی صاحبؒ نے کئی مہینے تک تو خاموشی اختیار کی، کیوں کہ اس سے حلقۂ دیوبند کے علما تفرقہ کا شکار ہو جاتے۔ مگر جب ہنگامہ بڑھا تو مفتی صاحبؒ نے اخبار الجمعیۃ کے ذریعے ان بے اصل روایات پر مدلل جرح و تنقید کر کے انھیں بے اصل ثابت کیا..... اسی موقعہ پر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے کفاءت (نکاح میں کفو) کے حنفی تصور کی تردید میں ایک تحقیقی مضمون شایع کیا اور اس طرح مفتی صاحبؒ کے موقف کی تائید کی۔

اس تفرقہ انگیز کتاب کی حمایت میں مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مفتی عبدالکریمؒ مفتی تھانہ بھون نے مضامین شایع کیے، جن میں سے بعض مضامین مسلم لیگ کے اخبار الامان دہلی میں شایع ہوئے۔

اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس فتنے کا سیاسی پس منظر کیا تھا؟

اس تفرقہ انگیزی کے خلاف دارالعلوم دیوبند کے بائیکاٹ کی تحریک کو مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم نے اپنے اثر و رسوخ سے ختم کرایا۔

واضح رہے کہ یہ دور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ابتدائی دور تھا، لیکن جب مفتی صاحبؒ علمی رسوخ کی منزل پر پہنچے اور وہ اس وقت پاکستان کے مفتی اعظم تھے، تو پھر انھی کی قلم سے ''وحدتِ امت'' کے نام سے ایک کتاب وجود میں آئی۔

مرحوم ضیاء الرحمٰن انصاری کے دل میں اسی دور کی تلخی تھی، لیکن مرحوم اس تلخی کو

بالعموم علما کی طرف منسوب کرتے تھے، حالاں کہ وہ تحریک علما کے ایک محدود حلقے کی طرف سے شروع ہوئی تھی اور اسی حلقے کے ممتاز علما کی کھلی مخالفت سے اس تحریک نے دم توڑا تھا۔

انصاری صاحب کی شکایت دور ہوئی:

انصاری صاحب کی یہ ناراضگی اس وقت ختم ہوئی بلکہ عقیدت سے بدل گئی جب میں نے مسٹر امین الحسن رضوی صاحب (سابق ایڈیٹر ریڈینس) کے مراسلے کا جواب دیا۔

رضوی نے یہ لکھا تھا کہ انصاری صاحب نے اپنے لیڈر راجیو گاندھی کے اشارے پر پارلیمنٹ میں مسلم پرسنل لاء کی حمایت میں تقریر کی، پھر اس میں انصاری صاحب کی تعریف کیا ہے؟ میں نے اس کا مدلل جواب شرعی اصول کی روشنی میں دیا۔ یہ (جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ) جنوری ۱۹۹۱ء کا واقعہ ہے۔

انصاری صاحب کو سرکاری حلقے کی طرف سے اس تقریر کی سزا دی گئی اور ایک خاتون کی طرف سے ان پر الزام تراشی کرا کران کی کردار کشی کی گئی۔

انصاری صاحب کو شدید صدمہ:

انصاری صاحب مسلم وزرا میں نہایت پختہ فکر مسلمان تھے، علمائے دیوبند سے ان کی وابستگی مخلصانہ تھی۔

اس غیر متوقع حادثے پر مرحوم کو بڑا صدمہ ہوا، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سیاست میں اس قدر گندہ کھیل بھی کھیلا جا سکتا ہے۔

اس صدمے سے مرحوم دماغی اور اعصابی بیماری کا شکار ہو گئے تھے اور ان کی زبان بند ہو گئی تھی۔

او کھلے کے ایک مذہبی اجتماع میں وہ تشریف لائے تھے۔ بہ ظاہر ان کی صحت

ٹھیک تھی مگر بولنے سے معذور تھے، اشاروں کے ذریعے مجھ سے بات کرتے رہے۔
مجھے بڑی عبرت ہوئی، خدا تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

میرا ان کا ساتھ سوائی مادھو پور (راجستھان) کے جلسے میں ہوا، دوسرے دن میں اور وہ ایک ساتھ سوائی مادھو پور کی قدرتی شکار گاہ دیکھنے گئے۔

میں نے راستے میں ان سے عرض کیا کہ رات کو آپ نے اپنی تقریر میں حضرت عمرؓ اور ان کے صاحب زادے کا جو واقعہ سنایا وہ یہودیوں کی اختراع (اسرائیلی روایت) ہے۔ حضرت عمرؓ کے کسی لڑکے نے کسی یہودی عورت کے ساتھ بے ہودگی نہیں کی اور نہ اس جرم میں حضرت عمرؓ کو اپنے لڑکے پر رجم کی سزا نافذ کرنے کی نوبت آئی۔

مرحوم نے سن کر لاحول پڑھی اور آئندہ اسے بیان نہ کرنے کا عہد کیا۔ کچھ واعظ صاحبان بھی حضرت عمرؓ کا عدل و انصاف دکھاتے ہوئے اس قسم کی جھوٹی حکایت بیان کرتے ہیں۔

باب (۴)

برادری ازم اور مسئلہ کفو

اسلامی مساوات اور معاشرتی انصاف اسلام کا بنیادی اصول ہے، لیکن ازدواجی رشتے میں ''کفو'' کے فقہی مسائل نے مسلمانوں کو بے سمجھی کی وجہ سے افراط و تفریط کے اندر مبتلا کر دیا ہے۔

پچھلے دنوں اس مسئلہ کفو میں مسلمانوں کی مزاجی انتہا پسندی نے اخباروں میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور اس سے غیروں میں اسلامی اصولوں کے بارے میں بڑی طنز آمیز باتیں پھیلی تھیں، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں جو اعتدال و توازن شریعت نے قایم کیا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی واضح ہدایات کے مطابق دنیا کے اندر اور خاص کر قریشِ مکہ میں پھیلی ہوئی نسلی اور قبائلی اونچ نیچ کی نہایت موثر اصلاح کی اور نظری اصلاح کے علاوہ آپ نے عملی طور پر ایک انقلابی قدم یہ اٹھایا کہ اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے ساتھ کر دیا۔

حضرت زینبؓ اور ان کے خاندان والوں نے اس رشتے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ کیوں کہ (حضرت) زینبؓ خاندانِ قریش کی ایک باعزت خاتون تھیں اور (حضرت) زیدؓ ایک غلام تھے، جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اصرار کیا اور حضرت زینبؓ اور ان کے رشتے داروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔

یہ رشتہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد باہمی رنجش کا شکار ہو گیا اور ان کے گھر میں ہر وقت کِل کِل رہنے لگی۔ حضرت زیدؓ نے بارہا حضرت زینبؓ کے تکلیف دہ رویے کی

شکایت کی مگر آپ نے انھیں تسلی دے کر خاموش کر دیا۔ لیکن پھر آپ مجبور ہو گئے اور (حضرت) زیدؓ کو طلاق دینے کی اجازت دے دی اور اس طرح یہ اصلاحی قدم نسلی اور خاندانی تفاخر کے غلبے کے سبب فی الحال ناکامی کی نذر ہو گیا۔

نکاح کا بنیادی مقصد مرد اور عورت کے درمیان اور دو خاندانوں کے درمیان میل محبت اور رفاقت کا قیام ہے، یہ مقصد اگر فوت ہو جاتا ہے تو پھر رشتۂ نکاح بے مقصد ہو جاتا ہے اور اس کا ختم کر دینا ہی عقل و دیانت کا تقاضا بن جاتا ہے۔

عرب کے اندر قبائلی اونچ نیچ تھی۔ ہندوستان پیشہ ورانہ اونچ نیچ کا قدیم بیمار ملک ہے۔ مسلمان جب یہاں آئے تو ان کا معاشرہ بھی اس بیماری سے متاثر ہوا۔

کفو کا حنفی تصور!

حقیقت یہ ہے کہ اس پیشہ ورانہ اونچ نیچ سے امت توحید کو بڑا نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے، خاص کر اس اونچ نیچ کی پیداوار معاشرتی زندگی میں کفو کا موجودہ حنفی تصور مسلمانوں کو بری طرح آپس میں ٹکرا رہا ہے۔

میں نے حنفی تصور کا لفظ استعمال کیا ہے کیوں کہ فقہا میں امام ابو حنیفہؒ کے اجتہادی مسلک کے حوالے سے یہ تصور پھیلا ہوا ہے، حالاں کہ امام صاحبؒ پہلے امام مالکؒ کے ہم خیال تھے اور کفو (برابری) سے دین میں برابری مراد لیتے تھے..... نسب و خاندان میں برابری مراد نہیں لیتے تھے۔ لیکن مسلم سماج میں پھیلے ہوئے حسب و نسب کے تفاخر کی وجہ سے جب ایک شریف زادی کے ایک کم زور طبقے کے لڑکے کے ساتھ ازدواجی تعلق قایم کرنے سے جھگڑے پھیلتے دیکھے تو امام صاحبؒ نے اس قسم کے جھگڑوں سے بچنے کی خاطر اپنے شاگردوں (صاحبین) کی رائے اختیار کر لی۔

صاحب بحرالرائق کی تشریح کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کی رائے کسی حدیث پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک سماجی اور معاشرتی مجبوری پر مبنی ہے۔ متاخرین فقہائے احناف نے امام صاحبؒ کی رائے کے پس منظر سے قطع نظر کر کے کفو کو ایک دینی مسئلہ بنا دیا اور

مختلف پیشوں کے درمیان درجہ بندی کو منسوب کر دیا۔ (کنز العمال، جلد۲، صفحہ۲۰۱) میں وہ ضعیف روایات آج تک موجود ہیں۔ لیکن کفو کے بارے میں تمام احادیث کو ضعیف کہنا غلط ہے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو امام مالکؒ جیسے محدث فقیہ کفو کا مسئلہ ہی کیوں بیان کرتے؟ البتہ بعض صحیح روایات میں کفو کا جو مفہوم ہے اسے امام مالکؒ نے واضح کیا ہے۔ امام مالکؒ کا تعلق مدینۂ منورہ سے تھا، مدینۂ منورہ میں اسلامی اصلاحات کا کسی نہ کسی درجے میں اثر موجود تھا، اس لیے امام مالکؒ کی رائے اسلام کے اصولی موقف پر قایم رہی۔

اس کے مقابلے میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا تعلق عراق (کوفہ) سے تھا اور یہ سرزمین اسلامی اصلاحات کے اثر سے محروم تھی۔

یہ فرق تھا دونوں اماموں کے درمیان ماحول اور معاشرے کا۔

جمعیت علماے ہند کی کوشش:

دیوبند کے ایک کتابچے کے ذریعے مسلمانوں کے اندر جو بے چینی پھیلی جمعیت علماے ہند کے اکابر نے اس کو دور کرنے کے لیے اپنے اجلاس میں اونچ نیچ کی مذمت میں ایک تجویز منظور کی۔ یہ تجویز واقعی بڑی اہم ہے، لیکن اس میں کفو کے حنفی تصور کی تردید نظر نہیں آتی۔

یہاں تک کہ اس تجویز کے اہم ترین محرک مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کے فتائی میں اسی تصور کفو کے تحت فتوے موجود ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے متعدد سوالات کے جواب میں یہی لکھا ہے کہ ایک شریف زادی ولی کی رضامندی کے بغیر بالغ ہونے کے باوجود ایک کم زور برادری کے لڑکے کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔ یعنی اگر ایسا کرے گی تو ولی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ (کفایت المفتی: جلد۵، صفحہ۱۹۴)

مفقود الخبر شوہر کے بارے میں ان اکابرین نے حنفی مسلک کو ترک کر کے امام مالکؒ کے مسلک کو قبول کیا اور الحیلۃ الناجزۃ کتاب ترتیب دی گئی، لیکن اس وقت کفو کا

یہ حنفی تصور پھیلا ہوا تھا، مگر ان حضرات نے اس مسئلے کو ہاتھ نہیں لگایا۔

اس مسئلے میں بھی جو مسلمان پھنس جاتا ہے وہ طلاق ثلاثہ کے مسئلے کی طرح مسلک اہل حدیث سے رجوع کرتا ہے۔ اہل حدیث حضرات کا مسلک امام مالکؒ کے مطابق ہے۔ اگر مسلمان اس مسلک کی پیروی کریں اور باہمی رضامندی سے برادریوں کے امتیازی ناموں سے قطع نظر صرف دینی تعلق کو اہمیت دیں اور آپس میں شیخ صدیقی اور شیخ انصاری اور سواتی پٹھان اور دیسی پٹھان رشتے داریاں کریں تو پھر کسی کو اعتراض کرنے کی کیا ضرورت پڑے؟ حنفی مفتی صاحبان کفو کے فتوے گھر گھر تقسیم کرنے نہیں جاتے، بلکہ جب کسی وجہ سے دونوں فریقوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہوتا ہے اور جھگڑے میں مفتی صاحبان کو گھسیٹا جاتا ہے تو یہ حضرات مجبور ہو کر فسخ نکاح کا فتویٰ دیتے ہیں۔

لوگ مفتی صاحبان کی جان کو رونے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے خاندانی اور معاشرتی فساد پر ماتم نہیں کرتے۔ علماے کرام میں صرف دو سید عالم، صاحبِ قلم ایسے گزرے ہیں جنھوں نے کفو کی حنفی درجہ بندی کے خلاف فیصلہ کیا، ایک مولانا سید سلیمان ندویؒ اور دوسرے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ جمعیت علماے ہند کے ایک صاحب قلم دوست نے بجا طور پر حساس ہو کر اس مسئلے پر قلم اٹھایا۔ ہوسکتا ہے کہ انھیں ذاتی طور پر اس مسئلے سے تکلیف پہنچی ہو، لیکن اس خلافِ روحِ اسلامی مسئلے کو ختم کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ برتری پسند طبقے کی ہر طرف سے مذمت کی جائے۔ بلکہ اس کا معقول طریقہ یہ ہے کہ پہلے جمعیت علماے ہند اپنے فقہی ادارے کو مشورہ دے کہ وہ اس پر غور و فکر کرکے امام مالکؒ کی رائے کو قبول کرنے کا اعلان کرے اور دارالعلوم دیوبند کا دارالافتا اس پر عمل شروع کردے۔

جمعیۃ العلماء کا یہ اقدام اصلاح معاشرہ تحریک کے سلسلے میں ایک بنیادی اصلاحی قدم ہوگا۔

لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ تمام حنفی مکاتب فکر اس سے اتفاق کریں گے؟

بہشتی زیور کے ماننے والے اور فتاویٰ رضویہ پر چلنے والے بھی اسے تسلیم کرلیں گے؟
خاندانوں اور برادریوں کی تقسیم قرآن کریم کے مطابق ایک فطری ضرورت ہے لیکن یہ تقسیم صرف تعارف کے لیے تھی، اس میں تفاخر کا جذبہ سیاست واقتدار کے شوق کے سبب پیدا ہوگیا۔

مسلمانوں میں اسلامی مساوات کی روح کو ختم کرنے کا اصلی سبب قریش کے بعض قبائل کی طرف سے اپنا سیاسی تفوق قایم کرنے کا جذبہ تھا۔ پھر یہ تفاخر پوری ملت میں سرایت کرگیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے دور کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کی تین آتیوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، ان میں سے ایک آیت یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ خدا کے نزدیک متقی انسان بہتر ہے اور مسلمان کہتے ہیں کہ "اعظم بیتا" جس کے پاس کوٹھیاں اور بنگلے ہیں وہ بہتر ہے [1]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر کم ہوتے ہی اسلامی مساوات کا اثر کم ہونا شروع ہوگیا تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق وروحانیت کو اہمیت دی تھی، مگر آپ کے بعد سیاست اور دولت کو اہیت دی جانے لگی۔

کفو کا معقول اور فطری تصور یہ ہے، اور یہی احادیث کا صحیح مفہوم ہے کہ نکاح جیسے تازندگی قایم رہنے والے رشتے میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان سماجی مناسبت ہو۔ دونوں کی سماجی حیثیت میں نمایاں فرق نہ ہو۔

اسلام کے سامنے سوال بڑی چھوٹی برادری کا نہیں ہے، بلکہ حیثیت اور حالت کے درمیان یک سانیت کا ہے جو ایک فطری ضرورت ہے۔ ان پیشہ ور برادریوں کے اندر بھی اس یک سانیت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ برتری پسندی صرف نسب وحسب کے حامیوں کے درمیان نہیں پائی جاتی بلکہ ان برادریوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔

---

[1] راقم نے اسلامی مساوات کے تمام پہلوؤں پر جو مفصل بحث کی ہے اس میں حضرت ابن عباسؓ کا پورا قول نقل کیا ہے۔

چناں چہ ایک بنارسی کپڑے کا تاجر انصاری اپنے کپڑا تیار کرنے والے کاری گر انصاری کو اپنی بیٹی نہیں دیتا بلکہ اپنے ہم پلہ تاجر کے لڑکے کو پسند کرتا ہے۔

شائستہ مسلم طبقہ توہین وتحقیر کی بدخلقی سے پرہیز کرتا ہے۔لیکن قصبات میں یہ لعنت بری طرح پھیلی ہوئی ہے کہ طاقتور طبقے کم زور اور محنت کش افراد کو ان کے پیشوں کی نسبت سے پکارتے ہیں، یہ ذہنیت ان بڑے لوگوں کے اعمال حسنہ کے اجرو ثواب کو برباد کر دیتی ہے۔لیکن اس ذہنیت سے یہ محنت کش برادریاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

برادریاں بڑی ہوں یا چھوٹی۔ان سب میں امیر وغریب کی اونچ نیچ موجود ہے۔ایک خان زادہ اگر تعلیم واخلاق سے محروم ہے اور غربت کا شکار ہے تو اسے اس کی برادری میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔یہی حال پیشہ ور برادریوں کا ہے اور یہ تفریق ذات پات کی نہیں ہے بلکہ حالت، حیثیت اور سماجی مرتبے کی ہے۔

برادریوں میں برادری ازم کا نعرہ صرف سیاسی مراعات حاصل کرنے کے لیے ان کے لیڈر لگاتے ہیں، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ ہر برادری کے دولت منداپنے غریب، ان پڑھ اور بے سہارا بھائیوں کی تعمیری مدد کریں اور وہ استحصال بند کیا جائے جو برادرانہ رشتوں کے باوجود ایک دولت منداپنے غریب بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔

اونچ نیچ پر کراری چوٹ مارنے کا یہی طریقہ ہے، خالی خولی بیانات دینے سے اس کا علاج نہیں۔

صحابہ کرامؓ کے مختلف پیشے:

حضرات صحابہؓ میں قریش کے حضرات تجارت پیشہ تھے اور تجارت قریش کا قدیم ذریعہ معاش تھا۔اس پیشۂ تجارت کے سبب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف وغیرہ دولت مندوں میں شامل تھے۔

تجارت کے علاوہ قریش قبیلے میں عام ضرورت کی دستکاریاں بھی موجود

تھیں۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے کچھ عرصے تیر بنانے کا کام کیا، کھجوروں کے درختوں کی اصلاح کا کام بھی کیا جو باغ بانی کہلاتا ہے، حضرت عتبہؓ نجاری (کارپینٹر) کا کام کرتے تھے، حضرت زبیرؓ کے والد عوام خیاطی (درزی) کا کام کرتے تھے، حضرت عمرو ابن عاصؓ جانور ذبح کرتے تھے اور چمڑے اور عطریات کی تجارت کرتے تھے، حضرت ابوسفیانؓ زیتون کے تیل اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے، حضرت عثمان ابن طلحہؓ بھی درزی (خیاط) تھے۔

(ماہ نامہ دارالعلوم ۱۹۷۳ء، بہ حوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ)

حضرات صحابہ کرامؓ کے ان پیشوں کو دیکھ کر ہندوستان کی مختلف برادریاں اپنے آپ کو نسبی طور پر ان کی طرف منسوب کر کے خود کو ان کی اولاد ثابت کرنے لگیں، تو یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی۔

حضرت سعدؓ اور حضرت عمرو ابن عاصؓ:

الاسلام والحضارۃ کے مصنف نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ کمان بناتے تھے اور حضرت عمرو ابن عاصؓ جانور ذبح کرتے تھے، لیکن یہ نہیں لکھا کہ کمان سازی اور قصابی کے کام ان کے خاندانوں میں بطور پیشے کے باقی ہے؟

مصنف نے ان صحابہ کرامؓ کے ابتدائی دور کے کاموں کی نشاندہی کی ہے جو عہدِ غربت میں یہ حضرات کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو یہ دونوں حضرات بڑے بڑے حکومتی عہدوں پر سرفراز ہوئے اور پھر ان کے خاندان سیاسی اور معاشی خوش حالی کے دور میں داخل ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اس دور حکومت میں ان کے خاندانوں میں یہی پیشے قائم نہیں رہے ہوں گے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بہترین فوجی جرنیل تھے، انھوں نے فارس کی اہم جنگ (قادسیہ) کی قیادت کی اور فتح مند ہوئے، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور

میں یہ کوفہ کے گورنر رہے۔

بنی امیہ کے دورِ حکومت میں ان کے خاندان کو بڑی عزت ملی۔ حضرت سعدؓ کے لڑکے ابن سعد نے آل رسول کے مقابلے میں شامی اور کوفی فوجوں کی قیادت کی اور اہل بیت پر فتح حاصل کی اور پھر اس گناہ کی سزا میں مختار ثقفی کے ہاتھ سے کوفہ میں قتل ہوئے۔ عمرو ابن عاصؓ نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا، یہ عرب کے انتہائی مدبر (ہوشیار) سرداروں میں شمار کیے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عمان (خلیج فارس کی ریاست) کا گورنر بنایا، پھر مصر پر فوج کشی میں فوج کے سالار رہے اور مصر فتح کیا اور مصر کے گورنر بنا دیے گئے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی اختلافات میں انھوں نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا اور جنگ صفین میں بنی امیہ کی فوج کی شکست سے بچنے کے لیے نیزوں پر جھنڈے بلند کرنے کا مشورہ دیا اور بنی امیہ کو حضرت علیؓ کی فوج کے ہاتھوں شکست سے بچالیا۔

ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے نوے سالہ عہد حکومت میں ان کے خاندان پر سیاسی عروج کا سایہ رہا۔ پھر بھلا عہد غربت کے پیشے گوشت فروشی سے اس خاندان کا کیا تعلق رہا ہوگا۔

یہ وضاحت اس لیے کی گئی کہ بارہ تیرہ سو برس کے بعد کسی ہندوستانی گوشت فروش طبقے کا اپنے آپ کو (حضرت) عمرو ابن عاصؓ کی نسل قرار دینا اور اپنے پیشے کو (حضرت) عمرو ابن عاصؓ سے جوڑنا ایک بے تکی بات نہیں تو کیا ہے؟ اسی طرح رنگ ساز طبقے کا اپنے آپ کو حضرت سعدؓ کے ابتدائی غربت کے پیشے سے جوڑنا اور اپنے آپ کو ان کی اولاد قرار دینا مضحکہ خیز بات نہیں تو کیا ہے؟

فتوے کی کتابوں کا بار بار حوالہ نہ دیجیے:

پیشہ ورانہ اونچ نیچ کے تصورات کی اہل حق علما نے مکمل تردید کر دی ہے۔ مفتی

اعظم ہند اور صدر جمعیت علماے ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہؒ نے ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۴ء میں مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب (مساوات اسلام کی حقیقت) کے جواب میں سہ روزہ الجمعیۃ کے صفحات پر محد ثانہ جرح کر کے ان موضوع روایات کی تردید کی ہے جن میں مختلف پیشوں اور کو حقیر قرار دینے کی افسوس ناک کوشش کی گئی ہے۔

یہ ساری بحث کفایت المفتی جلد ہفتم میں صفحہ ۳۷۷ سے صفحہ ۳۸۷ تک مکمل دس صفحات میں موجود ہے۔

مفتی صاحبؒ کے اس مکمل جواب کو اس دور کے اہل حق علما کی طرف سے کوئی اشکال نہیں کیا گیا۔ چند افراد تھے جو اس دور کے سیاسی پس منظر میں اس غیر اسلامی تصورات کی حمایت کر رہے تھے، اس بحث کو نقل کرنا بھی آج کے حالات میں غلط ہے۔

میں مسلمانوں کے اہل قلم حضرات سے بڑے ادب اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ فتویٰ رشیدیہ ہو، بہشتی زیور ہو، امداد الفتاویٰ ہو یا فتویٰ رضویہ ہو، اس مسئلے میں ان کے حوالے بار بار اخباروں میں شائع نہ کریں۔

ان فتاویٰ کی بنیاد ان ہی ضعیف روایات پر ہے، جن کی تردید کی جا چکی ہے۔ ان فتاویٰ کے مصنف حضرات خدا کو پیارے ہو چکے، وہ سب بڑے لوگ تھے، ان کے فتاویٰ ان کی ذاتی تحقیق پر مبنی تھے، اختلاف رائے ہوتا ہے۔ ان فتاویٰ کے بار بار تذکرے سے امت میں انتشار پھیلتا ہے۔

باب (۳)

دہلی کی قریش برادری

قریش کے معنی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ (علیہ السلام) کی نسل میں قریش نام کا ایک بڑا قبیلہ تھا، جس کی کئی بڑی چھوٹی شاخیں تھیں اور یہ حجاز عرب میں آباد تھا۔

ان ذیلی شاخوں اور ذیلی قبیلوں میں سے بنی ہاشم، بنی امیہ، بنی عدی، بنی تیم مشہور شاخیں تھیں۔

اس بڑے قبیلے نے اپنا نام قریش اس لحاظ سے رکھا تھا کہ قریش کے معنی میں اجتماعیت اور جنگ جوئی ہے۔ اور اس قبیلے نے اپنی شاخوں کو آپس میں ملا کر اپنے آپ کو مضبوط کر رکھا تھا اور جب آپس میں کسی بات پر لڑائی ہوتی تھی تو پھر خون خرابے کی انتہا نہ تھی۔

اہلِ لغت نے سمندر کی بڑی مچھلی (شارک) کا نام بھی قریش بتایا ہے اور شیخ ابن عربیؒ (مشہور صوفی بزرگ) نے یہ لکھا ہے کہ

> ''میں نے قریش نام کا ایک جانور جو سمندر میں ہوتا ہے، خود دیکھا ہے۔ یہ ایک نہایت گٹھے ہوئے اور بھاری گوشت کا جانور ہے۔''

اور شیخؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ.....

> اولاد اسماعیل علیہ السلام کی اس شاخ کو قریش اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس قبیلے کی مختلف شاخوں نے اپنے آپ کو ایسا منظم کرایا تھا کہ گویا وہ سمٹ کر ایک نقطے پر جمع ہو گئے تھے۔'' (فتوحات مکیہ، جلد ۳، صفحہ ۱۰۶)

اس قبیلے کی مختلف شاخوں کو ایک جگہ جمع کرنے اور حجاز میں سب کو آباد کرنے کا کام قُصَیّ ابن کلاب نے انجام دیا، یہ قریش کا اہم ترین سردار تھا۔

دلّی کی قریش برادری کے حضرات اپنے آپ کو قصی کی اولاد بتاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ قصی کا لفظ بگڑ کر قصاب ہوا ہے، جناب صدرالدین صاحب (دواخانہ ہمدرد) نے اس سلسلے میں ایک کتابچہ بھی لکھا ہے۔

ان کا یہ کہنا ہے کہ قصی ابن کلاب اور اس کی اولاد گوشت اور کھالوں کی تجارت کرتی تھی، لیکن تاریخ اس بارے میں کچھ نہیں کہتی۔ واللہ اعلم۔

اس برادری میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ برادری شہاب الدین غوری کے عہد میں ہندوستان آئی اور بیانہ (اجمیر کے قریب) آباد ہوئی اور پھر شاہ جہاں کے عہد میں دلّی آئی اور ڈپٹی گنج کے محلے میں آباد ہوئی اور یہاں سے موجودہ قصاب پورہ کو اپنا مسکن بنایا۔

قریش مچھلی کا عجیب واقعہ:

قریش مچھلی کے بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے (مقالات احسانی، صفحہ ۱۳۵) میں عباسی حکم رانوں کے تعیّشات بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہارون رشید دمشق کے گورنر ابراہیم ابن شکلہ کا مہمان ہوا۔ گورنر کی طرف سے خلیفہ وقت کی خدمت میں خاطر مدارت میں جو ناشتہ پیش کیا گیا اس میں دوسرے پھلوں اور میوہ جات کے علاوہ ایک پیالے میں خاص قسم کے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کٹے ہوئے پیش کیے گئے۔ خلیفۃ المسلمین نے پوچھا کہ باورچی نے اتنے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیوں بنائے ہیں؟

ابراہیم نے جواب دیا: ”اے امیر! یہ قریش مچھلی کی زبانیں پکی ہوئی ہیں۔“

ہارون رشید نے پوچھا کہ: ”کتنی مچھلیوں کی زبانیں کاٹ کر پکائی گئی ہوں گی؟“

باورچی کھڑا تھا، وہ بولا۔ ”ایک سو کے قریب مچھلیوں کی زبانیں ہیں۔“

خلیفہ نے باورچی سے پوچھا، یہ ڈش (پیالہ) کتنی قیمت میں تیار ہوئی ہے؟ وہ بولا، "ایک ہزار درہم میں۔"

ہارون رشید کو بہت غصہ آیا اور اس نے دمشق کے اس عیش پرست گورنر کو حکم دیا کہ اس گناہ کے کفارے میں ایک ہزار درہم غریبوں میں خیرات کرے اور یہ پیالہ راستے میں جو پہلا فقیر ملے اسے خیرات کر دے۔

ابراہیم نے ہارون رشید کے حکم کی تعمیل تو کر دی، مگر اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ آگے جا کر اس فقیر سے یہ پیالہ خرید لیا جائے۔

یہ تھی خلافت بغداد کے زوال کی ابتدا۔

حافظ نصیر الدین قریشیؒ:

دلی کے قصاب پورہ (قریش نگر) میں جو خوش بخت افراد ۱۹۴۷ء کے دورِ ابتلا میں مسلمانوں کی خدمت میں نمایاں رہے ان کا ذکر خیر کرتے وقت سب سے پہلے جس مخلص بے لوث اور ایمان دار ہستی کا خیال آتا ہے وہ ہیں حافظ نصیر الدین قریشی مرحوم۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ہر کام کے لیے حافظ نصیر الدینؒ کو بلا کر دوڑاتے اور یہ قصاب پورہ سے جماعت کی ضرورت کا انتظام فرماتے، قصاب پورہ والے ان کے خلوص کے قائل، وہ کام فوراً پورا ہو جاتا۔

قصاب پورہ نے ۱۹۴۷ء کی قیامت کو اپنے ہاتھوں پر روکا۔ یہ محلّہ پرانی دلی کی حفاظت کے لیے قلعہ کی مستحکم فصیل تھی۔ خدانخواستہ اگر قصاب پورہ کے مسلمان اکھڑ جاتے تو پھر پرانی دلی کے علاقوں، لال کنواں، فراش خانہ اور بلیماران اور ان محلوں کے بعد جامع مسجد کے علاقے کا نکنا مشکل ہو جاتا۔

قرول باغ سے اکھڑنے والے مسلمانوں کی پہلی پناہ گاہ یہی محلّہ تھا۔ قریشی صاحبان بڑی فراخ دلی کے ساتھ ان مہاجروں کو ٹھہراتے، کھلاتے، پلاتے اور جو مدد

ممکن ہوتی وہ انجام دیتے۔

حافظ نصیر الدینؒ اس محلے کے نقیب تھے، ان کے ساتھیوں میں حافظ محمد نذیرؒ، شیخ حسام الدینؒ، بابو شہاب الدینؒ، حافظ عبدالحمیدؒ چربی والے تھے۔ اور پھر بابو دوست محمد، بابو چراغ الدین، اور چودھری قیام الدین تھے۔

دوست محمد کانگریس کے ٹکٹ پر کئی دفعہ میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ چودھری قیام الدین نے جن سنگھ کے ٹکٹ پر سیٹ جیتی اور دوست محمد صاحب رہ گئے۔

چراغ الدین صاحب ایڈوکیٹ نے ہر فساد کے موقعے پر مسلمانوں کی قانونی مدد کی ہے۔

قصاب پورہ کے ذمہ دار حضرات کی ہی جدوجہد سے عیدگاہ کی پرانی عمارت نے نیا روپ اختیار کیا۔ اس کام میں حافظ عبدالعزیز سرائے خلیل، شیخ ابرار اور شہر کے دوسرے اہلِ نعمت حضرات نے بھی حصہ لیا۔

بابو چراغ الدین صاحب نے اس ناچیز پر دلی کرائم برانچ کی طرف سے عاید کردہ چار مقدمات (دفعہ ۱۵۳۔الف) کی بارہ سال تک بغیر کسی فیس کے پیروی کی۔ اور اس طویل مدت میں میں نے کبھی بھی بابو جی کی تیوریوں پر بل نہیں دیکھے۔

قصاب پورہ کی جھونپڑی:

قصاب پورہ کی جھونپڑی قومی اسمبلی ہال تھی۔ اس جھونپڑی میں تمام مشورے ہوتے تھے اور میٹنگیں ہوتی تھیں۔ اب یہ جھونپڑی ایک پختہ عمارت میں تبدیل ہوگئی ہے۔

اس محلے کی ایک روحانی شخصیت حافظ عبدالرشید صاحب تھے جو نقش بندی سلسلے کے پیر تھے، اور ایک عبادت گزار ذاکر و شاغل تھے۔ اب ان کے جانشین حافظ معراج الدین صاحب ہیں جو اپنے پیر و مرشد کے روحانی تربیت کا نظام چلا رہے ہیں۔

مولانا نور محمد قریشی میواتی:

قریش برادری سے تعلق رکھنے والے ایک مشہور صاحب علم اور واعظ مولانا نور محمد قریشی تھے، یہ مرحوم منشی فاضل اور مولوی فاضل کی تیاری کراتے اور ایک اچھے واعظ بھی تھے۔

عوامی انداز تھا، عام لوگ ان کے انداز سے متاثر ہوتے تھے۔ کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہو کر خدا کو پیارے ہو گئے۔

بیماری میں جب یہ ناچیز مولانا کی عیادت کو حاضر ہوا تو بڑی حسرت سے اپنی حالت کی طرف اشارہ کر کے یہ آیت تلاوت کی۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَ بْصَار.

"عبرت حاصل کرو، اے آنکھیں رکھنے والو!"

مدرسہ سبحانیہ:

اسی محلّے کی ایک مسجد میں مدرسہ سبحانیہ مشہور میواتی عالم مولانا عبدالسبحان نے قایم کر رکھا تھا۔ یہ حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے شاگرد تھے۔ پہلے یہ قرول باغ میں تھے۔ میوات کے حلقے میں ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے۔ ان کے صاحب زادوں میں مولانا عبدالغفار صاحب مدرسہ عالیہ فتح پوری کے صدر مدرس ہیں۔

مولانا فصیح الدین:

موصوف اسی برادری کے ایک فاضل عالم ہیں۔ عرصہ دراز تک ایک عرب سفارت خانے میں کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کے ساتھ جمعیت علمائے ہند کے عربی شعبے کے روح رواں رہے اور مولانا اسعد مدنی صدر جمعیت علما کے لیے ایک مضبوط ترجمان بنے رہے اور مولانا کے ساتھ بعض عرب ملکوں کا سفر بھی کیا۔ لیکن نہ جانے پھر مولانا سے ناراض کیوں ہو گئے؟

اب فصیح صاحب کویت کے سفارت خانے میں ایک اچھی پوسٹ پر کام کر رہے ہیں۔ اور اخباری مراسلوں کے ذریعے اس ناچیز کے مضامین کی اصلاح کا مخلصانہ فرض بھی ادا کرتے رہتے ہیں۔

عیدگاہ کا تبلیغی اجتماع:

دلّی کی اس تاریخی عیدگاہ کا سالانہ تبلیغی اجتماع بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ہزاروں مسلمان دلّی اور قرب و جوار کے اس میں شرکت کرتے ہیں۔ اور قریش نگر بڑی محبت اور اخلاص کے ساتھ شرکا کی ہر ممکن سہولت کا انتظام کرتا ہے۔

مولانا مشہود حسن:

اس محلے میں اب ایک مفتی اور عالم کی حیثیت مولانا سید مشہود حسن صاحب کو حاصل ہے، جو مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ کے صاحب استعداد مدرس ہیں اور تاریخی شہر امروہہ کے سادات میں سے ہیں۔ مولانا کو اس سال راشٹر پتی صاحب نے علمی ایوارڈ عطا کیا ہے۔

مولانا رحیم شاہ صاحبؒ:

مولانا رحیم شاہ صاحبؒ میوات کے مشہور عالم اور عامل تھے۔ ان کی ساری زندگی دلّی کے مسلمانوں کی خدمت میں گزری، ان کا مدرسہ (دعائیہ) بارہ ٹوٹی میں قایم ہے۔ ان کے صاحب زادوں میں مولانا عبدالرحیمؒ بڑے اچھے عالم اور واعظ تھے۔ دوسرے صاحب زادگان بھی دینی شعبے سے تعلق رکھتے ہیں اور آج کل مولانا کے صاحب زادے مولانا ڈاکٹر حارث صاحب (مطب نیاریان) اپنے والد کی یادگار کو چلا رہے ہیں۔

اس خاندان کی رہایش قصاب پورہ میں ہے۔

مولانا رحیم شاہ صاحبؒ مسجد شیش محل میں ترجمہ قرآن بیان کرتے تھے۔ اور ان کے بڑے صاحب زادے قصاب پورہ کی مسجد میں تفسیر بیان کرتے تھے۔ مولانا رحیم شاہؒ تبلیغی جماعت کے اولین مبلغوں میں سے تھے۔ آج کے تعویذ فروش اماموں کی زر پسندی کا حال سامنے ہے، اس سے مرحوم کی قناعت پسندی یاد آجاتی ہے۔

حافظ مقبول صاحبؒ:

مسجد شاہ گل بارہ ٹوٹی میں حافظ مقبول صاحب مرحوم کا قیام تھا۔ حافظ صاحب، مولانا الیاس صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ گنگوہ کے رہنے والے تھے۔

ساری زندگی گوشہ نشینی میں اسی مسجد کے اندر گزاری، مسجد میں امامت کرتے تھے اور پیری مریدی بھی۔

مدرسہ رحیمیہ:

یہ مدرسہ قصاب پورہ کا نہایت کامیاب ابتدائی دینی ادارہ ہے۔ اس مدرسے کے ابتدائی مہتمم و ناظم مولانا عبدالسمیع صاحب تھے جو اب مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ کے شیخ الحدیث ہیں، بہت پرانے عالم ہیں۔ اب اس ادارے کو قریش برادری کے حضرات چلا رہے ہیں۔

سکندر بخت صاحب:

مشہور سیاسی لیڈر سکندر بخت صاحب کا اسی برادری سے نسبی تعلق ہے۔ سکندر صاحب کی سیاسی زندگی دلی کانگریس سے شروع ہوئی، ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں سکندر صاحب نے مسز سبھدرا جوشی کے ساتھ امن کی بحالی کے لیے سرگرم جدوجہد کی، اندراجی کے دور میں جب کانگریس تقسیم ہوگئی تو سکندر صاحب مرار جی بھائی کے ساتھ سنڈیکیٹ کانگریس میں چلے گئے۔

ایمرجنسی کے دور کے بعد جنتا حکومت بنی تو موصوف ہاؤسنگ منسٹر بنائے گئے، جنتا حکومت بکھر جانے کے بعد سکندر صاحب سابق جن سنگھ گروپ کے ساتھ ہو گئے جو بی جے پی کے نام سے آج مشہور ہے۔

سیکولر پارٹیوں کی خودغرضانہ کش مکش نے ١٩٩٦ء کے انتخابات کے اندر بھاجپا کو بڑی بھاری کامیابی عطا کی اور بھاجپا نے مرکزی حکومت کی باگ دوڑ سنبھال لی۔

اس حکومت میں سکندر صاحب کو وزارتِ محنت دے دی گئی جس سے وہ ناراض ہو گئے اور اخبارات میں ان کی ناراضگی کی خبروں نے ان کی تجربہ کار سیاسی شخصیت کو مزاق کا موضوع بنا دیا اور پھر ان کے دوست اٹل بہاری نے چاد ن کی چاندنی والی حکومت میں انھیں وزارت خارجہ بھی دے دی اور سکندر صاحب کو راضی کر لیا اور انھوں نے دونوں عہدوں کا چارج لے لیا۔

کیا اچھا ہوتا کہ وہ یہ تماشہ نہ دکھاتے اور سنجیدگی کے ساتھ پہلی وزارت لے کر خاموش بیٹھ جاتے۔

سکندر صاحب کی یہ درگت اس لیے بنی کہ وہ آر۔ ایس۔ ایس کی گڈ بک میں نہیں تھے اور ١٩٩٦ء کے الیکشن میں بھاجپا کو مسلم ووٹ نہیں ملے تھے۔

پھر وہ سکندر صاحب جیسے نام کے مسلمان کو بھی عزت دے کر کیا حاصل کر لیتے؟

•

قصاب برادری اور حضرت عمرو ابن عاصؓ:

ابھی حال میں ایک تاریخ قریش تصنیف مولانا محمد یوسف صاحب (چھپرولی میرٹھ) نظر سے گزری، جس میں مصنف نے حضرات صحابہؓ میں (حضرت) عمرو ابن عاصؓ (فاتح مصر) کو قصاب قرار دے کر قصائی کے پیشے کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور امروہہ اور میرٹھ کی قصاب برادری کو خاص طور پر انھی کی نسل قرار دیا ہے۔

اس کتاب کے اندر قصاب برادری کی فضیلت قایم کرنے کے لیے عجیب عجیب غیر تاریخی باتیں نقل کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں جتنے مشہور علما اور سیاسی

لیڈر یا صوفیا اپنے ناموں کے ساتھ قریشی کی نسبت لکھتے ہیں ان سب کو قصاب برادری کے اندر شامل کر کے انھیں قصائی ہونے کا شرف عطا کیا گیا ہے۔

کسی تاریخ میں اگر یہ بات لکھی ہوئی مل گئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی لشکر کے لیے سامانِ رسد کا انتظام قریشی افراد کے سپرد کیا تو بس اسے قصاب کا پیشہ قرار دے دیا گیا ہے۔

مجھے تعجب ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ واقعہ مصنف کی نظر سے نہیں گزرا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کا بچہ ذبح کر کے اسے اُلٹا لٹکا کر چھری سے اس کی کھال اُتار رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کھال اس طرح اُتار! آپ نے اپنی کہنی کے زور سے کھال نیچے اُتاری اور اس طرح کھال جلدی اُتر گئی۔ آج کل قصاب صاحبان کہنی کا زور ڈال کر کھال اُتارتے ہیں، قصاب لوگوں میں یہ رواج عام ہے۔ مصنف صاحب اگر اس واقعہ کو دلیل بنا کر یہ کہیں کہ قصاب کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور یہ پیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے منسوب ہے تو اس پر کیا کہا جا سکتا ہے؟

اسی طرح اگر موچی صاحبان اپنے پیشہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے لگیں، کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین مبارک خود اپنے دست مبارک سے گانٹھتے تھے (یَخْصِفُ النَّعْلَ) اس لیے یہ پیشہ آپ کی طرف منسوب ہو تو اس پر بھی کیا کہا جا سکتا ہے؟

مصنف کی ایک کمزوری یہ ہے کہ انھوں نے قصاب کے معنی کاٹنے والا ہی لغت میں پڑھا ہے۔ اس لیے ایک مشہور صوفی شیخ ابوالعباس احمد قصابؒ (۲۸۱ھ / ۸۹۵ھ) کو گوشت فروخت کرنے والی برادری میں شامل کر لیا۔ حالاں کہ قصاب کے ایک معنی بانسری بجانے والے کے بھی آتے ہیں۔ قصب بانسری کو کہتے ہیں۔ اسی طرح قصاب سخت جنگ جو اور درشت انسان کو بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ ابوالعباسؒ نہایت بہادر امیر تھے۔ آپ نے رومی عیسائیوں سے جہاد کیا۔ اور انھیں مسلم علاقے سے بھگا

دیا، بعد میں یہ گوشہ نشین صوفی بن گئے۔

ابوالعباسؒ کے ساتھ قصاب کا لقب بہادر اور جنگ جو کے معنی میں لگایا گیا۔ یہ کہیں ثابت نہیں کہ یہ گوشت فروش تھے۔

ان کی اولاد اپنے باپ کے اس لقب سے مشہور ہوئی۔ حالاں کہ ان کے خاندان میں گوشت فروشی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

میں نے ہر برادری کے تعارفی مضمون میں یہ واضح کیا ہے کہ اسلام میں کوئی پیشہ حقیر نہیں ہے۔ پیشے کی حقارت کا تصور ہندوستانی ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے پیشوں کی عظمت بیان کرنے کے لیے حضرات صحابہؓ کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اگر مختلف پیشوں کے درمیان تحقیر واعزاز کے درجے مقرر کرنے والی ضعیف روایات (کنز العمال) کی محقق علما (مفتی محمد کفایت اللہؒ) نے تردید کی ہے اور ان روایات کے نقل کرنے کو مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیلانے کی سازش قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ بھی غلط ہے کہ مختلف پیشوں کی عظمت بیان کرنے کے لیے حضرات صحابہ کرامؓ کی مقتدر ہستیوں کے اسمائے گرامی استعمال کیے جائیں۔

قریش گالی....؟

دلی کے وحید بک ڈپو اردو بازار جامع مسجد کی طرف سے ایک پنج سورہ مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کے ترجمے کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ اس میں دورِ اول کی فضیلت بیان کرتے ہوئے بریلوی مرتب صاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریشی کی نسبت جائز نہیں، قرشی کہنا چاہیے، کیوں کہ قریش ایک غلیظ مچھلی کا نام ہے، یہ گالی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی کہنا غلط ہے۔

مرتب بریلوی صاحب نے لغت میں غلیظ کا لفظ دیکھا اور یہ تحقیقِ لطیف پیش کی ہے۔ حالاں کہ غلیظ کے معنی موٹا، گاڑھا اور بھاری کے ہیں، ویل مچھلی ایسی ہی ہوتی

ہے، عرب اس لیے ویل مچھلی کو قریش کہتے ہیں۔

قبیلۂ قریش بھی عرب میں ایک منظم اور بھاری بھرکم قبیلہ تھا، اردو میں غلیظ کا لفظ گالیوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں، کتنی غلیظ گالیاں دی ہیں، یعنی موٹی موٹی گالیاں، لیکن غلیظ کے معنی گالی کے نہیں ہیں۔

مولانا جامیؒ کا مشہور شعر ہے ؎

اے قریشی قمی ہاشمی ومطلبی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

بہ ہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی بھی کہا جا سکتا ہے اور قرشی بھی کہا جا سکتا ہے۔

یہ پنج سورہ مدت سے فروخت کی جاری ہے، لیکن اس سے مسلم قوم کی بلکہ اہل علم کی لاپرواہی کا اندازہ ہوتا ہے۔

کیا ہم مسلمان وظائف اور ذکر بھی بے توجہی کے ساتھ پڑھتے ہیں؟

(۱۰/اکتوبر ۱۹۹۹ء)

باب (۴)

سبزی منڈی کی راعین برادری اور نان بائی

سبزی منڈی میں راعین برادری کے نام سے ایک برادری آباد تھی جو مجموعی اعتبار سے ۱۹۴۷ء کے انقلاب کی نذر ہوگئی۔

اس برادری کے لوگ ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ مراد آباد میں ایک صاحب اس برادری کا ایک ترجمان (رسالہ) بھی نکالتے ہیں۔ اس پرچے میں راعین کے لفظ کی جو تحقیق کی گئی ہے وہ تحقیق کا مذاق اُڑانا ہے، انھوں نے اس برادری کو ایک بین الاقوامی برادری ثابت کرنے کی مضحکہ خیز کوشش کی ہے، کبھی آریہ نسل کو راعین کہا ہے اور کبھی مصر کی حکومت (فرعونی) کو راعیہ لکھ دیا ہے۔

مصر کی فرعونی حکومتیں مصری بت پرستوں کے عقیدے کے مطابق سورج دیوتا کا روپ تھیں، سورج کو مصری رَع کہتے تھے۔ اسی رَع کی اولاد فراعنہ مصر تھے۔

ان محقق صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری اہلیہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بھی راعین برادری سے متعلق کر دیا، اور ہاجرہ راعیہ لکھ دیا۔ حالاں کہ حضرت ہاجرہؓ شاہ مصر کی صاحب زادی تھیں۔ اور وہ مصری بادشاہ فراعنہ کے خاندان سے تھا۔ یہ کوئی ذات برادری نہ تھی۔ بلکہ مصر کے ہر حکم راں کا لقب فرعون ہوتا تھا۔

جو طبقہ باغات لگانے اور باغات کی پیداوار پھل فروٹ کی تجارت کرنے سے تعلق رکھتا ہے، اسے راعی (جمع راعین) کہا جاتا ہے، راعین کے لفظ نے بگڑ کر ارائیں کی شکل اختیار کر لی۔

باغات کے شعبے سے تعلق رکھنے والا ایک مالی ہوتا ہے۔ باغ کا مالی اردو کا مشہور لفظ ہے، مالی عربی میں ہمدرد انسان، میلان اور رغبت رکھنے والا آدمی، یہ لوگ ان

راعین کے ملازم ہوتے تھے، ہندی زبان میں اس کے لیے کمیرا اور کمیری (مزدور) کے لفظ ہیں۔

زراعت کی طرح باغات کا کام دنیا کے ہر حصے میں ہوتا ہے، ہندوستان میں اس طبقے کو عربی نام (راعی، مالی) دیدیا گیا۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں ان حصوں کی بولی کے مطابق ان لوگوں کے نام ہوں گے۔

دلی میں ایک طبقہ سبزی فروشوں کا ہے، سبزیاں کسان اُگاتا ہے اور یہ لوگ بازار میں فروخت کرتے ہیں۔ اس طبقے کی بڑی تعداد دلی میں کھانے پینے کے ہوٹل چلاتی ہے، اور سبزی منڈی میں بڑے بڑے آڑھتی بھی اسی برادری سے تعلق رکھنے والوں میں سے ہیں۔ اس برادری کے مکانات حویلی بختاور بیگم (گلی مدرسہ حسین بخش، جامع مسجد) میں واقع ہیں، پھول کی منڈی دریا گنج میں اس برادری کی بڑی بڑی آڑھتیں ہیں۔

سبزی فروش صحابی:

حضرات صحابہ کرامؓ میں ایک صحابی زاہرؓ نام کے تھے جو دیہات سے مدینہ منورہ میں سبزیاں فروخت کرنے لاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روزان کے ساتھ خوش طبعی فرمائی اور پیچھے سے آکر ان کی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور فرمایا:

مَنْ یَّشْتَرِیْ ھٰذَا الْغُلَامُ.

''اس غلام کو کون خریدتا ہے۔''

حضرت زاہرؓ بولے میرے آقا! اس گھٹیا غلام کو کون خریدے گا۔؟

آپ نے فرمایا، زاہرؓ! تم اپنے حقیقی مالک (خداتعالیٰ) کے نزدیک تو بہت بیش قیمت ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شہری سامان کے بدلے دیہات کی سبزیاں خریدا کرتے تھے۔

اصحاب الجنتہ:

عربی میں باغ کو جنت کہا گیا ہے اور باغ والوں کو اصحاب الجنتہ، باغ والے بتایا گیا ہے۔

پھر باغات والوں کو اصحاب الجنتہ جیسا اچھا نام کیوں نہ دیا جائے؟ یہ راعیں کا لفظ کیوں دیا جائے، جس میں وہ خوبی نہیں ہے جو قرآن کریم کے دیئے ہوئے نام میں خوبی ہے۔

اس برادری کو ملک کا اعزازی خطاب دیا گیا ہے، جس طرح عوام کھیتی والوں کو زمین دار اور مالک کہتے ہیں۔ اسی طرح باغ والوں کو ملک صاحب کہتے ہیں۔

قرین قیاس یہ ہے کہ شاہ جہاں نے جب دلّی کو راج دھانی (دار السلطنت) بنایا (اس وقت تک آگرہ راج دھانی تھا) تو دلّی میں باغات کا کام کرنے والوں کو پنجاب سے دلّی لایا گیا اور انھیں پنجاب کی زرخیز زمین کے برابر میں آباد کیا، پنجاب میں یہ برادری ملک کہلاتی ہے۔

اس برادری نے دلّی میں باغات لگائے، انگوری باغ، محل دار خاں باغ، ہتھنی والا باغ اور گلابی باغ، قدسیہ باغ کے نام سے باغات مشہور تھے، جو اس برادری کے ہجرت کرنے کے بعد اُجڑ گئے۔

جنگِ آزادی میں حصہ:

اس برادری نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شاہی فوجوں کا ساتھ دیا، انگریزوں نے دلّی پر قبضہ کرنے کے بعد اس برادری کو توپوں سے اُڑانا چاہا، مگر قدرت نے ان کی حفاظت کی اور ان کا ارادہ بدل گیا۔

اس برادری کی آبادی کو ملکہ گنج کہا گیا، اس سے مراد ملکہ وکٹوریہ نہیں ہے۔ بلکہ اسی برادری کے لقب (ملک) سے موسوم کیا گیا۔

اب ملکہ گنج کے نام سے ایک قبرستان رہ گیا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے اس

برادری پر قیامت توڑی، برادری کے بہادروں نے تین دن تک حملہ آوروں کا مقابلہ کیا، مگر پھر خاموش ہو گئے۔

اس برادری کے ایک نامور حاجی محمد ابراہیم کاکوانؒ تھے، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس برادری کو دفاع کے لیے وقت کے وقت بندوقیں بنا کر دیں۔

حاجی کاکوان کا خراد کا کارخانہ بازار کٹرہ بڑیاں میں قایم تھا، جواب موجود نہیں ہے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے یہ برادری تحریکِ آزادی میں کانگریس کے ساتھ تھی۔ چودھری اسلوب الٰہی صاحبؒ برادری کے سرگرم سماجی کارکن تھے۔ مشہور مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد دہلویؒ اسی محلے کی مسجد میں روزانہ عشا کے بعد تفسیر قرآن بیان کرتے تھے۔

عقائد میں بھی یہ برادری راسخ العقیدہ تھی۔ ہر ہفتے مولانا محمد اسحاق صاحبؒ ان کے ہاں وعظ کہا کرتے تھے۔ مولانا اسحاق صاحبؒ مولانا محمد حسین فقیرؒ کے چھوٹے صاحب زادے تھے اور ان کے اصلاحی وعظ کے لب ولہجہ میں بڑی سختی ہوتی تھی۔

مولوی جعفر تھانیسریؒ:

۱۸۵۷ء کے مجاہدین آزادی کی فہرست میں مولوی محمد جعفرؒ کی شخصیت تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تھانیسر (کوروکیشتر ہریانہ) کی ارائیں برادری کے بڑے ممتاز آدمی تھے۔ ان کے والد کا نام میاں جیون تھا، ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۷ء ان کی ولادت کا سن ہے، ان کا خاندان تھانیسر کا بڑا زمین دار تھا۔

مولوی جعفر صاحبؒ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دہلی آ کر حصہ لیا۔ انگریزوں کی فتح کے بعد بھی انھوں نے قبائلی مجاہدین کی مدد کی، جو سرحد میں انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔

انگریزوں کو مولوی صاحب کی باغیانہ سرگرمیوں کا علم ہو گیا اور یہ گرفتار کر لیے گئے، پہلے انھیں پھانسی کی سزا ہوئی اور پھر اپیل میں کالے پانی کی سزا رہ گئی اور یہ

کالے پانی بھیج دیئے گئے۔

کالا پانی اس جگہ کا نام تھا جہاں انگریزی حکومت اپنے باغیوں کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دے کے وہاں رکھتی، یہ علاقہ جزائر انڈومان نکوبار کا تھا جو کلکتہ سے ۸۰۰ میل جنوب میں واقع ہے۔

اُن جزیروں میں گھنے جنگل تھے اور یہاں وحشی قبائل آباد تھے، مولوی صاحب نے ۱۷ برس کالے پانی کی سزا بھگتی۔

کالے پانی کی تواریخ عجیب کے نام سے مولوی صاحب نے یہاں کے حالات پر ایک تاریخ بھی لکھی، ۲۸ سال کی عمر تھی جب یہ کالے پانی گئے۔ کالے پانی کی سزا بھگت کر یہ جب واپس آئے تو ان کے ساتھ ان کی دوسری بیوی اور آٹھ بچے تھے، ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء میں ان کا اپنے وطن میں انتقال ہوا۔

ان کی اولاد میں ایک مولوی محمد اسماعیلؒ تھے جو انبالہ میں وکالت کرتے تھے اور ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں شہید کر دیئے گئے۔ ان کا خاندان لاہور چلا گیا اور ان کا ایک لڑکا ۱۹۶۱ء تک لاہور میں سرکاری ملازم رہا۔

(از پروفیسر نثار احمد فاروقی۔ الفرقان لکھنوء مارچ ۱۹۹۶ء)

مرزا یٰسین بیگ:

میرے ایک رشتے دار مرزا محمد یٰسین بیگ صاحب مغل پورہ سبزی منڈی میں رہتے تھے، ان کے ہاں چاندی کا کام ہوتا تھا اور ان کے لڑکوں کو پہلوانی کا شوق تھا۔ میرے چچا عزیز الدین صاحب کی لڑکی بانو بیگم ان کے لڑکے سے منسوب بھی تھیں۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں ان کے لڑکوں نے اہل محلّہ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔

محلے کے جو لوگ بچ کر آئے وہ یہ بتاتے تھے کہ مرزا جی کے لڑکوں نے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور مقابلے میں وہ مارے گئے۔

ان کے گھر کی عورتوں کا کیا حشر ہوا وہ نہیں معلوم ہو سکا۔ مرزا جی مکان پر نہیں تھے، انھوں نے جب اہل محلّہ میں اپنے بچوں کو نہیں پایا تو وہ اسی ہنگامے کی حالت میں اپنے گھر چلے گئے اور شہید ہو گئے۔

میرے چچا اور ان کی اہلیہ اپنی جوان بیٹی کے صدمے میں پاگل سے ہو گئے تھے۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی، ہماری بہن بڑی خوب صورت تھی۔ چچا مرحوم کو جہاں اس لڑکی کے ہونے کی خبر ملتی وہ وہاں دیوانوں کی طرح جاتے اور مایوس ہو کر واپس آجاتے۔

دلی کی نہاری روٹی:

ارائیں برادری کا ایک طبقہ نان بائی کا کام کرتا تھا۔ ان کی زیادہ تر رہائش بازار لال کنواں دہلی میں تھی اور دلی کے مشہور نہاری والے یہیں آباد تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نہاری کا مزہ انھی کے ہاتھ میں قدرت نے رکھا تھا۔

اس برادری کے ایک مشہور نہاری والے ملک فضل تھے جن کی دکان فراش خانے کے باہر تھی اور جہاں فراش خانے میں ترجمہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد مولانا احمد سعیدؒ اپنے ساتھیوں مولانا عبدالماجد صاحب اور غوری پہلوان کے ساتھ مولویانہ تکلف برطرف کر کے نہاری روٹی کھاتے تھے۔

دلی والوں کو نہاری روٹی کھانے کا اصلی مزا جب آتا تھا جب ان کے سامنے ایک بڑی غوری میں نہاری ہوتی تھی، جس کے اندر نلی، بھیجا، ہری مرچیں، ادرک اور اوپر سے کھٹے کا رس اور پھر اس کے اوپر دیسی گھی کا بگھار، گرم گرم تنوری روٹیاں، آنکھوں اور ناک سے پانی جاری۔ منہ سے سوں سوں کی آوازیں اور پھر آخر میں منہ میٹھا کرنے کے لیے دیسی گھی کا حلوہ، دلی والے نہاری کی تیز مرچوں کا فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ اس سے نزلہ زکام اور بخار کھانسی سب بھاگ جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تیز مرچوں سے غریب معدے پر کیا گزرتی ہے۔ ہاں، دلی کا کاریگر طبقہ، مزدور و محنت

کش طبقہ اپنی محنت اور ورزش کے ذریعے اسے ہضم کرلیتا تھا۔داغ کا شعر ہے ؎

پوچھیے مے کشوں سے لُطفِ شراب
یہ مزہ پاک باز کیا جَانیں

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ بھی دلی والے تھے، مرحوم دلی سے جانے والوں سے نہاری کی فرمائش کرتے تھے اور نہاری روٹی کھاتے وقت وہ ٹھیٹ دلی والے معلوم ہوتے تھے۔

مرحوم اس وقت بھول جاتے کہ وہ ایک نہایت نستعلیق قسم کے شائستہ مزاج آدمی ہیں اور ایک جماعت کے امیر ہیں اور ان کا اب قیام کوچہ پنڈت دلی میں نہیں ہے۔ اور نہ چوڑی والان کے شمسی کالج میں ہے بلکہ پاکستان کے شہر لاہور میں ہے۔

شمسی کالج والوں سے مرحوم کی رشتے داری تھی اور مرحوم دلی آتے تو وہیں قیام کرتے تھے۔

میں نے ایک دفعہ دیوبند کے چند طلبا کے ساتھ شمسی کالج میں ہی مولانا سے ملاقات کی تھی، اور کچھ سوالات کیے تھے۔

مرحوم کے صاحب زادے فاروق حیدر صاحب کہتے تھے کہ اباجی دلی کی نہاری کو بہت یاد کرتے تھے اور جب یہ نہاری پہنچ جاتی تھے تو گھر کا اچھے سے اچھا کھانا چھوڑ دیتے تھے۔حالاں کہ وہ گھٹنوں کے درد کے مریض تھے۔

میرے ایک بھائی مولانا کے پڑوسی تھے، اچھرہ کی مسجد میں جب مولانا مرحوم تفسیر قرآن کا درس دیتے تھے تو بھائی صاحب اس میں شریک ہوتے تھے، اس ملاقات میں مولانا مرحوم ازراہ مذاق دلی کی نہاری کا ذکر خیر کرتے تھے۔

چودھری محبوب نان بائیوں کی بڑی مال دار آسامی تھے، ہمدرد دواخانہ کے پاس ان کی دکان تھی جو چنا منا کی دکان کے نام سے مشہور تھی۔

مشہور ہے کہ حکیم عبدالحمید صاحبؒ مالک ہمدرد دواخانہ نے جب ان کی دکان خریدنا چاہی تو چودھری صاحب کی غیرت جوش میں آگئی اور انھوں نے کہا کہ حکیم

صاحب آپ اپنا دواخانہ کتنے میں بیچتے ہیں؟ جس سن کا سکہ چاہیں گے آپ، میں وہی سکہ آپ کو دوں گا۔

حکیم صاحب نے چودھری صاحب کو یہ کہہ کر راضی کرلیا کہ میں دواخانے کو مسلمانوں کے نام وقف کروں گا، یہ مجھے عطا کردیجیے۔

پاکستان میں اس برادری کے فن باغات سے تعلق رکھنے والوں نے پاکستان کی زرخیز اراضی میں وہ پھل فروٹ پیدا کردیئے کہ آج سندھ اور پنجاب ہر قسم کے پھلوں کی پیداوار کے مرکز ہیں۔

میں نے ایک دلی کے ارائیں سے پوچھا، آپ نے ہندوستان کا ہر پھل پاکستان میں پیدا کردیا؟ وہ بولے تین پھل پیدا نہ کرسکے۔

ایک کٹھل، دوسرا میرٹھ کا کسیرو، تیسرا پھل دلی کی مشہور نسوانی سوغات کم رخ۔

اس برادری کے نان بائیوں نے کراچی کے ہر علاقے میں نہاری، روٹی، قلچے، باقر خانی کی دکانیں کھول کر سندھیوں کو دلی کے چٹخاروں کا عاشق بنادیا ہے۔

میں نے کراچی کے ایک سندھی سے پوچھا، آپ کو مہاجرین کے کلچر، کرتا پاجامہ، گول ٹوپی اور اردو زبان سے تو نفرت ہے، لیکن ان مہاجرین کی نہاری، روٹی، شامی کباب، دہی بڑوں کی چاٹ اور سرخ سرخ خستہ قلچوں سے محبت ہے، آخر یہ نفاق کیوں؟

آپ کو اردو کے نام سے چڑ ہے، لیکن لتا منگیشکر اور رفیع کے گانے کراچی کے بازاروں میں رات کے دو بجے تک اودھم مچاتے رہتے ہیں۔ یہ آخر کیوں؟

کس خوشی میں ہائے کیسا رنج پھیلا کیا کہوں
کیا خبر تھی ہنستے ہنستے وہ خفا ہوجائے گا

ملک شامی صاحب:

اس برادری کے ایک نامی گرامی کنجوس ملک شامی تھے، چنامنا کی دکان جب تک

ہمدرد دواخانہ میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک یہ اسی دکان پر نہاری کی دیگ تیار کرتے تھے، قدرت نے انھیں بے شمار دولت سے نوازا تھا۔ بال بچے پاکستان جا چکے تھے، یہ اکیلے اپنے رشتے داروں میں پڑے ہوئے تھے۔

ان کے بارے میں مشہور تھا کہ کئی کئی وقت کا سڑا ہوا سالن کھاتے ہیں، جسم پر چند میلے کچیلے کپڑے رہتے تھے، اور رودگران میں ایک پنواڑی میر دَ لیے تھے، ان کی دکان سے مفت کا پان کھاتے تھے۔ میر صاحب ان سے دل لگی کر کے پان کھلا دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی یہ کہتے تھے۔ ''ملک جی! میرے دس ہزار رُپے کے پان اب تک کھا چکے ہو، میں سب وصول کرلوں گا۔''

ملک شامی کا شمار دلی کے نام ور کبوتر بازوں میں ہوتا تھا، ایک دفعہ انھوں نے اپنے فن کا کمال دکھایا کہ کئی سو پدڑیاں (مشہور ننھا سا پرندہ) پالیں اور انھیں کبوتروں کی طرح سدھایا اور ہلایا۔

لال کنویں پر لکڑی والے لالہ جی کی چھت خالی تھی، اس چھت پر انھوں نے پدڑیوں کا جال بنا رکھا تھا اور وہیں وہ پدڑیاں اڑانے کا تماشہ دکھاتے تھے اور سڑک پر بھیڑ جمع ہو جاتی تھی۔ پدڑیاں اڑاتے ہوئے ان کا فوٹو جے پور کے عجائب خانے میں لگا ہوا ہے۔

ملک شامی کا جب انتقال ہوا تو ان کے بستر کے نیچے نوٹ ہی نوٹ بچھے ہوئے تھے۔ یہ صاحب جائیداد بھی تھے، مگر ایسی دولت کس کام کی، سب یار لوگ کھا گئے۔ ان کے لڑکے کراچی سے آئے اور اپنے لکھ پتی باپ کی دولت میں سے تھوڑا بہت لے کر چلے گئے۔

پاکستان میں نام پیدا کیا:

ملک فضل کے صاحب زادے ملک مخدوم نے اور ملک ادریس کے لڑکے ملک حنیف نے کراچی میں بڑا نام پیدا کیا، دلی کے شاہی کھانوں کی بہ دولت سرکاری

حلقوں میں ان کا بڑا نام تھا۔ ملک حنیف کئی دفعہ برنس روڈ اور پاکستان چوک کے علاقے سے الیکشن جیت کر کارپوریشن کے ممبر بنے، اب انھوں نے آرام باغ کے ہوٹل کو ختم کر کے اس دکان میں دوسرا کاروبار شروع کر دیا ہے، دلّی سے جانے والوں کی یہ بڑی مدد کرتے ہیں۔

ملک تنویر:

اسی برادری کی ایک اور مشہور ہستی ملک تنویر کی ہے جو بھاجپا کے مسلم لیڈروں میں بہت وفادار لیڈر رہیں، حویلی اعظم خاں میں رہتے ہیں۔

ان کی پارٹی نے انھیں زائرین اجمیر کی کمیٹی کا چیرمین بنا کر ان کے ہاتھ میں ایک خالی جھنجھنا دے دیا ہے۔ سکندر بخت صاحب کی گڈ بک میں شامل ہیں۔

حویلی اعظم خاں کے احباب میں یہ بڑی دل کش شخصیت کے مالک ہیں، ان کے والد دیوبندی مزاج کے سخت عبادت گزار صوفی ہیں، خدا جانے اپنے بیٹے سے ان کی کس طرح بنتی ہے۔

اب تو ہم مسلمان سیاسی ورکروں اور لیڈروں کی یہ حیثیت رہ گئی ہے کہ سیاسی پارٹی اپنی خدمت گزاری کا صلہ دینے کے لیے مسلمانوں کے زرخیز کھیتوں پر ان خدمت گزاروں کو چھوڑ دیتی ہے اور چار پانچ سال کی انھیں مہلت دی جاتی ہے کہ جتنا چارہ وہ کھا سکیں کھالیں۔

برادران وطن نے تو اپنے آپ کو اس ملک کا راج کمار سمجھ رکھا ہے اور عوام کے ذریعے ملک کے اقتدار میں آنے والے ملک کے سرمایے کو ہر طرح لوٹنے کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا ان کی روش پر چلنا غلط ہے۔

ملت اسلامیہ کے صاحب اخلاص رہنماؤں نے ہندوستانی مسلمانوں کو باعزت زندگی گزارنے کا ایک ہی راستہ بتایا تھا کہ جس طرح بے غرض اور بے لوث جدو جہد کے ساتھ تحریک آزادی میں مسلمانوں نے شرکت کی اسی طرح ہندوستان میں

جمہوری نظام حکومت کو قایم رکھنے کے لیے مسلمانوں کو بے غرض ہوکر جدو جہد کرنی چاہیے۔ مسلم سیاسی کارکنوں اور لیڈروں کی خودغرضانہ سرگرمیوں کی وجہ سے علاحدگی پسند عناصر آج کے ماحول میں آج بھی زندہ ہیں۔ کیوں کہ انھیں مسلم سیاسی لیڈروں اور کارکنوں کی کم زوریوں سے فایدہ اٹھانے کا موقعہ مل رہا ہے۔

راعیں جمع ہے راعی کی، عربی میں رَعیٰ کے معنی پیداوار بڑھانا آتے ہیں۔ ارضِ مریعہ زرخیز زمین کو کہا جاتا ہے۔

علامہ احسان ظہیرؒ پاکستانی:

پنجاب کے اہل حدیث طبقے میں راعیں برادری کے افراد بھی ہیں، علامہ احسان ظہیر مرحوم اسی برادری کے بڑے پر جوش اہل حدیث عالم تھے۔

میرے بھائی نواب حسین کے کاروباری رفیق ملک اسعد صاحب راعیں برادری سے تعلق رکھتے تھے اور اہل حدیث تھے، وہ علامہ احسانؒ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔

ایک روز میں مولانا سعید الرحمٰن علوی مرحوم کے ساتھ علامہ مرحوم سے ملنے گیا، یہ پانچ چھ سال پہلے کی بات ہے، علامہ اپنی مسجد اور مدرسہ تعمیر کرا رہے تھے۔

میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کی بے پناہ پر جوش پنجابی خطابت پاکستان کی سرزمین کب تک برداشت کرے گی، یہاں ہر قسم کی بدعت پورے عروج پر ہے اور پاکستان کے دور رنگے حکم راں ہر بدعت کو خواہ وہ قبر پرستی کی ہو یا تعزیہ پرستی کی اپنی اپنی جگہ بڑھاوا دیتے ہیں۔

جواب میں انھوں نے پاکستان کے اندر بدعات کے فروغ کی مثالیں دیں اور کہا کہ اگر ہم نے پوری قوت سے ان کا دفاع نہ کیا تو یہ ملک حقیقی اسلام کی تعلیمات سے محروم ہو جائے گا۔

وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، بدعتی گروہ نے ان کے ایمانی جوش سے بھرے ہوئے

سینے کو چھلنی کر کے شہید کر دیا، کہا جاتا ہے کہ یہ حرکت شیعہ افراد کی تھی۔

حکومت عراق کی طرف سے بغداد میں صہیونیت کے خلاف موتمر اسلامی (جون ۱۹۹۰ء) منعقد ہوئی تھی، اس کانفرنس میں علامہ احسان مرحوم کے نمائندے کے طور پر ان کے صاحب زادے شریک ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے صاحب زادے سے میری ملاقات ہوئی۔

میں نے انھیں یاد دلایا کہ میں نے آپ کے والد مرحوم کو توجہ دلائی تھی کہ پاکستان کی مذہبی فضا ان کی پرجوش خطابت کو کب تک برداشت کرے گی؟

وہ نوجوان اپنے عظیم باپ کو یاد کر کے رونے لگا۔

مذہبی خانہ جنگی:

پاکستان اس وقت مذہبی اور علاقائی خانہ جنگی کا جس بری طرح شکار ہے ہم ہندوستانی مسلمانوں کا اس کی وجہ سے سر نیچا ہو گیا ہے۔

پاکستان تو اسلام کے لیے قایم ہوا تھا۔

اسلام کی حفاظت ہندوازم کے جارحانہ حملوں سے اس خطۂ پاک میں کی جائے گی، یہ بتایا گیا تھا۔ لیکن آج پاکستان کے اندر یہ کیا ہو رہا ہے؟

اہل پاکستان اگر اپنے اوپر ترس نہ کھائیں تو نہ کھائیں۔ لیکن ہم ہندوستان کے بیس کروڑ ابتلا زدہ مسلمانوں پر تو ترس کھائیں۔

ہندوستانی مسلمان جس خداداد سلطنت کی طرف نگاہیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتا تھا آج وہ آنسو بہا بہا کر اس خطے کے لیے امن، اتحاد اور بھلائی کی دعائیں کر رہا ہے۔

(۱۰/۱ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

باب (۵)

عطّار برادری

اور

فن طب کے دہلوی مراکز

یہ دلّی کی ایک تجارت پیشہ برادری ہے، اس برادری کے اجداد عطّاری کرتے تھے، اور دوا فروش تھے۔

لغت میں عطّار، عطر (خوش بو) سے بنایا گیا ہے جس کے معنی عطر فروش کے ہیں، لیکن کسی مناسبت سے دوا فروشوں کو عطّار کہا جانے لگا ہے۔ مشہور ایرانی صوفی شاعر خواجہ فریدالدین عطّارؒ تھے، یہ بھی حکمت اور طبابت کرتے تھے، اسی مناسبت سے ان کا لقب عطّار تھا۔

ایران کے علما اور شعرا اپنے پیشوں اور اپنی بستیوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے اور اس طرح اپنی شناخت قایم کرتے تھے اور پیشے چھوٹے ہوں یا بڑے ان کا اظہار کرنے میں یہ لوگ کوئی عیب محسوس نہیں کرتے تھے۔

مشہور فارسی شاعر خیام تھے، خیام خیمہ بنانے والے، یہ خیمہ بناتے تھے۔ مشہور صوفی بزرگ حضرت نقش بندی تھے۔ یہ کپڑوں اور چادروں پر بیل بوٹے بناتے تھے۔ مشہور وحدۃ الوجودی صوفی، منصور حلاجؒ تھے۔ حلاج روئی دھنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ ان کا پیشہ ہوگا۔

عرب میں اپنے اپنے قبیلوں کی طرف منسوب کرنے کا رواج تھا۔ اسی نسبت کی وجہ سے باہمی قبائلی کش مکش جنم لیتی تھی۔ ایرانی ایک واحد قوم کی طرح متحد رہتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم معجزہ تھا کہ آپ نے توحید و نبوت کے اصول

پر تمام مختلف قبائل کو آپس میں شیر و شکر کر کے ایک امت بنادیا اور پھر اس اتحاد کے ساتھ عربوں میں دو قوتیں اور جمع ہو گئیں، ایک عربوں کی شجاعت اور دوسری اسلام کی تعلیم مساوات اور انسانی اخوت کا جذبہ۔

پھر ان قوموں نے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا کے دو عظیم تمدن (روم اور ایران) توحید و نبوت کے سائے میں آ گئے۔

عطار برادری کی تھوک دواؤں کی دکانیں کھاری باولی دلی میں ہیں۔

دواؤں کی تجارت کے ساتھ ان میں طبابت بھی شروع ہو گئی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے محلہ رودگران میں ایک حکیم مقیم الدینؒ تھے، بے حد مقبول اور غریب پرور طبیب تھے، فراش خانہ میں مشہور دواخانہ اسی برادری کے طبیب حکیم مصباح الدینؒ کا اب تک قایم ہے، جواب برائے نام رہ گیا ہے۔

حکیم بقاء اللہ۔ تین بھائی:

اس برادری کے اجداد میں تین ہستیاں، حکیم بقاء اللہؒ، عطا اللہؒ اور ذکاء اللہؒ کی مشہور گزری ہیں، حکیم بقاء اللہؒ کے نام کی ایک گلی حکیم بقا والی اب بھی موجود ہے۔ ان کی اولاد میں کچھ لوگوں نے آنکھوں کا علاج کیا اور کچھ اولاد طبابت کی طرف چلی گئی۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں یہ محلہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ بابری مسجد تحریک کے موقع پر جب جامع مسجد دہلی کے اشتعال انگیز خطبوں سے اس علاقے کی فضا گرم تھی تو اس محلے کی مسجد کے امام صاحب شہید کر دیئے گئے تھے۔

حوض قاضی پر دواخانہ بقائی آنکھوں کے علاج کے لیے مشہور ہے اور بازار چتلی قبر پر ایک یونانی دواخانہ بقائی ہے، جس کے بانی حکیم شریف الدین بقائی تھے۔

ذکاء اللہ صاحب کی اولاد میں حکیم امام الدین ذکائی ہیں، جن کا دواخانہ نیلم دواخانہ کے نام سے جمنا پار کے علاقے میں ہے۔

اسی برادری کی ایک پرانی شخصیت غفور بخش صاحب سوداگر کی ہے، انھوں نے

مسجد یک برج کو چہ رائے مان کو وسعت دے کر دو منزلہ عمارت میں تبدیل کیا تھا، انھی کے لڑکے شیخ فضل عظیم چھرّے والے تھے جن کے نام کی ایک گلی بارہ دری شیر افگن میں ''گلی چھرّے والی'' ہے، جس میں اب جماعت اسلامی کے انگریزی اخبار ریڈینس کا دفتر ہے۔

اسی مسجد کو تیسری دفعہ بھی اسی برادری کے سوداگر آئل کلاتھ بَلی ماران حاجی محمد فاروق صاحب نے ایک شان دار مسجد میں تبدیل کیا۔ حاجی صاحب کا تذکرہ علاحدہ کیا گیا ہے۔

مولانا بشیر الدین احمد نے محلہ بَلی ماران کے دو مشہور عطّاروں کے نام بھی دیئے ہیں۔ یعنی جمال الدین عطّار اور فیض الحق عطّار۔ ہندوستانی دواخانے کے پاس انھی کے اولاد کے دواخانے قایم ہیں۔ ایک قدیمی دواخانہ، ایک شمسی دواخانہ۔ اب یہ برادری تجارت اور تعلیم کے مختلف شعبوں میں ایک ترقی یافتہ برادری کی شکل میں دلّی کے مختلف محلوں میں آباد ہے۔

دلّی کے مشہور فارسی اسکالر ڈاکٹر محمد مرسلین صاحب اسی برادری کے فردِ جلیل ہیں، اور ڈاکٹر معین الدین بقائی دلّی کے نام ور ڈاکٹر، حکیم شریف الدین بقائی کے فرزندِ اکبر ہیں جو طبابت کی مصروفیت کے ساتھ دلّی کے دینی اور سماجی اداروں کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔

یہ برادری شادی بیاہ کے رشتوں تک اپنی تنظیم کو محدود رکھتی ہے لیکن اپنی الگ کوئی پہچان مقرر کر کے امت مسلمہ کے مقدس دھارے سے الگ رہنے کی کوشش نہیں کرتی۔

گوبندا عطّار:

ہم نے اپنے بچپن میں لال کنویں پر ایک ہندو عطّار گوبندا نامی کی دکان دیکھی ہے، جہاں مٹی کی ہنڈیوں میں اور لکڑی کی درازوں والی الماری میں سونف، منقا رکھی

رہتی تھی اور گوبندا جی ایک لنگوٹی باندھے نیم عریاں (گاندھی جی کی طرح) بیٹھے رہتے تھے۔ اور غریب ہندو مسلمان مریضوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور خدا تعالیٰ اسی گھاس پھونس سے شفا عطا کرتا تھا۔

گوبندا عطار کی بوتلیں اور ہنڈیاں دیکھ کر عطاروں کے بارے میں یہ ضرب المثل یاد آتی تھی کہ "عطاروں کا شیشہ اور مداری کا پٹارا"۔ دونوں ایک ہیں۔

ہمدرد اور ہمدم دواخانے:

ان دونوں دواخانوں کی ابتدا عطاری کے کام سے ہوئی۔

حکیم عبدالحمید صاحبؒ کے والد عبدالمجید صاحبؒ نے عطاری سے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ یہ خاندان یوپی سے دلی آیا ❶۔

اس ناچیز نے اپنے بچپن میں حافظ نور محمد صاحب مرحوم کو قریب سے دیکھا جو حکیم عبدالمجید صاحبؒ کے عزیز تھے اور ہمدم دواخانے کے بانی تھے۔

حافظ صاحب موجودہ دواخانے میں بیچ والی سیٹ پر بیٹھے رہا کرتے تھے اور ہم جاتے تھے اور زبانی تکلیف بتادیتے تھے اور حافظ صاحب دوا عنایت کردیا کرتے تھے، نہ نبض دیکھی نہ زیادہ پوچھ تاچھ کی اور شفا حاصل ہوگئی۔

لال کنواں، دلی کے پہلوانوں کا علاقہ تھا۔ گرمی کے موسم میں پہلوان لوگ اپنے بڑے بڑے ڈونگے لے کر حافظ صاحب کے پاس آتے اور شربت عناب سے بھر کر لے آتے اور گرمی کی پیاس بجھاتے تھے۔

ہمدرد دواخانہ اب حکیم عبدالحمید صاحبؒ کی خداداد شخصیت کی کرامت ہے، جو اپنی ہمہ گیر تعلیمی سماجی خدمت کے ساتھ مسلمانوں کے دور زوال میں نصرت خداوندی کے وعدے کی روشن مثال ہے۔

---

❶ حکیم محمد سعید مرحوم کے تذکرے میں اس خاندان کو کاشغر (ایران) سے آیا ہوا لکھا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ پہلے ادھر سے آئے ہوں پھر دلی منتقل ہوئے ہوں۔

حکیم عبدالحمید صاحبؒ کے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعیدؒ نے پاکستان میں فن طب اور دوسرے سماجی اور تعلیمی میدانوں میں عظیم خدمات انجام دی ہیں، وہ بھی دلّی ہمدرد کے کارناموں سے کم نہیں۔

حکیم محمد سعیدؒ نے ابھی حال میں دو بھائیوں کی سبق آموز کہانی شایع کی ہے، جو دو بھائیوں کے اتفاق، خوش بختی اور کامیابی کی نہ مٹنے والی تاریخ ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کے ان دونوں اداروں کی تعمیری خدمات پر مستقل تاریخیں لکھی جائیں گی اور اقبال مرحوم کے یہ اشعار اس تاریخ پر کندہ ہوں گے ؎

قناعت نہ کر عالم رنگ و بُو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

فن طبابت کے دو مرکز:

عطّار برادری میں علاج معالجے کا سلسلہ عطّاری سے شروع ہوا۔ فن طبابت وحکمت کا جہاں تک تعلق ہے اس فن لطیف کے دلّی میں دو مرکزی خاندان تھے۔

ایک خاندان حکیم غلام نجف خاں کا تھا جو بہادر شاہ ظفر کے خاص طبیب تھے۔ ان کے جدِ اعلیٰ شیخ فرید تھے جن کا لقب محتشم خاں تھا۔ یہ عہد جہانگیری میں منصب دار تھے، اور انھیں بدایوں کے قریب موضع شیخو پور کی جاگیر عطا ہوئی تھی، انھوں نے اس جاگیر کا نام جہانگیر بادشاہ کے پہلے نام (مرزا شیخو) پر شیخو پور رکھا تھا۔

شیخ فرید شاہی منصب داری کے ساتھ ایک بڑا روحانی رشتہ بھی رکھتے تھے، ان کے نانا قطب الدین خاں، حضرت شیخ سلیم چشتیؒ فتح پور سیکری کی اولاد میں سے تھے، یہ خاندان حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم کی اولاد میں سے ہے، فاروقی نسبت کے ساتھ خان کا لفظ انھیں اعزاز کے طور پر دیا گیا تھا۔ حکیم غلام نجف خاں کو فن

طبابت کے ساتھ دینی علوم کی اشاعت کا بھی شوق تھا۔ چناں چہ انھوں نے شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ کا پہلا اردو ترجمہ (موضح قرآن) اپنی طرف سے شایع کرایا۔ یہ ایڈیشن موجودہ قدیم نسخوں میں سب سے زیادہ مستند ہے اور اس کا ایک نسخہ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب مجددیؒ کے کتب خانہ ترکمان گیٹ دلی میں محفوظ ہے۔

دلی کے مشہور حکیم، حکیم رضی الدین خاں ان کے پوتے تھے اور اس خاندان کی آخری یادگار (علمی اور فنی) حکیم ناصر الدین عرف چنو میاں تھے۔

اب چنو میاں کا خاندان دلی گلی قاسم جان اور شیخوپورہ میں موجود ہے اور اپنی خاندانی شرافت ونجابت کی خودداری کے ساتھ حفاظت کر رہا ہے۔

دوسرا خاندان، خاندان شریفی کے نام سے موسوم ہے۔ اس خاندان کے قریبی مورثِ اعلیٰ حکیم محمد شریف خاں تھے۔ جو شاہ عالم کے دور میں دلی کے ایک بڑے طبیب تھے، یہ بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔

اُنھوں نے قرآنِ کریم کا پہلا اردو ترجمہ لکھا، شاہ عالم کے دور میں اردو تراجم کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، افسوس صد افسوس ہے کہ یہ ترجمہ حکیم اجمل خاں کے کتب خانے کے ساتھ ہی ضایع ہوگیا۔

ڈاکٹر عبدالحق بابائے اردو نے اس ترجمہ کا تذکرہ کیا ہے اور میں نے یہ ترجمہ اس کتب خانے میں خود دیکھا ہے۔ حکیم شریف خاں (کونسلر) کی رفاقت میں مجھے اس تاریخی نسخے کی زیارت ہوئی ہے۔

یہ نادر ونایاب ذخیرۂ کتب کوڑیوں کے مول شریف منزل سے بوریوں میں بھر بھر کر لے جایا گیا۔

اس خاندان کے بڑے بڑے ماہرین طب حکیم محمود خاں، حکیم واصل خاں حکیم اجمل خاں اور حکیم غلام کبریا خاں تھے۔

حکیم اجمل خاں صاحب کی ہستی فن طب اور علوم عقلی کے ساتھ تحریک آزادی کا سرچشمہ تھی۔ قاضی عبدالغفار صاحب نے حیات اجمل میں اس خاندان کا مکمل تعارف

کرایا ہے۔

اس تاریخی خاندان کی عظمت کا آخری نشان حکیم محمد شریف خاں تھے، جو بلّی ماران کے علاقے سے کئی دفعہ میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مرحوم نے نازک ترین حالات میں بھی اپنی خاندانی آن بان میں کمی نہیں آنے دی اور خدا کو پیارے ہو گئے۔

عروج وزوال:

یہ امت عروج وزوال کے فطری قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ البتہ قدرت نے اس امت کو دائمی زوال سے بہ حیثیت مجموعی محفوظ رکھنے کا اعلان کیا ہے۔

۱۹۴۷ء کے خوف ناک طوفان کے بعد ہمدرد خاندان (بھارت اور پاکستان) خدا تعالیٰ کے اس وعدے واعلان کی صداقت کا نمونہ ہے۔

علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں یہ خوش خبری سنائی ہے

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی نطق اعرابی

حکیم محمد سعید صاحبؒ کچھ دنوں سندھ پاکستان کے قایم مقام گورنر بھی رہے۔ موصوف نے بڑی جرأت سے پاکستان کی موجودہ حکومت کی ناکامیوں پر بے باک تبصرہ کیا تھا، آج کراچی کے جو حالات ہیں وہ سعید صاحبؒ کے اس تبصرے کی تصدیق کر رہے ہیں۔

ابھی حال میں حکیم عبدالحمید صاحبؒ کے دولت خانے پر ایک تقریب کے سلسلے میں تشریف لائے تھے، میں بھی شریک تھا، میں نے اس تیز وتند بیان کا ذکر کیا اور کہا کیا حکومت پاکستان کی موجودہ خاتون ڈکٹیٹر نے اسے برداشت کر لیا؟ سعید صاحبؒ مسکرائے اور کہا:

''مجھے حکومت سے لینا دینا کیا ہے۔؟ میں نے ایمان داری سے جو سمجھا وہ

کہہ دیا۔"
پھر سعید صاحبؒ نے مولانا آزاد مرحوم کے تدبر و بصیرت کی تعریف کی۔

حکیم عبدالحمید مرحوم دورِ آلام میں نصرت خداوندی کا نشان تھے:

اس خاک سار کا حکیم صاحب مرحوم سے پڑوس (لال کنواں) کا جو تعلق تھا وہ ندائے ملت لکھنؤ کے خاص نمبر والے مضمون میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اسی تعلق کی وجہ سے حکیم محمد اقبال مالک ہمدم دواخانہ (جانشین مطب حکیم صاحبؒ) اور ماموں زاد بھائی نے مجھ سے کہا کہ ارشد قدوائی صاحب اور دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ حکیم صاحبؒ کی تجہیز و تکفین اور نماز کا انتظام آپ کریں گے۔

چناں چہ میں جمعہ (۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ/ ۲۳ جولائی ۱۹۹۹ء) کو صبح ۹ بجے اقبال صاحب کے ساتھ تغلق آباد پہنچ گیا۔ محمد سعید صاحب موذن مسجد، گلی چاندی والی، کوچہ پنڈت فی سبیل اللہ میت کو غسل دینے کا صبر آزما کام انجام دیتے ہیں۔

امام مسجد مولانا محمد یعقوب صاحب نوری نے انھیں اس کارِ خیر کے لیے تیار کیا ہے، حکیم صاحبؒ کو ہمدرد یونی ورسٹی کے اس کمرے کے برآمدہ میں غسل دیا گیا جس کمرے میں حکیم صاحبؒ ہر جمعرات کو آرام کرتے تھے اور یونی ورسٹی کے انتظامات کا معائنہ کرتے تھے۔

غسل و تکفین کے بعد حکیم صاحبؒ کا جنازہ جامع مسجد میں رکھ دیا گیا۔ نماز جمعہ میں دیر تھی، میں نے کچھ دیر اسی کمرے میں کمر سیدھی کی، کمرے میں ایک چھوٹا سا بیڈ تھا جس پر گھریلو قسم کے دو تکیے تھے، ان میں ایک گول چھوٹی تکینی تھی، ایک کچھ بڑا تکیہ تھا، کتابیں تھیں، ایک چھوٹا سا تولیہ لٹکا ہوا تھا۔

ایک لکڑی کی تپائی (ڈیسک) رکھی تھی جس پر حکیم صاحب سجدہ کرتے تھے، کیوں کہ کولھے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے مرحوم تپائی پر سر رکھتے تھے، یہ تپائی ان کے

لیے مسجد میں لے جائی جاتی تھی۔ حکیم صاحبؒ کے خاص پرائیوٹ سکریڑی اوصاف علی نے احقر سے کہا کہ آپ نماز جمعہ کا خطبہ دے دیں اور حکیم صاحبؒ کے بارے میں چند الفاظ کہہ دیں۔

اس ناچیز نے مختصر طور پر حکیم صاحبؒ کے بارے میں ایک مشہور حدیث قدسی کی روشنی میں اظہار خیال کیا اور نماز کے بعد مرحوم کے جنازے کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ میں حکیم صاحب کی نماز جنازہ پڑھانے کو اپنی سعادت اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اپنی نگاہ تصور سے یہ نظر آ رہا تھا کہ اس جنازے کے ساتھ لاکھوں بندگان خدا کی دعائیں ہیں۔ ہزاروں وہ خاندان جو حکیم صاحب کی خاموش سرپرستی سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے ان کے دل کی دھڑکنیں ساتھ ہیں۔

یہ نماز اگر دلّی کی جامع مسجد کے میدان میں ہوتی تو نہ جانے دلّی کے مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد اپنے محسن و مربی کے لیے دعا و رحمت کی غرض سے جمع ہو جاتی۔ لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے نہ تو شہر میں کوئی اعلان ہوسکا اور نہ اخبارات ہی کے ذریعے یہ خبر پھیلائی جاسکی۔

میں اپنی وہ تقریر محمد عتیق صاحب ایڈیٹر وحدت کی فرمائش پر مرتب کر کے بہ غرض اشاعت دے رہا ہوں۔

یادداشت کے سہارے تقریر مرتب کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کچھ کمی بیشی ہوگئی ہو۔

خطبۂ تعزیت بر وفات حکیم عبدالحمیدؒ:

بعد حمد و صلوٰۃ و تسمیہ!

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَّإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ. (الانبیاء:۳۵)

اے انسانو! ہم تمہیں بری اور اچھی دونوں قسم کی حالتوں اور دونوں طرح کے

واقعات سے آزماتے ہیں اور خوب اچھی طرح آزماتے ہیں، کسر نہیں چھوڑتے۔ یہ زندگی ہر پہلو سے آزمائش ہے اور اس آزمائش کی مدت پوری کر کے ہم سب کو اپنے اعمال کی جزا و سزا پانے کے لیے خدا تعالیٰ کے پاس واپس جانا ہے۔

آج ہم حضرت حکیم صاحبؒ کو خدا کے سپرد کرنے جارہے ہیں۔

حکیم صاحبؒ کی ہستی موجودہ دورِ آلام میں خدا کی نصرت فرمائی کا نشان ہے۔ جس دور میں ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنے وطن عزیز سے اکھڑ رہی تھی اس دور میں ایک اللہ کا خاص بندہ آندھیوں میں چراغ جلاتا رہا اور اپنے خداداد عزم و یقین سے ملت کو آواز دے رہا تھا۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝

''اے ملت توحید کے نام لیواؤ! خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، حسن عمل کرنے والوں سے خدا کی رحمت قریب ہے۔''

مولانا آزادؒ نے جامع مسجد کے میناروں کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا تھا کہ مسلمانو! جامع مسجد کے یہ بلند و بالا مینارے جھک جھک کر تم سے پوچھ رہے ہیں کہ تم کہاں جارہے ہو؟ تمہارے خلوں نے کبھی گنگا اور جمنا کے کنارے وضو کیا تھا۔ یہ ملک تمہارا ہے اور تم اس ملک کے ہو۔

ایک اللہ کے خاص بندے نے ملک کے کونے کونے میں بھڑکتی ہوئی فسادات کی آگ میں کود کر مسلمانوں کو عزم و یقین کا پیغام دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک حدیث کو یاد رکھو کہ ایمان اور بزدلی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

پھر ہجرت کے نام پر یہ فرار کیسا ہے؟

آج بھی اس وسیع و عریض ملک کے ہر گوشے میں اس مرد جلیل کی آواز صوت ہادی کی طرح گونج رہی ہے اور یہ پیغام دے رہی ہے

ظفر اس کو آدمی نہ جانیے گا
ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

یہ مردِ جلیل مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمانؒ تھے۔

حکیم عبدالحمید صاحبؒ ان رجال غیب میں سے ایک تھے جنھوں نے تغلق آباد کے جنگلوں میں ملی تعمیر کے نشان گاڑ کر ملت کو آنکھوں سے دکھایا تھا کہ ہندوستان سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

دیکھو! اسی امت کا ایک صاحب عزم و یقین انسان تمہارے مستقبل کو روشن رکھنے کا انتظام کر رہا ہے۔

حکیم صاحبؒ وہ عبادت گزار تھے جس کی عبادت (خدمت خلق) کسی پہلو سے بے نتیجہ و بے ثمر نہیں ہوئی۔ مرحوم نے خدمت خلق کے جو عظیم الشان نشانات ہمدرد دواخانہ اور ہمدرد رفاہی ادارے قایم کیے ان کا اجر مرحوم کو بے حد و حساب ملے گا اور ملت تو حید قیامت تک اس سے فیض حاصل کرتی رہے گی۔

ایک نمازی کی عبادت میں اگر اخلاص کی کمی ہو تو اس کی نماز بے ثمر ہو جاتی ہے۔ مگر ایک بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑے پہنانا ایسی عبادات ہیں کہ اگر ان میں اخلاص کی کمی بھی ہو جائے، دکھاوے کا جذبہ بھی پیدا ہو جائے تب بھی وہ عبادت اپنے دنیوی اور اخروی نتائج ظاہر کر کے رہتی ہیں۔ اس لیے حکیم صاحبؒ کی مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ ان کے جانشینوں کو خدا تعالیٰ ان کے جذبۂ عزیمت سے مالا مال کر دے۔

حکیم صاحبؒ اپنی آخری بیماری میں کئی مہینے تک موت و حیات کی کش مکش میں رہے۔ طبی نقطہ نگاہ سے اسے آپ کچھ بھی کہیے، لیکن روحانیت کے ایک طالب علم کے نزدیک یہ طویل آزمائش ایک حدیث قدسی کے مطابق پیش آئی۔ حدیث قدسی کا

مفہوم یہ ہے۔

''خدا تعالیٰ فرماتا ہے، مجھے اپنے کسی فعل میں جسے میں کرنا چاہتا ہوں تردد اور تامل نہیں ہوتا۔ ہاں! اس صاحب ایمان پر موت طاری کرنے کے فعل میں تردد ہوتا ہے جو مومن موت کو پسند نہیں کرتا اور اس میں اس بندۂ خاص کو تکلیف میں ڈالنا گوارا نہیں کرتا۔'' (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲۔ ص ۷۱۔ طبع مصر)

یہ بڑی اہم بات ہے، خداوند عالم قادر مطلق بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ کسی کام میں تردد اور تامل ہوتا ہے اس شخص کو جس میں اس کام کی قدرت نہیں ہوتی کہ یہ کام پورا ہوگا یا نہیں؟ پھر اسے تردد ہوتا ہے جسے اس فعل کے اچھا ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔ خداوند عالم کی شان قدرت یہ ہے کہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ. (ہود: ۱۰۷)

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا. (طلاق: ۳)

''اللہ تعالیٰ اپنے ہر حکم کو نافذ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم علیم ہے۔ اس کا ہر کام علم و حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔''

پھر ایک صاحب ایمان پر موت کا حکم نافذ کرتے ہیں، اسے کیوں تردد ہوتا ہے؟ اس کی توجیہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے یہ فرمائی کہ تردد سے مراد قانون فطرت اور رضائے الٰہی کے تقاضوں کے درمیان فرق و تفاوت ہے۔ یہ کنایہ ہے قضا و رضا کے اختلاف سے، اور کنایہ ہے مصالح کلی اور مصالح جزئی کے درمیان تصادم سے۔

قانون فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جب جسم انسانی اپنی آخری منزل پر پہنچ جائے تو موت واقع ہو جائے۔ لیکن وہ بندہ خاص موت کو پسند نہیں کرتا، کیوں کہ وہ اعمال خیر کی تکمیل کا آرزومند ہوتا ہے اور خدا کی رضا اپنے اس بندۂ خاص کی رضا کے ساتھ ہوتی ہے، وہ بندہ کار خیر کے کاموں کی تکمیل چاہتا ہے، مگر قانون فطرت اسے موقع دینا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ نوے سال کی عمر میں تیس سال کے اعصاب واپس نہیں آسکتے۔

اب اللہ تعالیٰ اس بندۂ خاص کو اپنی رضا آخرت کا منظر دکھا کراتے موت کے

لیے تیار کرتا ہے۔اور موت، ملاقات کی دعوت بن جاتی ہےاور بندہ اس دعوت کو قبول کر لیتا ہے۔

موت کے وقت بندگان خاص کے کانوں میں یہ صدائے آسمانی آتی ہے۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O اِرْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O (فجر ۲۸)

''اے نفس مطمئنہ! پورے اطمینان سے اپنے پروردگار کی طرف واپس آ جا، تو اپنے رب سے اور رب تجھ سے راضی۔''

اب وہ بندۂ خاص اس مقام پر ہوتا ہے ۔

چوں قضائے حق رضائے بندہ شد
حکم اورا بندۂ خوہندہ شد

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات باعث کون ومکان تھی۔ آپ نے ۶۳ سال کی عمر میں دین حق کو کامیابی کی اس منزل تک پہنچایا جس منزل تک کوئی نبی و رسول نہ پہنچا سکا، مگر پھر بھی کچھ کام باقی ہے۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

حضرت عمر فاروقؓ پر کسی قدر بے خودی اور بدحواسی طاری ہوگئی کہ ابھی تو مدینۂ منورہ کے اندر بھی اہل نفاق موجود ہیں، پھر سرور عالم کی یہ وفات کیسی؟

(حضرت) فاروق اعظمؓ نے تلور سوت کر یہ اعلان شروع کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی، آپ چالیس دن کے اعتکاف میں گئے ہیں۔ لیکن (حضرت) صدیق اکبرؓ کی ایک ہی للکار نے حضرت عمرؓ کو خاموش کر دیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ.

(آل عمران:۱۴۴)

''بڑے بڑے رسول آئے اور وہ اپنا اپنا کام کر کے چلے گئے، اسی طرح رسول آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا کام کر کے تشریف لے گئے۔''

خدا تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آنا، اس کے بندۂ خاص نے قبول کرلیا، بات ختم ہوگئی۔عمرؓ! ہوش میں آؤ، (حضرت) عمرؓ ہوش میں آ گئے۔

اس وقت تو میں نے یہ بات نہیں کہی تھی، لیکن اس تحریر میں کہتا ہوں کہ حکیم صاحبؒ کی ہستی بہت بڑی تھی، ان کے بھائی حکیم محمد سعید صاحبؒ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح اس مت کے لیے خدا تعالیٰ کی خاص دین تھے۔مگر ہمیں ان صاحبان کی تعریف و تحسین میں احتیاط کرنی چاہیے اور اسلاف کرام سے موازنہ کرنے کی جسارت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

وہ ہستیاں جو وعدۂ خداوندی:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (روم:۴۷)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم پر اہل ایمان کی مدد کرنا لازمی ہے۔"

کا مصداق اور وعدۂ الٰہی کا ظہور ہیں، ہر دور میں مختلف شعبوں کے اندر ہر درجے کے حساب سے پیدا کی جاتی رہی ہیں۔

حکیم عبدالحمید صاحبؒ نہایت سنجیدہ مزاج اور صاحبِ اخلاص آدمی تھے۔مرحوم اپنی تعریف میں مبالغہ آرائی کو اپنے ساتھ مذاق سمجھتے تھے۔وہ اس سے خوش ہوتے تھے کہ انھیں ایک محنت کش باپ کا بیٹا کہا جائے اور ان کی ترقی کو خدا تعالیٰ کا انعامِ محض قرار دیا جائے۔

ایک روز میں نے ہمدرد لیبارٹری میں حکیم صاحبؒ سے ملاقات کی، دیسی بنڈی (نیم استین) پہنے ہوئے تھے اور پائجامہ کی موریاں اونچی کررکھی تھیں، گرمی کا موسم تھا، دواؤں کی الٹ پلٹ میں مصروف تھے۔

باتیں کرتے کرتے ایک اخبار میری طرف کھسکایا اور بولے: دیکھیے کس قدر بڑھا چڑھا کر میری تعریف کی ہے۔یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں اس سے بے حد خوش ہوں گا۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے خوشامد پسند آدمی سمجھتے ہیں جو توہین کی بات ہے۔

بوعلی سینا، ابوریحان بیرونی، فارابی اور محمد ابن زکریا بننے والے اہل کمال کفش

دوزوں (موچیوں) اور کوزہ گروں (کمہاروں) کی اولاد تھے، امراؤ اعیان قوم کی اولاد نہیں تھے۔ تعریف کمال کی ہے اور بس!

ماخموشی وا شتیم آفاق بے تشویش بود
موج ایں بحر از زبانِ ما تلاطم کردہ است

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان ترجمان وحی نے اعلان فرمایا:

اِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْأً مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهٗ. (مشکوٰۃ:۴۴۷)

"اللہ پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس دنیا میں جسے بلندی عطا فرمائے اسے اس مقام سے ہٹا دے۔"

یہی کمال و زوالِ قانونِ فطرت ہے، نظام فطرت اسی دھوپ چھاؤں پر قایم ہے۔ مولانا حالی مرحوم نے تین شعروں میں سب کچھ کہہ دیا ہے ؎

جو کہے تجھ کو بنادیں اے امیر
ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر
ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت
اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ

اظہار حق کی سزا:

ایک تعمیر پسند اور سلیم الفکر انسان کو حالات کی ہمہ جہت مجبوریاں بے صبری اور گرمیٔ گفتار کی کس منزل پر پہنچا دیتی ہیں اور یہ منزل بے شعوری کے ساتھ نہیں آتی بلکہ وہ اصلاً مقاصد کا معمار اپنے انجام سے باخبر ہوتا ہے اور پھر بھی وہ صلیب وسولی کی طرف قدم بڑھاتا رہتا ہے اس کی ایک تاریخی مثال حکیم محمد سعید مرحوم کا حادثۂ قتل

ہے۔ محترم حکیم عبدالحمید صاحبؒ نے اپنے پوتے کی جانشینی کے سلسلے میں جو تقریب منعقد کی اس میں میں نے حکیم محمد سعید صاحبؒ کو ان کی ایک تازہ تقریر کی طرف متوجہ کر کے یہ عرض کیا کہ آپ کی یہ ناقدانہ تقریریں حکومت پاکستان کب تک برداشت کرے گی؟

مرحوم نے جواب میں کہا کہ مجھے حکومت سے کیا لینا دینا۔ میں تو اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ پھر مرحوم نے پاکستان کے بارے مولانا آزادؒ کے تدبر اور تفکر کی تعریف کی۔

مرحوم محمد سعیدؒ جہاں اپنے بھائی کی طرح تعمیری منصوبہ ساز تھے وہیں تحقیق و مطالعے کے آدمی بھی تھے۔ کراچی کی بگڑتی ہوئی حالت پر انکی تقریریں بڑی دانش مندانہ ہوتی تھیں۔ لیکن ان تقریروں میں حکم رانوں پر نکتہ چینی میں شدت اور اشتعال کا گہرا رنگ بھی ہوتا تھا اور پھر پاکستانی اخبارات ان تقریروں کو نہایت اشتعال انگیز سرخیوں کے ساتھ شایع کرتے تھے۔ سنا ہے کہ مرحوم نے کچھ عرصے پہلے اپنے بڑے بھائی سے اس بات کی اجازت حاصل کرنی چاہی تھی کہ وہ اب پاکستان کے بگاڑ پر خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ ظاہر ہے حکیم عبدالحمید صاحبؒ نے انھیں منع کیا ہوگا۔ اجتماعی بگاڑ کے خلاف اظہار حق کی جرأت کو کس طرح قابل مذمت کہا جا سکتا ہے؟ یہ تو اہل حق کا فریضہ ہے، لیکن جو تعمیری منصوبہ مرحوم نے پاکستان میں کھڑا کر دیا تھا اور اس کو مزید وسعت دینے کا پروگرام ان کے سامنے تھا اور وہ ایک دور اندیش انسان کی طرح یہ بھی جانتے تھے کہ یہ سارا عظیم منصوبہ بہ ظاہر اسباب صرف اس کے دم کی رونق ہے، پھر یہ صورت حال اس قسم کی جرأت گفتار کی متحمل نہیں تھی۔ البتہ اگر مرحوم حکیم محمد سعیدؒ یہ سوچ رہے تھے کہ مہاجر مخالف تحریک انھیں خاموش رہنے پر بھی معاف نہیں کرے گی، کیوں کہ بہ قول ان کے شہر قائد کو جس طبقے نے ایک خوش حال شہر بنایا دیا تھا اب اسے کنگال بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور مہاجر طبقے کی محنت اور دانش مندی کے ہر نشان کو مٹانے کا ارادہ کیا جا چکا ہے، تو پھر مرحوم کا رویہ درست تھا۔

تاریخ مرحوم سعید کے حادثۂ قتل کو صرف دہشت گردی کا ایک معمولی واقعہ قرار نہیں دے گی بلکہ اس کے پس پردہ محرکات پر کھل کر بحث کرے گی اور اس حادثے کو پاکستان کے پہلے وزیراعظم کے حادثۂ قتل کے ساتھ دیکھے گی۔

اے کاش! مہاجرین نے جس اسلامی قومیت کے نعرے پر ترک وطن کیا تھا، حالاں کہ وہ تبادلہ آبادی کے دائرے میں نہیں تھے، وہ اس سنہری نعرے پر قایم رہ کر اپنے حقوق کی جدوجہد کرتے رہتے، لیکن ہندستانی قومیت سے پرہیز کر کے جو قومیت (مہاجر قومیت) انھوں نے اختیار کی اس کے سیاسی نتائج سے بےخبری انھیں کس حال میں پہنچائے گی؟ اس انجام کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مسلم تاریخ میں مختلف قومیتیں نظر آتی ہیں لیکن مہاجر قومیت صرف پاکستان کی دین ہے۔

حکیم عبدالرحیم خاں مرحوم:

دلی کے نامور حکما میں حکیم عبدالرحیم خاں کی شخصیت اپنے گوناگوں اوصاف میں منفرد تھی۔

حکیم صاحب نہ صرف ایک حاذق طبیب تھے بلکہ اپنے اسلاف کی طرح غریب پروری میں بھی اعلا کردار کے مالک تھے۔

حکیم صاحب نے ایک دن مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی دینی بصیرت کا ایک واقعہ سنایا۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے شاہ صاحبؒ کو اپنے گھر کھانے پر بلایا، حکیم صاحب کو بھی مدعو کیا۔ حکیم صاحب، شاہ صاحبؒ کے پاس بیٹھے تھے، دوسرے شرکا شاہ صاحبؒ کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے لیے ان کی پلیٹ میں سے کھا رہے تھے۔ حکیم صاحب نے علاحدہ پلیٹ منگائی اور اس میں کھایا، بعد میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے حکیم صاحب کے اس فعل پر ناگواری کا اظہار کیا، شاہ صاحبؒ نے

مداخلت کرتے ہوئے کہا مولانا! حکیم صاحب نے ٹھیک کیا، ایک پلیٹ میں کھانا شریعت کا حکم نہیں ہے عقیدت کا مسئلہ ہے۔ حکیم صاحب نے احتیاط پر عمل کیا۔

حاجی محمد فاروق صاحب مرحوم:

حاجی صاحب عطّار برادری کے مشہور صاحب خیر و خدمت بزرگ تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنھیں خدا تعالیٰ نے ۱۹۴۷ء کی آزمایش کے دور میں مسلمانوں کی خدمت کے لیے کھڑا کیا تھا۔

حاجی صاحب آئل کلاتھ کے کامیاب تاجر تھے مگر اس تجارتی مشغولیت کے ساتھ حاجی جی قومی کاموں میں برابر حصہ لیتے تھے، دلّی وقف بورڈ کے ممبر تھے اور دلّی کے مسلم اوقاف کے نظام کو چلانے میں معقول وقت دیتے تھے۔ مولانا اسعد مدنی صاحب صدر جمعیت علماے ہند کے خصوصی معاون تھے، جمعیت بلڈنگ کی تعمیر کرائی، مسجد عبدالنبی کی تعمیر و درستگی میں رات دن کھڑے رہے۔

مسجد فتح پوری میں سنگ مرمر کا کام کرایا، مسجد یک برج کو موجودہ شان دار صورت میں منتقل کیا۔

مسلم مسافر خانے کا انتظام کیا اور جو دلّی مسافر خانہ سے محروم تھی اس کمی کو پورا کیا۔

حاجی صاحب کو قدرت نے ان کی مخلصانہ تعمیری خدمات کا بدلہ دنیا میں نیک اولاد کی صورت میں دیا اور آخرت میں ان کا مقام کتنا بلند ہوگا؟ اس کا اندازہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے لگائیے۔ آپ نے فرمایا جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔ (حدیث)

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر (مولانا حالی)

مساجد کی تعمیر کا شوق:

دلّی مسلم تہذیب کا گہوارہ ہے، موجودہ دورِ ابتلا میں بھی مساجد کی تعمیر اور تزئین کے شوق کا یہ عالم ہے اور دلّی کی ہر مسجد بلاضرورت کئی کئی منزلوں تک بلند ہوگئی ہے۔ اور ہر مسجد تاج محل نظر آرہی ہے۔ لیکن یہ نمایشی دولت مند آج تک کوئی بڑا مسافر خانہ اور خیراتی ہسپتال نہ بنا سکے اور ہماری غریب عورتیں اور بچے سرکاری ہسپتالوں کے علاوہ ہندو خیراتی شفا خانوں کے چکر لگاتے ہیں، ملتان سیوا سمتی، جین خیراتی ہسپتال اور اگر مدری زچہ خانے کے نام سے ہر علاقے میں ہندوؤں کے رفاہی ادارے قایم ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ علمائے کرام نے مسلمانوں کو یہ سبق دیا ہے کہ عبادت صرف اذان اور نماز و روزہ اور نفلی حج و عمرے کا نام ہے۔

خدمت خلق کا عمل عبادت میں شامل نہیں ہے۔

اس ناقص مذہبی تصور نے مذہب اسلام کی عظمت وافادیت کے تصور کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

مسلمان کفر کا مقابلہ جہنم کے خوف سے کرنا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے کفر کی طاقت کو اسلام کے پیغام محبت اور کردار خدمت کے ذریعے توڑا تھا:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

المو من مالف لا خیر فی فیمن لا بالف الا مولف.

(مشکوٰۃ: ۴۳۰)

مومن محبت والفت کا خزانہ ہوتا ہے اور اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو کسی سے محبت نہ کرے اور اس سے کوئی محبت نہ کرے۔

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے محبت خفتہ کو بے دار قوموں نے

میں نے کراچی کے ایک اجتماع (تنظیم اسلامی پاکستان) میں اقبال پسند نوجوانوں سے کہا تھا کہ اقبال کے پیغام کا ایک پہلو یہ بھی ہے جو پاکستانی مجاہدوں نے بھلا دیا ہے۔ اقبال کہتا ہے!

ہو چکا گر قوم کی شان جلالی کا ظہور
ہے مگر باقی ابھی شاہ جمالی کا ظہور

اے کاش! جوش جہاد میں سرشار نوجوانان ملت اقبال کے اس پیغام کی تاریخی حقیقت کو سمجھیں، اپنی تاریخی عظمت کے بدلے ہوئے تقاضوں کو سمجھیں۔

باب(۶)

پنجابی برادری
اور
اس کی دینی ورفاہی خدمات

پنجابی برادری ہندوستان کی وہ مسلم برادری ہے جس کی ایثار پسندی سے ملک کے بڑے بڑے دینی اور رفاہی ادارے چل رہے ہیں۔

میں دوسری مسلم برادریوں کی خدمات کی نفی نہیں کررہا بلکہ اپنی معلومات کے مطابق جس برادری کی خدمات سے دلّی والوں کا واسطہ پڑرہا ہے ان کا تذکرہ کررہاہوں۔

یوپی میں اس برادری کے افراد اپنے آپ کو شمسی کی نسبت سے پیش کرتے ہیں اوراس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اجداد نے ملتان کے مشہور صوفی شمس تبریز کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔

دلّی کے جن پنجابی اہل خیر کو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہےاور جو رفاہی خدمات اس برادری کے ساتھ وابستہ ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حاجی محمد نسیم صاحب:

دلّی والوں کی زندگی کا سخت ترین دور ۱۹۴۷ء کا انقلاب تھا،اس دور میں حاجی محمد نسیم صاحب بٹن والے خداتعالیٰ کی غیبی نصرت کا سامان بن کر نمودار ہوئے تھے۔

حاجی صاحب کی ذات اوران کی تاریخی موٹر ہمیشہ یادگار کے طور پر تاریخ کے اوراق میں محفوظ رہے گی، جو جمعیۃ العلماء کے قائدین کو نئی دہلی کے رہنماؤں، گاندھی

جی، پنڈت نہرو اور مولانا آزادؒ کے پاس روزانہ لے جاتی تھی۔ ورنہ جمیۃ العلماء کے ان درویش صفت رہنماؤں کے پاس موٹر گاڑی کا کیا کام تھا؟ یہ لوگ تو ٹرام، تانگہ، رکشا اور پیدل پھرنے والے تھے۔

حاجی صاحب ایک تجارت پیشہ رئیس تھے، وہ الیکشن اور انتخاب کے جھمیلوں میں پڑنے والے کہاں تھے۔ لیکن مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے اصرار پر حاجی جی نے بلی ماران کے حلقے کا پہلا الیکشن لڑا اور اپنی مدمقابل مس سرلا گپتا کمیونسٹ امیدوار کے مقابلے پر فتح مند ہوئے اور جب تک ممبر رہے صبح کو احاطہ کالے صاحب کے سامنے ایک کرسی بچھا کر بیٹھتے رہے اور ضرورت مندوں کی خدمت کرتے رہے۔

اس برادری کا تعلق نظام الدین کی تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی نہایت گہرا رہا ہے، حاجی جی ہر جمعرات کو مولانا احمد سعیدؒ کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر نظام الدین بھی لے جاتے تھے۔

حافظ رحمت الٰہی معتکف:

حاجی رحمت الٰہی صاحب معتکف عجیب شان کے آدمی تھے، ان پر پرانی رئیسانہ شان کا غلبہ تھا، مولانا احمد سعیدؒ کی مجلس (نورتن) کے مستقل رفیق تھے اور مولانا مرحوم، حافظ صاحب کو اپنے محسنوں میں شمار کرتے تھے اور برملا اس کا اعتراف کرتے تھے۔

اور بارہا ایسا بھی ہوا کہ مولانا کی خودداری سے معتکف صاحب کی رئیسانہ عادت متصادم ہوگئی اور حافظ صاحب ناراض ہوکر بیٹھ گئے اور مولانا ان کے پاس آئے اور انھیں منا کر اپنے ساتھ لے گئے۔

حافظ صاحب مدرسہ حسین بخش کے بانی حاجی حسین بخشؒ پنجابی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اس مدرسے کی ایک کمیٹی بنادی گئی تھی۔ حافظ صاحب بھی اس کے ایک ممبر تھے۔ کمیٹی کے صدر مولانا محمد میاں صاحبؒ تھے۔ انتظامی معاملات میں حافظ صاحب اور مولانا کے درمیان اختلاف ہو جاتا تھا، جو

حافظ صاحب کے رئیسانہ مزاج کے لیے ناقابل برداشت تھا، اس وجہ سے حافظ صاحب نے کمیٹی سے علاحدگی اختیار کرلی اور جمعیۃ العلماء کے بزرگوں سے سخت ناراضگی پیدا ہوگئی۔

انھی کے صاحب زادے محمد احمد صاحب ایڈوکیٹ ہیں، جنھوں نے کسٹوڈین کی پریشانی میں مولانا احمد سعیدؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے ساتھ نہایت مخلصانہ اور نیاز مندانہ تعلق قایم رکھا، مولانا احمد سعید صاحبؒ تو محمد احمد صاحب کے بغیر قانونی معاملات میں ایک قدم آگے نہیں بڑھتے تھے اور محمد احمد صاحب کی سعادت مندی کا ہر مجلس میں ذکر کرتے تھے۔

شیخ جمیل الرحمٰن چشمے والے:

دلی کے چند اہم اوقاف کے متولی تھے، بڑے خاموش تعمیری مزاج کے آدمی تھے، مولانا حفظ الرحمٰن نے جمعیۃ العلماء کے ست گھرے میں آباد مسلمانوں سے مکان خالی کرانے کا کام انھی کے سپرد کردیا تھا اور شیخ صاحب نے کاروباری انداز سے مکانات خالی کرادیئے تھے۔ لیکن جمعیت بلڈنگ کی تعمیر کا منصوبہ سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے مولانا کی زندگی میں آگے نہ بڑھ سکا۔ مولانا اسعد میاں کی نظامت کے دور میں حاجی محمد فاروق صاحب کے ہاتھوں یہ منصوبہ مکمل ہوا۔

حاجی محمد شفیع صاحب پرکارڈ واچ والے:

حاجی صاحب کا تعلق بیعت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ہے، دینی اداروں کا دشوار ترین انتظامی کام حاجی صاحب بڑے تحمل سے انجام دیتے رہے ہیں۔

مظاہر العلوم کی شوریٰ کے ممبر رہے، لیکن شیخ کے وصال کے بعد جو دھکا مجلسِ شوریٰ کے علما کے درمیان ہوئی اس سے پناہ مانگ کر مستعفی ہوگئے۔

مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ کی کمیٹی کے سرگرم ممبر رہے اور صبر و تحمل کا بے مثال نمونہ پیش کر کے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ گئے۔

مدرسہ حسین بخش کی کمیٹی کے بھی صدر رہے لیکن ارباب دین کی بدنظمی سے تنگ آ کر کنارہ کشی اختیار کر لی اور یہی صورت مدرسہ عبدالرب کی انتظامی کمیٹی سے عملاً پیچھے ہٹ جانے کی پیش آئی۔ اب حاجی صاحب بڑھاپے کے عوارض کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

شیخ محمد عمر لیس والے:

شیخ صاحب انجمن قوم پنجابیان کے سکریٹری رہے، خان بہادر حاجی محمد جان کلکتہ والے کے خویش تھے۔ مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کی قایم کردہ مجلس مشاورت کے خازن تھے اور مشاورت کے مہمانوں کی مدارات کا کام مفتی صاحبؒ انھی سے لیتے تھے۔

اب ان کے صاحب زادے ریاض عمر صاحب ان کے جانشین ہیں، صوفیانہ تجرد کی زندگی ہے اور دلّی کے مسلم تعلیمی اداروں کی خاموش خدمت میں لگے رہتے ہیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے احمد آباد کے اجلاس (اکتوبر ۱۹۹۵ء) میں ریاض عمر لیس والے کو مجلس عاملہ کا ممبر منتخب کیا ہے۔

حاجی محمد ابراہیم چاولہ:

چاولہ (حویلی حسام الدین حیدر) اور شیخ محمد عثمان ٹوپی والے، پنجابی برادری کے نہایت پختہ نیشنلسٹ مسلمان تھے، جن کے تعاون سے اس علاقے کی نیشنلسٹ سرگرمیوں کو بڑی تقویت ملی۔

شیخ حبیب الرحمٰن پھاٹک حبش خاں نے اس علاقے میں قیام امن کے لیے بڑے جی جان سے کوشش کی، حاجی محمد صدیق صاحب کراچی والے اور حکیم محمد شفیق

صاحب کے مالی اور اخلاقی تعاون نے بھی بڑا حق ادا کیا۔

حافظ رفیع الدین ڈیرے والے:

بڑے ولی صفت آدمی تھے، مسجد نواب قاسم جان میں ترجمہ کلام پاک کے جاری رکھنے میں ان کی خاموش جدو جہد کا بڑا دخل رہا۔

انھی کے صاحب زادے حافظ محمد الیاس ہیں جو اپنی خاندانی دکان میں بساط خانے کا کاروبار چلا رہے ہیں۔

حافظ محمد عثمان صاحب گھڑی والے:

اس برادری کے تاریخی آدمی تھے، اس قدر تعمیری مزاج تھا کہ مرحوم کی خدمات کو دیکھ کر ہر شخص کو عش عش کرنا پڑتا تھا۔

جمعیۃ العلماء کے اکابر، حافظ صاحب کو بڑی قدر و عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مرحوم کی دکان چاندنی چوک میں گھڑیوں کی تھی (اب بھی ہے) وہ ۱۹۴۷ء میں لوٹ لی گئی تھی۔ مرحوم نے بڑی استقامت کے ساتھ کسٹوڈین سے مقدمہ لڑا اور کامیابی حاصل کی۔

شیخ محمد شفیق پیتل والے:

ان کے والد مرحوم نے کشن گنج اور شیش محل میں محمد احمد جملانہ کے ساتھ مسلمانوں کی بڑی کی مدد کی۔ اب ان کے صاحب زادے محمد عیسیٰ شفیق صاحب سماجی اور رفاہی کاموں میں پوری دل چسپی سے کام لیتے ہیں۔

شیخ محمد یعقوب کُشتی والے:

مرحوم نے ہنگامی حالات میں بڑا کام کیا، جامع مسجد رویت ہلال کمیٹی کے

سکریٹری تھے۔ شیخ محمد نقی صاحب اسپیشل پولیس افسر تھے، ان کے ساتھ قومی سرگرمیوں میں شریک رہتے تھے۔

دینی ادارے، مدرسہ حسین بخش:

دلّی کے دینی اداروں میں سب سے پرانا دینی ادارہ مدرسہ حسین بخش جامع مسجد (کے علاقے) میں ہے۔ اس مدرسے کے بانی حاجی حسین بخش پنجابی تھے جو بہادر شاہ ظفر کے فیل خانے کے منیجر تھے اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کے خاص معتقدین میں سے تھے۔

مولانا شہید کی ہجرت برائے جہاد (بالاکوٹ) کے بعد جامع مسجد میں مولانا نوازش علی صاحب نے وعظ کہنا شروع کر دیا تھا، آپ مولانا کی تحریک اصلاح سے وابستہ تھے، جامع مسجد کے اندر جو تبرکات کا ایک کمرہ ہے اس کے مجاوروں نے جب مولانا نوازش علی کی زیادہ مخالفت کی تو حاجی حسین بخش صاحب نے جامع مسجد کے سامنے حویلی بختاور بیگم بازار مٹیا محل کی مسجد کو وسیع کر کے ایک بڑی مسجد تعمیر کرا دی اور اس کا نام دارالہدیٰ و لارشاد رکھا اور مولانا کو اس مسجد میں لے آئے۔

اسی مسجد میں بعد والوں نے ایک دینی مدرسہ بھی قایم کر دیا جو اب مدرسہ حسین بخش کے نام سے موسوم ہے۔

یہ مدرسہ، دارالعلوم دیو بند (۱۸۶۶ء) سے دس سال پہلے تعمیر ہوا۔ دلّی کی حد تک صرف یہی ایک برادری ایسی ہے جو راسخ العقیدگی پر قایم ہے اور بدعت پسندی سے محفوظ ہے اور اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس برادری کے اجداد شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک اصلاح سے وابستہ تھے۔

مولانا شہید نے کچھ دن آمین اور رفع یدین کی سنت بھی ادا کی تھی اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ آمین اور رفع یدین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ ہے۔ مسلمان اس سنت سے نفرت کرنے لگے ہیں اور آمین کہنے پر لوگوں کو اپنی

مسجدوں سے نکال دیتے ہیں، میں ان کی نفرت ختم کرنے کے لیے اس پر عمل کرتا ہوں۔

ہوسکتا ہے کہ دلی میں اس برادری کے اندر مسلک اہل حدیث کے پھیلنے کی یہی وجہ ہو۔ حالاں کہ مولانا نے یہ عمل چند روز ہی کیا اور پھر چھوڑ دیا۔

مدرسہ عبدالرب:

مدرسہ عبدالرب کشمیری گیٹ دلی کے مشہور واعظ مولانا عبدالرب ابن عبدالرزاق دہلویؒ نے قایم کیا اور اس میں بڑے بڑے اکابر نے درسِ حدیث دیا۔

اس مدرسہ کا اہتمام دلی کے مشہور صاحب روحانیت بزرگ حاجی محمد اسماعیل صاحب جاپان والےؒ کی بابرکت ذات سے متعلق تھا۔

حاجی صاحب کے بعد ان کے پوتے حاجی محمد ہارون جاپان والے اس کی سرپرستی کرتے ہیں، موصوف نے اپنے ساتھ تعاون کرنے کے لیے ایک انتظامی کمیٹی قایم کر رکھی ہے۔

حاجی صاحب کے ایک نواسے جناب محمد نسیم صاحب ایڈوکیٹ ہیں، یہ ایک دینی فہم وشعور رکھنے والے صاحب فیض نوجوان ہیں۔ اس ناچیز کے ساتھ موصوف کا بڑا ہمدردانہ تعلق ہے۔

جامع رحمانیہ:

یہ دینی مدرسہ مسلک اہل حدیث سے متعلق تھا، حاجی عبدالوہاب برف خانے والے اس کے مہتمم ومددگار تھے۔ اہل حدیث مسلک کے بڑے بڑے علما اس میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔

یہ مدرسہ ۱۹۴۷ء کی نذر ہوگیا، اب اس میں شفیق میموریل اسکول قایم ہے۔

حاجی عبدالوہاب کے بڑے لڑکے خان بہادر حبیب الرحمٰن تھے، جو دلی میونسپل کمیٹی

کے چیئر مین تھے۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد جوناگڑھیؒ کے تصنیفی کاموں میں حاجی صاحب کے تعاون کا بڑا دخل تھا۔ تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ مولانا مرحوم ہی نے کیا جو آج بھی اہل علم کو فایدہ پہنچا رہا ہے۔

پنجابی ہائی اسکول:

پنجابی ہائی اسکول کے نام سے ایک کامیاب تعلیمی ادارہ قطب روڈ پر قایم تھا، ۱۹۴۷ء کے بعد اس کی حیثیت بدل دی گئی۔ مدرسہ غربائے اہل حدیث، دریبہ پان صدر بازار، اس مدرسہ میں مولانا عبدالوہابؒ درس حدیث دیتے تھے جو دوسرے اہل حدیث علما سے زیادہ سخت مزاج تھے۔ اس کا انتظام بھی پنجابی برادری کے اہل حدیث چلاتے تھے۔ آج کل اس مدرسے کا انتظام اور کفالت جناب ڈاکٹر اظہر صاحب، پروفیسر نہرو یونی ورسٹی اور ان کے لواحقین سے متعلق ہے۔

ڈاکٹر اظہر صاحب ایک روشن خیال اہل حدیث دانش ور ہیں۔ مدرسہ میاں صاحب، پھاٹک حبش خاں، اس میں میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ پڑھاتے تھے جو شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ نبیرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے۔

اب یہ مدرسہ بڑی مسجد حوض والی پھاٹک حبش خاں میں قایم ہے ۱۹۴۷ء کے بعد اس کا انتظام حاجی محمد صدیق کراچی والے کرتے تھے، جو ترک وطن کر گئے۔

ندوۃ المصنفین:

ندوۃ المصنفین دہلی کے قیام میں بنیادی تعاون خان بہادر حاجی محمد جان کلکتہ والے کا تھا اور ان کے صاحب زادے شیخ فیروز الدین نے بھی ادارے کے قیام میں بڑی مدد کی، اور آخر وقت تک مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کلکتہ کے سفر کرتے رہے اور کلکتہ کے پنجابی تاجروں سے مالی تعاون حاصل کرتے رہے۔

یہ کہتے ہوئے افسوس ہے کہ یہ قومی ادارہ اہل ہاتھوں میں نہ آنے کی وجہ سے

بربادی کی نظر ہو گیا۔

انجمن قوم پنجابیان:

دوسری کمیونیٹوں اور برادریوں کی بھی انجمنیں قایم ہیں۔ لیکن اس برادری کی انجمن اور اس کے اوقاف وقبرستان جس نظم واعتماد کے ساتھ چل رہے ہیں وہ دلی کے عام مسلمانوں کو دعوتِ عبرت دیتے ہیں۔

یا پھر صدیقی برادری (جوتے والوں) کا وقف ہے، جس کا نظم وضبط دلی وقف بورڈ کے لیے نمونہ ہے۔

شادی بیاہ کی دعوتیں:

اصلاح رسوم کے سلسلے میں شیخ جمیل الرحمٰن صاحب مرحوم کی ایک بات یاد آ رہی ہے، ایک روز میں ترجمے کی مجلس (مسجد نواب قاسم جان) میں شادی بیاہ کی رسموں پر بول رہا تھا، شیخ صاحب مرحوم موجود تھے، ایک روز مجھے ملے تو فرمایا: آپ حضرات اصلاح رسوم پر زور دیتے ہیں، یہ ٹھیک ہے، لیکن ہم کاروباری لوگوں کی ایک بڑی مجبوری یہ ہے کہ ہم اپنے ہندو بیوپاریوں کے ہاں شادی بیاہ کی دعوتوں میں شریک ہوتے ہیں اور ہندوؤں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ قوم دو کاموں میں دل کھول کر رُپیہ خرچ کرتی ہے، ایک مکان پر، دوسرے شادی بیاہ پر۔ پھر ہم لوگ دولہا دلہن کے لیے رواج کے مطابق حسب حیثیت تحفے تحائف لے جاتے ہیں، اب اگر ہم اپنی تقریبات میں سادگی اختیار کریں تو غیر مسلموں پر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ ہماری کاروباری حیثیت کم زور ہو گئی ہے۔ وہ آنے والے ہماری تقریبات سے ہماری مالی حیثیت کا اندازہ لگاتے ہیں اور اس سبب سے ہمیں بھی عمدہ کھانوں کا اور زیبائش کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

خود میرے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ میرے بڑے لڑکے ڈاکٹر شریف

حسین قاسمی کا رشتہ دلّی کے مشہور ٹھیکے دار حاجی عبدالمجید صاحب (نظام الدین دلّی) کی صاحب زادی کے ساتھ ہوا اور جب میں نے بارات بٹھانے کے لیے مدرسہ حسین بخش (جس میں پڑھاتا تھا) کی تجویز رکھی تو حاجی صاحب نے یہی عذر کیا کہ مجھے اپنے کاروبار سے متعلق سرکاری افسران اور دلّی کے بڑے تاجروں کو دعوت دینی ہے۔ اس لیے میں اسی حساب سے بارات کے بٹھانے کا انتظام کروں گا۔

البتہ ولیمے کی دعوت کے لیے آپ کو اختیار ہے۔ (حاجی عبدالمجید صاحب اپنے خاندان کے غیر معمولی صاحبِ فہم وفراست بزرگ ہیں)۔ آپ چاہے جہاں کریں۔ میرے پاس ان کے اس عذر کا کیا جواب تھا؟ اب پنجابی برادری نے بارات کے کھانے کی نوعیت بدل دی ہے۔

شادی بیاہ کی رسموں کی شرعی حیثیت:

یہ مسئلہ بھی واضح رہے کہ جن سماجی رسموں میں عبادت وتعبد کا تصور نہیں ہوتا ان پر بدعت کا اطلاق درست نہیں۔ ہاں، جن موت کی رسموں میں عبادت اور ثواب کی نیت پیدا ہو جاتی ہے، شرعاً وہ بدعت ہیں۔

شادی بیاہ اور خوشی کی مقامی اور قومی رسموں میں اگر اسراف پیدا ہو جائے تو البتہ یہ بات قابل مذمت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی فطرت سے آگاہ تھے اور دینِ فطرت لے کر آئے تھے، شادی بیاہ کے موقعوں پر کسی نہ کسی انداز سے دنیا کی تمام قوموں کے اندر اظہار خوشی کی رسمیں موجود رہی ہیں۔ کیوں کہ یہ فطرت انسانی ہے کہ زندگی کی اہم ترین اجتماعی خوشی میں مسرت وشادمانی کا عملی مظاہرہ کیا جائے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک انصاری لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ رخصت کیا جا رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا:

مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوَ.

(مشکوٰۃ، کتاب النکاح، ص ۲۷۱، بحوالہ بخاری)

''تمہارے ساتھ کچھ کھیل کود کا انتظام بھی ہوتا ہے؟ کیوں کہ انصار (مدینہ والے) شادی بیاہ کے موقع پر کھیل کود کو پسند کرتے ہیں۔''

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری لڑکی کا نکاح کرایا، آپ جب اسے رخصت کرنے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عائشہ! کیا تم نے اس لڑکی کے ساتھ گانے والی باندیاں کی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا:

اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِیْهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ یَّقُوْلُ اَتَیْنَاکُمْ، اَتَیْنَاکُمْ، فَحَیَّانَا فَحَیَّاکُمْ.

(مشکوٰۃ۔ ص ۲۷۲، بحوالہ ابن حبان فی صحیحہ)

''انصار مدینہ گانے کو پسند کرتے ہیں، اگر تم اس دلہن کے ساتھ گیت گانے والے کو بھیجتیں تو اچھا ہوتا اور وہ یہ گیت گاتا، ہم تمہارے پاس آئے ہیں، پس ہم بھی خوش و خرم رہیں اور تم بھی خوش و خرم رہو۔''

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گیت کا ایک بول بھی بتایا جو اس وقت گایا جاتا ہوگا۔ اسے اردو والے لوگ گیت بھی کہتے ہیں۔

ایک روایت میں حضرت عامر ابن سعیدؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت قرظہ ابن کعبؓ اور مسعود انصاریؓ سے ایک شادی کے موقع پر ملنے گیا تو یہ دیکھا کہ چند باندیاں گا رہی ہیں۔

میں نے کہا آپ دونوں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور غزدۂ بدر میں شرکت کی سعادت تمہیں حاصل ہے پھر تمہارے ہاں یہ کیا ہو رہا ہے؟

انھوں نے جواب دیا کہ اگر تم بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ ورنہ چلے جاؤ۔

فَاِنَّهٗ قَدْ رَخَّصَ لَنَا فِی اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ.

(مشکوٰۃ۔ ص ۲۷۳، بحوالہ نسائی)

''ہمیں تو شادی بیاہ کے موقع پر اس کی رخصت دی گئی ہے۔''

بہ ہر حال وہ گانا بجانا جس میں نیم عریاں جسم عورتیں ڈانس کرتی نظر آتی ہیں اور ان کے ساتھ خوب صورت ایکٹر بھی رقص کرتے ہیں اور اس طرح بے حیائی اور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اسلام میں کسی طرح جائز نہیں۔

باب (۷)

دلّی کی انصاری برادری

انصاری لفظ کیا ہے؟:

حضرات صحابہؓ میں اہلِ مدینہ انصار اور انصاری کی صفت سے مشہور ہیں، یہ لفظ مددگار کے معنی میں ہے اور اہلِ مکہ جو مہاجر کہلاتے تھے ان کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو انصار اور انصاری کہا جاتا تھا۔

اہلِ مکۂ معظّمہ صحابہؓ اپنے اپنے قبیلوں کی طرف منسوب تھے، کوئی قریشی، کوئی ہاشمی، کوئی عدوی اور کوئی اموی تھا۔ اہلِ مکہ نے اپنے ناموں کے ساتھ مہاجر کے لفظ کا اضافہ نہیں کیا۔

اہل مدینہ کے دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج..... کتابوں میں اوسی، خزرجی اور مدنی کے القاب بھی ملتے ہیں۔ لیکن کثرت سے انصاری کا لفظ ملتا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ، (حضرت) ابوزید انصاریؓ وغیرہ اور خواتین میں (حضرت) امّ علاء انصاریہؓ (حضرت) امّ شریک انصاریہ وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ اور یہ ان حضرات کے کسی پیشے کی نسبت نہیں تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر جو چند مقفّٰی فقرے (شعر نہیں) استعمال کیے ان میں سے ایک فقرہ (مصرعہ نہیں) یہ تھا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃْ.

''الٰہی! انصار اور مہاجرین پر اپنا کرم فرما۔''

اہل مکہ صحابیوں نے جو تارک وطن تھے اپنے ساتھ مہاجر کا وصف (لاحقہ) لگانا پسند نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہجرت اور ترک وطن ایک شرعی ضرورت

اور مجبوری کے تحت مقدس عمل ضرور بن جاتا ہے لیکن اس عمل میں پسپائی اور ہزیمت کا تصور شامل ہے اور ہزیمت کا تصور ہر وقت مسلمان کے ساتھ رہے، اسے صحابہ کرامؓ نے مناسب نہیں سمجھا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی یہ ہے:

لَوْلَا الْهِجْرَةَ اَنَا امْرأمِنَ الْاَنْصَارِ. (مشکوٰۃ ۵۷۶)

ترک وطن اور ہجرت اگر ایک شرعی ضرورت کے تحت پیش نہ آتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا، یعنی اصلی کمال یہ ہے کہ دین حق کی مدد کی جائے۔ جس طرح بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

ہندوستان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد کا سلسلہ ان کے لڑکے ابومنصور انصاریؓ سے پھیلا:

ابومنصورؓ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں ہرات (افغانستان) تشریف لائے، ان کی نسل کے ایک عالم شیخ علاء الدینؒ قطب عالم لودھی حکومت کے دور میں افغانستان سے ہندوستان آئے اور میرٹھ کے قصبے برناوا میں قیام کیا۔ ان کی اولاد میں سے ملا نظام الدینؒ لکھنؤ آئے اور انھوں نے فرنگیوں کے ایک بوسیدہ محل میں قیام کیا۔ یہ واقعہ ۱۶۹۴ء کا ہے۔

ملا نظام الدینؒ سے علمائے فرنگی کا سلسلہ نسب ملتا ہے۔ ملا نظام الدینؒ ہی کا ترتیب دیا ہوا عربی نصاب درس نظامی کہلاتا ہے۔

پروفیسر ولی الحق صاحب انصاری (لکھنؤ) کے تعارف میں یہ تفصیل درج ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوایوبؓ مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور انصاری ان کا لقب تھا، جو مکہ سے آنے والے مہاجرین کے مقابلے میں انصاری بہ معنی مددگار کے میں بولا جاتا تھا، حضرت ابوایوبؓ چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

پہلے میزبان تھے اس لیے انصاری کا لقب آپ کے ساتھ خاص طور پر لگایا گیا۔

ہندوستان میں ایک خاص حرفت پیشہ برادری نے ایک لفظی شناخت کے لیے انصاری کا لفظ اختیار کرلیا۔ ان میں سے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (حضرت) ابو ایوب انصاریؓ بھی ہمارے ہم پیشہ تھے۔ اس لیے ہماری برادری ان کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔

ایک زمانے میں دلی کی بہشتی برادری نے اپنے لیے عباسی کا لفظ اختیار کرنے کی تحریک چلائی۔ کیوں کہ کربلا کے میدان میں حضرت عباسؓ نے اہل بیت کو فرات کا پانی لاکر پلایا تھا۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو مفتی صاحبؒ نے عباسی کی نسبت اختیار کرنے کو ناجائز قرار دیا۔ اور یہ وجہ لکھی کہ اس لفظ سے نسب و خاندان کی نسبت کا شبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ نسب میں التباس ہے جو ناجائز ہے۔

یہی حکم ان لوگوں کا ہے جو تحقیق کے بغیر محض برکت حاصل کرنے یا ایک تاریخی نسبت کا شرف حاصل کرنے کی غرض سے حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اور فاروقی، صدیقی، عثمانی، سلمانی لکھتے ہیں۔

سیفی برادری۔ مولانا محمد عثمان فارقلیطؒ:

اندرا گاندھی کے دور میں جب برادری ازم پھیلا تو لوہے اور لکڑی کے کاروبار سے تعلق رکھنے والے طبقوں نے اپنی ایک علاحدہ تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا۔ ان لوگوں کو یہ شکایت تھی کہ کم زور مسلم طبقوں کی نمائندگی کے نام پر انصار مومن برادری ساری رعایتیں حاصل کرلیتی ہے اور ان رعایتوں سے بُن کروں کے علاوہ آہن گروں اور بڑھئی کا کام کرنے والوں کو کوئی فایدہ نہیں پہنچتا۔

ان طبقوں کی ایک بڑی کانفرنس مرادآباد میں ہوئی جس میں میری بھی شرکت ہوئی۔ بھائی نور احمد قینچی والے (گلی قاسم جان) مجھے ساتھ لے گئے تھے۔

اس وقت یہ معلوم ہوا تھا کہ اس تنظیم کا نام مولانا محمد عثمان صاحبؒ فارقلیط ایڈیٹر الجمعیۃ اخبار نے سیفی تجویز کیا ہے۔ چناں چہ وہی نام رکھ دیا گیا۔

مولانا فارقلیطؒ ایک صاحب علم بزرگ تھے۔ انھوں نے التباس سے بچنے کے لیے ایک ایسا لفظ رکھا، جو کسی صحابی کا نام نہیں ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا لقب سیف اللہ ہے۔ ورنہ کوئی صحابی سیف اللہ، سیف الرحمٰن کے نام کے نہیں تھے۔ صلاح الدین مرحوم سیفی تھے۔ سیف کے معنی تلوار کے ہیں، لوہے کی نسبت سے یہ برادری سیفی کہلانے لگی۔ سہارن پور کے لوہار جو کہ کڑھائیاں بناتے ہیں، وہ اپنے آپ کو داؤدی کہتے ہیں۔ یہ نسبت التباس پیدا کرتی ہے۔

دلّی کے خیرادیئے لوہار اپنے آپ کو مرزا یا مغل لکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان کے اجداد پنجاب سے آئے تھے۔ ہم ان سیفیوں سے بڑے درجے کی چیز ہیں۔

انصاری برادری کی خدمات:

انصاری برادری ہندوستان کی وہ واحد برادری ہے جس نے تحریک آزادی میں اتحاد پسندوں کا ساتھ دیا اور تحریک پاکستان کی سخت مخالفت کی۔ یہی ایک برادری تنظیم قدیمی ہے۔

مارواڑی برادری – حافظ عبدالعزیز (انصاری):

حافظ عبدالعزیز (سرائے خلیل) اپنے نام کے ساتھ انصاری لکھتے تھے۔ حالاں کہ ان کا تعلق دلّی کی اس برادری سے تھا جو مارواڑی برادری کہلاتی ہے۔ اسی برادری کے ایک مشہور صنعت کار محمد اسماعیل قریشی (عرف بھائی جان) تھے جو محلّہ نیا ریان میں رہتے تھے، اور وہ قریشی کی نسبت رکھتے تھے۔

حافظ صاحب سرائے خلیل صدر بازار کی مشہور دینی اور قومی شخصیت تھی۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے سبب وہ ملک گیر شہرت کے مالک تھے۔

ان کے بڑے بھائی حاجی عبدالرحیم انصاری کا تعلق مجلس احرار اسلام کے ساتھ تھا اور بہت خصوصی تھا۔ احرار کے جلسوں کا انتظام اور اپنے یہاں احراری رہنماؤں کی مہمان داری میں بڑی دل چسپی لیتے تھے۔

حافظ عبدالعزیز کا تعلق جس برادری سے تھا، اسے مارواڑی برادری کہا جاتا ہے اور یہ راجستھان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ برادری انصاری برادری سے الگ اپنی پہچان رکھتی ہے۔ لیکن نہ جانے حافظ صاحب اپنے نام کے ساتھ انصاری کی نسبت کیوں لگاتے تھے۔ جب کہ اسی برادری کے ایک بڑے صنعت کار حاجی محمد اسماعیل (عرف بھائی جان محلّہ نیاریان) اپنے نام کے ساتھ قریشی لکھتے تھے۔ اور ان کی اولاد بھی قریشی لکھتی ہے۔

قریشی صاحب کا جمعیت علما کے اکابر سے اور جمعیت کے نظام سے خاص تعلق تھا اور ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ خیز حالات میں مرحوم نے مسلمانوں کی خدمت میں بڑے خلوص سے حصہ لیا تھا۔

لال کنواں کے جمعیتی کارکن عنایت الرحمٰن فاروقی (کوچہ پنڈت) مرزا محمد عثمان آزاد (جو الحمدللہ ابھی بھی حیات ہیں) اور یہ ناچیز دینی اور ملی ضروریات میں ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔

حافظ عبدالعزیز صاحب کا کانگریس کے اس گروپ کے ساتھ خاص تعلق تھا جس کی قیادت مسز سبھدرا جوشی کرتی تھیں۔

حافظ صاحب نے دو مرتبہ کانگریس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا، ایک دفعہ اپنے علاقے صدر بازار بستی جولاہان سے اور ایک دفعہ علاقہ فراش خانہ کوچہ پنڈت سے، اور دونوں دفعہ بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔

دلّی جمعیت علما میں نائب صدر کے عہدہ پر فائز تھے۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ ملک اور بیرون ملک کے دوروں میں شرکت کرتے تھے اور جماعت کے ساتھ قلبی لگاؤ کا یہ حال تھا کہ اپنے مہرولی (چھترپور) والے فارم

سے جو دیسی گیہوں پیدا ہوتے تھے وہ تمام نظام الدین کے مرکز میں بھیج دیتے تھے، اوران کے بچے شکایت کرتے تھے کہ ابا جی ہمیں راشن کا آٹا کھلاتے ہیں۔

اس محلے کے کارکنوں میں حافظ علی محمد عرف علو جمیل تاباں (مشہور شاعر) بھیا عبدالسلام نے خدمت خلق کے کاموں میں نمایاں حصہ لیا۔

سرائے خلیل کی آبادی کو ڈی ڈی اے والوں نے جب اندرلوک منتقل کیا تو اس محلے کے باہر والے حصے میں حافظ صاحب کا مکان اور چند برادری کے مکان یہاں رہ گئے، اور تنہائی کا ان پر بڑا اثر پڑا، اور مرحوم ان لوگوں سے بے تعلق ہو گئے۔ چناں چہ اندرلوک کی جامع مسجد کی تعمیر اور اس کی جدید دکانوں کی آبادکاری کے معاملے میں جب بھیا عبدالسلام اور برادری کے نوجوانوں کے درمیان پھوٹ پڑی تو حافظ صاحب نے پوری کوشش کی ....مگر مرحوم صلح صفائی کرانے میں ناکام ہو گئے۔ جامع مسجد کی تعمیر میں عرب شیوخ کا مالی تعاون بھیا عبدالسلام ہی کے ذریعے حاصل ہوا۔

پرانے کانگریس مین اور سبھدرا جوشی کے مشہور ساتھی مسٹر عزیز صاحب بھی حافظ صاحب کے خاص رفیق کار رہے۔

عزیز صاحب کا آخری دور جمعیت علماے صوبہ دلی کے دفتر، گلی قاسم جان کی مجلس میں گزرا۔ قریب ہی ان کی رہائش واقع ہے۔

عزیز صاحب بڑے ذہین اور سنجیدہ آدمی تھے۔ خوب صورت شیروانی پہن کر بہت خوب صورت لگتے تھے۔ ان کے ایک داماد مولانا غفران احمد صاحب ہیں، جو دلی کے مشہور صحافی ہیں، فاضل اسلامیات ہیں، مولانا قاضی سجاد حسینؒ (جو ان کے استاد تھے) کے ساتھ ایک لائق شاگرد کی طرح عقیدت رکھتے ہیں۔

حافظ اللہ بخش ٹرنک والے:

پرانی عیدگاہ سرائے خلیل میں ایک حافظ اللہ بخش ٹرنک والے تھے۔ حافظ صاحب اور ان کی والدہ دونوں مولانا احمد سعید صاحبؒ سے خاص تعلق رکھتے تھے اور

مولانا کے کاموں میں بڑا مالی تعاون کرتے تھے، یہ بھی مارواڑی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

حافظ صاحب کے بعض رشتے دار سعودیہ عربیہ چلے گئے تھے اور ٹرنک سازی کی فیکٹری چلاتے تھے۔ اس خاندان کا تعلق بیعت مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندی مہاجر مدنیؒ سے تھا۔ میں نے حج بیت اللہ (۱۹۶۱ء) کے موقع پر مولانا مرحوم سے اسی خاندان کے مکان پر ملاقات کی تھی۔ مولانا صاحب حج کرنے کے لیے مدینۂ منورہ سے آکر انھی کی رہائش گاہ (مکۂ مکرمہ) میں قیام کرتے تھے۔

یہ لوگ اب مکہ مکرمہ سے دلّی واپس آگئے ہیں۔

جمیل تاباں مرحوم:

سرائے خلیل کی مشہور ہستیوں میں مرحوم جمیل تاباں کی شخصیت بھی بہت نمایاں رہی ہے، تاباں ایک اچھے شاعر تھے اور سرگرم قومی کارکن تھے۔ بہ حیثیت ایک سرگرم کارکن کے حافظ عبدالعزیز مرحوم کی قومی سرگرمیوں میں شریک رہے۔

اردو کے مشہور شاعر وفا صاحب (مالک تیج) کے ساتھ مشاعروں میں اکثر دیکھا جاتا تھا، عمر زیادہ نہیں تھی، غربت میں زندگی گزاری۔ بیماریوں نے گھیر کر خدا کے پاس پہنچادیا۔

شیخ بدرالدین انصاری:

کشمیری گیٹ کے علاقے میں شیخ بدرالدین انصاری ایک تعمیراتی مزاج جمعیتی اور کانگریسی کارکن تھے، سرکاری ملازم تھے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں اس علاقے کی حفاظت کرنے میں ان کا بڑا رول تھا۔ ان کے ایک بھائی صدرالدین انصاری تھے جو جمعیت علمائے ہند میں کام کرتے تھے اور ایک بھائی نجم الدین انصاری ہیں جو حیات ہیں۔

یہ صاحبان اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں۔اس علاقے میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ قومی نسواں، مرحوم بدرالدین کی یادگار ہے۔

اسی علاقے میں مولانا رفیق رحمانیؒ تھے، جمعیت اور کانگریس کے سرگرم کارکن تھے، کئی سورکشائیں ان کی چلتی تھیں۔جواب بھی چلتی ہیں، ان کے بارے میں اچھی اور بری دونوں قسم کی افواہیں ملتی ہیں۔جناب محمد نظام صاحب ہوٹل والے بھی اسی دور کی یادگار ہیں اور نہایت مخلص اور شریف آدمی ہیں۔علاقے میں سماجی اور دینی کاموں میں آگے آگے رہتے ہیں۔

محفوظ الرحمٰن انصاری:

محفوظ الرحمٰن صاحب بکس والے باغیچی اچھے جی باڑہ ہندوراؤ بھی سماجی کاموں میں بڑا حصہ لیتے تھے۔دورابتلا میں ان کا کارخانہ بھی ہم لوگوں کی پناہ گاہ بنتا تھا۔

باڑہ ہندوراؤ کی مشہور شخصیت داداالطاف الرحمٰن مرحوم کے شانہ بشانہ کام کرنے والوں میں سے تھے۔ دادا الطاف الرحمٰن کا تعلق سبھدراجوشی گروپ سے تھا اور سبھدراجوشی کی سام پرد انگتا اور ودھی کمیٹی کے بڑے مددگار ورکر تھے۔

باڑہ ہندوراؤ میں ایک پرجوش قومی کارکن حاجی علاءالدین تھے۔

حاجی فیاض الدین شاستری:

لال دروازہ (لال کنواں) کے انصاری حضرات دینی اور سیاسی خیالات اور قومی سرگرمیوں میں بہت نمایاں تھے۔یہ برادری سکندرآباد یوپی سے اپنا تعلق قایم کرتی ہے۔

لال دروازے کے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ گھڑی ساز، حاجی فیاض الدین (جوابھی حیات ہیں) اوران کا لقب شاستری ہے، ماضی میں بہت سرگرم رہے ہیں، کانگریس کے عہدوں کا انھیں بہت شوق تھا۔

چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھی انھیں شاستری کہتے تھے۔ حافظ عبدالعزیز صاحب ان کے بھولے پن سے بہت فایدہ اٹھاتے تھے اور ان سے مذاق کرتے تھے۔

حاجی عبدالخالق صاحب انصاری:

موجودہ دور میں دلی کے اندر ہمارے پڑوسی حاجی عبدالخالق صاحب انصاری دین داری، ملنساری اور کار خیر میں حصہ لینے کے لحاظ سے پچھلوں کی یادگار ہیں۔ محلہ رودگران میں حاجی صاحب کی رہایش ہے۔

ڈڈوانہ راجستھان:

۱۹۴۷ء سے پہلے مسٹر محمد اسماعیل صاحب مرحوم کے ساتھ ایک مذہبی جلسے میں شرکت کے لیے میں قصبے ڈڈوانہ گیا تھا، اُس وقت مرحوم نے یہ بتایا تھا کہ ہمارے بڑے بوڑھے اسی قصبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر نہ جانے مرحوم قریشی کی نسبت کیوں لکھتے تھے؟

تاریخ قریش کے مصنف نے تو ہندوستان کے ہر اس آدمی کو جو اپنے نام کے ساتھ قریشی لکھتا ہے اسے اپنی قصاب برادری میں شامل کرلیا ہے۔ اس کتاب پر علاحدہ تبصرہ کیا گیا ہے۔

باب(۸)

بندھانی برادری اور حضرت شاہ جیؒ

قرول باغ اور پہاڑ گنج میں بندھانی برادری کے لوگ آبادی تھے۔ یہ لوگ پتھر اور عمارتی سازوسامان ڈھویا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا تعلق میوات کے علاقے سے تھا۔

پہاڑ گنج کی آبادی غدر ۱۸۵۷ء کے اجڑے ہوئے مسلمانوں کی آبادی سے شروع ہوئی۔ پرانے شہر میں بربادی کے خوف سے جو لوگ اپنی جانیں بچانے کی فکر میں نکلے وہ اسی پہاڑی علاقے میں جھونپڑیاں ڈال کر بس گئے۔ پھر آہستہ آہستہ دہلی کی یہ پہلی کالونی شہر کا حصہ بن گیا۔

پرانے شہر سے لاہوری برادری کے چاندی والے گئے۔ شاہی سرمے والے گئے اور آنکھوں کے معالج خاندان کے کچھ افراد تھے، باہر سے میوات کے محنت کش آئے اور راجستھان کے سنگ تراش آئے اور یہ دونوں آخری طبقے نئی دہلی کی جدید سرکاری عمارتوں، وائسرائے ہاؤس اور کونسل چیمبر ہاؤس یعنی موجودہ پارلیمنٹ ہاؤس کی تعمیر کے وقت زیادہ تعداد میں یہاں آ کر بس گئے۔

اب آپ غور کیجیے کہ تاریخ نے کس طرح اپنے آپ کو دوہرایا کہ جو مسلمان پرانے شہر دلی کی بربادی (غدر ۱۸۵۷ء) سے جان بچا کر پہاڑ گنج گئے۔ وہ ۱۹۴۷ء کی بربادی کی زد میں آ کر پہاڑ گنج سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

غدر نامہ میں ۱۸۵۷ء کی بربادی کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے

ہمارا سینہ و دل چاک ہوگیا افسوس!
یہ کیسا لاکھ کا گھر خاک ہوگیا افسوس!

وہ دیکھو پیرہن آلود خاک پھرتے ہیں
کہاں وہ جیب گریباں چاک پھرتے ہیں
پکڑ کے زلف کیا قتل ان کو ننگے سر
صبا کے چھونے سے ہوتے تھے جو پریشاں تر

کیا یہی نقشہ ۱۹۴۷ء کے غدر میں قایم نہیں ہوا؟

دہلی میں سب سے پہلے پہاڑ گنج کے علاقے میں ۱۹۴۷ء کی گڑبڑ ہوئی، چوں کہ میوات کے بعض علاقوں میں جھگڑے ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی شروع ہو گئے تھے، اس لیے میوات کے کچھ لوگ پکڑ دھکڑ سے بچنے کے لیے پہاڑ گنج میں اپنے رشتے داروں کے پاس آ کر ٹھہر گئے تھے۔

جھگڑے کے آغاز میں بندھانیوں نے پوری قوت سے دفاع کیا اور یہ لوگ جھنڈے والان تک پہنچ گئے، جس کی وجہ سے یہ گھیرے میں آ گئے اور اس برادری کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔

پہاڑ گنج میں ایک برادری سنگ تراشان (پتھر پھوڑے) کی بھی آباد تھی، ان لوگوں کا آبائی تعلق راجستھان سے تھا۔ ۱۹۴۷ء کی بربادی میں یہ دونوں برادریاں مکمل طور پر تباہ ہو کر پاکستان چلی گئیں۔

لاہوری برادری کے چاندی والے بھی پہاڑ گنج میں آباد تھے۔ ان لوگوں کا مالی نقصان زیادہ ہوا اور یہ لوگ پرانی دلی آ کر آباد ہو گئے اور کچھ پاکستان چلے گئے۔

پہاڑ گنج کے فسادات کے وقت دلی کے چیف کمشنر خورشید احمد خاں تھے۔ خاں صاحب جب جھنڈے والان کے حادثے پر پہنچے تو بڑی مشکل سے فسادیوں سے اپنی جان بچا کر واپس آئے۔

رندھاوا صاحب اس وقت دلی کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ان کا خاندان شیخوپورہ پنجاب سے اکھڑ کر جب دلی آیا تو ان کی کوٹھی کے لان میں ان کا قیام ہوا۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ نے ان کی کوٹھی پر جب یہ ہنگامہ دیکھا تو واپس آ کر فرمایا۔

اب مجھے دلّی کی خیر نظر نہیں آتی۔ رندھاوا کا موڈ خراب ہو گیا ہے، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

یہ دونوں برادریاں مجلس احرار ہند کی رضا کار تنظیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ بربادی کے دنوں میں مجلس احرار دلّی کے صدر چودھری عبدالستار مرحوم نے اپنے رضا کاروں کے ساتھ علاقے کے مسلمانوں کی بڑی خدمت کی۔

کانگریس کی طرف سے چودھری صاحب کو اغواہ شدہ لڑکیوں کی بازیابی اور مساجد و عبادت گاہوں کے تحفظ کے کاموں پر لگا دیا گیا تھا جو انھوں نے بڑی جاں فشانی سے انجام دیا۔

گاندھی جی کے مشہور چیلے پنڈت سندر لال اس جدوجہد میں مستقل طور پر شریک رہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے اپنے پرسنل سیکریٹری مولانا سید انیس الحسن صاحب کو بھی اس کام کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ ارتداد میں پھنسے ہوئے مسلمانوں (نجف گڑھ وغیرہ) کے مولا جاٹوں کی چوٹیاں پنڈت جی نے اپنے ہاتھوں سے کاٹیں اور انھیں ان کے مذہب (اسلام) میں پوری بے خوفی کے ساتھ نماز، روزہ ادا کرنے کی تاکید کی۔

مجلس احرار کے امدادی کاموں میں ایک رضا کار کی حیثیت سے کشمیر کے مرحوم وزیر اعظم بخشی غلام محمد صاحب بھی شریک رہتے تھے۔ اس وقت بخشی صاحب ایک معمولی آدمی تھے اور آزادی کی تحریکوں میں انھیں دیکھا جا سکتا تھا۔

چودھری عبدالستار صاحب بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، انتھک محنتی تھے، کئی دفعہ جامع مسجد کے علاقے میں میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مجلس احرار ان ہی کے دم سے قایم رہی۔

موتیاں کھان کا کھتہ:

بندھانی برادری پہاڑ گنج سے اکھڑ کر قریب کے ایک میدان (موتیا کھان) میں

آ کر پڑی اور یہ میدان اس وقت دلی کا ایک کھتہ تھا، جہاں کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا تھا۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ جب صبح کو موتیا کھان پہنچے تو اس برادری کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو نہایت برے حال میں پایا۔ واپس آ کر مولانا نے کھانے پینے کے سامان کا ایک ٹرک بھر کر محمد احمد ایڈوکیٹ (احاطہ کالے صاحب) اور اس ناچیز کے سپرد کیا کہ یہ سامان وہاں پہنچا دو۔

ہم لوگ جب ٹرک لے کر وہاں پہنچے تو اس برادری کے چودھری حافظ عبدالعزیز مرحوم ہمیں دیکھتے ہی چیختے چلاتے ہمارے قریب آئے اور پکار پکار کر یہ کہنے لگے: یہ سامان واپس لے جاؤ، مسٹر آصف علی کو یہاں لا کر ہماری حالت دکھاؤ کہ ہمیں آزادی کی جدوجہد میں کانگریس کا ساتھ دینے کا کیا اچھا معاوضہ ملا ہے؟

میں ٹھیکیدار صاحب کی اس حالت کو نہ دیکھ سکا اور مجھ پر زبردست رقت طاری ہوگئی، کیوں کہ میری آنکھوں نے حافظ عبدالعزیزؒ صاحب کو کانگریس، جمعیت علما اور مجلس احرار کی ہر تحریک میں سرگرم حصہ لیتے ہوئے اور ہر طرح کا تعاون کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

اس برادری کا ایک ایک بچہ ننگے سر اور ننگے پاؤں پرانے قلعہ میں جا کر پڑا اور اسی طرح تباہ حال اپنی جانیں بچا کر پاکستان پہنچا، اس برادری کے زیادہ لوگ سندھ میں آباد ہیں۔

ایک غیرت مند نوجوان اسلام الدین اپنی برادری سے کٹ کر جمعیت علمائے ہند کے دفتر میں آ پڑا تھا۔ وہ اس کے لیے تیار نہ ہوا کہ پاکستان کی مخالفت میں اس نے جن لوگوں سے دشمنی مول لی تھی ان کے سامنے پڑے۔

اسلام الدین عرصے تک جمعیت علمائے ہند کے امدادی پروگرام میں اسپیشل پولیس افسر کے طور پر کام کرتے رہے اور عرصے کے بعد اپنے بال بچوں کی پریشانیاں سن کر سندھ چلے گئے۔

حضرت سید حسن رسول نُماؒ:

پہاڑ گنج کے قریب پنچ کوئیاں روڈ پر عہدِ عالم گیری کے ایک عظیم بزرگ حضرت سید حسن رسول نُماؒ کا مزار ہے۔ اس مزار پر عرس کے موقع پر دلّی کے تمام زنانے اور ہیجڑے بھی جمع ہوتے تھے اور اس کے بارے میں یہ حکایت مشہور تھی کہ ایک روز دلّی کے زنانوں نے سید حسن صاحبؒ کے ساتھ دل لگی کرنے کا پروگرام بنایا اور ایک مسہری پر زندہ ہیجڑے کو لٹا کر مردے کی طرح ان کے پاس لے گئے، اور کہا کہ اس کی نماز پڑھا دو۔

سید صاحب نے کہا کہ مردے کی نماز پڑھاؤں یا زندہ کی۔ زنانوں نے کہا کہ مردے کی، سید صاحب نے اس پر جنازے کی نماز پڑھا دی۔ زنانوں نے مسہری کے اوپر سے کپڑا اٹھایا تو یہ دیکھا کہ وہ زنانہ واقعی مردہ پڑا تھا۔

اس کرامت کی وجہ سے زنانے ہر عرس میں شریک ہوتے تھے۔ اب وہ صورت نہیں رہی۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ:

ایک دفعہ پہاڑ گنج میں مجلس احرار کی کانفرنس تھی۔ تقسیم سے پہلے کی بات ہے۔ مجلس احرار کے رہنما محلّہ سنگتراشاں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی تھے۔

حافظ عبدالعزیز نے کہا کہ شاہ جی! ہمارے قریب اتنے بڑے بزرگ کا مزار ہے اور ان کے عرس میں زنانے جمع ہوتے ہیں اور بڑی بے ہودگی ہوتی ہے۔ علاقے کے لڑکے بالے ان سے چھیڑ خانیاں کرتے ہیں، آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم احرار کے رضا کاروں کے ذریعے اس بدعت کو ختم کرا دیں اور زنانوں کو عرس میں نہ آنے دیں۔

شاہ جی کو رات کی تقریر کا ایک دل چسپ موضوع مل گیا، بولے اچھا، ٹھیکے دار تم مجھے رات کی تقریر سے پہلے اشارہ کر کے یاد دلا دینا۔

رات کو عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر ہوئی، شہر کے تمام جھگڑالو مسلم لیگی جلسے کو خراب کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ شاہ جی کو بتا دیا گیا، شاہ جی نے تقریر شروع کی اور یہاں سے شروع کی کہ

''ہمارے ٹھیکے دار صاحب نے دہلی کے مشہور بزرگ کے مزار پر عرس کے موقع پر دلّی کے مردانوں کے ساتھ دلّی کے زنانوں کے جمع ہونے کی شکایت کی ہے، پہلے میں ٹھیکے دار صاحب سے نمٹ لوں، پھر دوسری باتیں کروں گا۔

ٹھیکے دار صاحب! دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں، جنسِ ثقیل (مرد) جنس لطیف (عورتیں) اور جنسِ کثیف (زنانے ہیجڑے) اس جنس کثیف سے عالم گیر بادشاہ بھی بہت تنگ تھا۔ اس نے ایک دفعہ حکم دیا کہ دلّی سے تمام زنانوں کو نکال دیا جائے۔ ہو سکتا ہے عالم گیر کو یہ اطلاع ملی ہو کہ دلّی کے زنانے سید صاحب کو پریشان کرتے ہیں۔ صبح کو جب عالم گیر قلعے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ شہر کے تمام زنانے قطار باندھے ایک دوسرے کے پیچھے ننگی بنے ہوئے کھڑے ہیں۔ عالم گیر نے آدمی بھیجا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ زنانوں نے جواب دیا: حضور بادشاہ سلامت کا حکم یہ ہے کہ دلّی سے نکل جاؤ، ہم کہاں جائیں؟ سارے ملک میں بادشاہ سلامت کی حکومت ہے، اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ جہاں سے نکلے ہیں، وہیں داخل ہو جائیں۔ عالم گیر کو ہنسی آ گئی اور زنانوں کو وہاں سے بھگا دیا گیا۔

یہ ٹھیکے دار کہتے ہیں کہ ان زنانوں کو درگاہ پر آنے سے روکا جائے، میں ان سے کہتا ہوں کہ یہ تو کھلے زنانے ہیں اور یہ ہمارے وہ نوجوان جو زنانوں کی صورتیں بنا کر اور زنانے بال بنا کر زنانے کپڑے پہن کر بازاروں میں نکلتے ہیں ان کا کیا علاج سوچا ہے؟

جن کو خدا نے جنسِ ثقیل بنایا ہو، داڑھی مونچھیں دی ہوں، چوڑا چکلا سینا دیا

ہو، بھاری بھرکم کڑاکے دار آواز دی ہو۔"

یہ کہتے ہوئے شاہ جی نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیا۔ پھر داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ پھر کندھے پر احرار کی نشانی کلہاڑی رکھی اور اپنا چوڑا چکلہ سینہ ابھارا اور فرمایا:

"یہ جنس ثقیل اگر جنس کثیف بننے لگے تو اس پر میرے نانا جان کی پھٹکار پڑے نہ پڑے؟"

پھر یہ حدیث پاک سنائی:

لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَابِهِيْنَ وَالْمُتَشَابِهَات.

"خدا کی پھٹکار ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔"

شاہ جی جیسا قادر الکلام اور بذلہ سنج بے بدل خطیب کسی مسئلے پر خطابت کا زور دکھائے اور سامعین پر بے خودی طاری نہ ہو؟

شاہ جی نے موضوع کی مناسبت سے داڑھی منڈوں کا جو مذاق اڑایا تو اس کی سیدھی زد ان مسلم لیگی نوجوانوں پر پڑی جو جلسے میں گڑبڑ کرنے آئے تھے، یہ طنز سن کر ایک ایک کرکے آہستہ آہستہ یہ لوگ کھسک گئے۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ بھی اسٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے اور شاہ جی سے مولانا کی نوک جھونک رہتی تھی۔ شاہ جی جب اپنی مونچھوں پر تاؤ دے کر اپنا سینہ ابھار رہے تھے تو مولانا احمد سعیدؒ نے اس وقت پیچھے سے یہ شعر پڑھا ؎

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

شاہ جی تقریر کے دوران ایکٹنگ بھی کرتے تھے۔ مولانا کے شعر پر اپنے پٹھے بالوں کو جھٹکا دیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا اور برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

مت ستا ظالم! کسی کو مت کسی کی ہائے لے
دل کے دکھ جانے سے ناداں عرش بھی ہل جائے ہے

کوئی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں بے جوڑ باتیں بہت کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں؟ میں چاہتا ہوں کہ جن بزرگوں کے اخلاص اور جن کی روحانیت کا مسلمانوں نے پاکستان کے شوق میں اندازہ نہیں لگایا ان کا جتنا تعارف ہو سکے اچھا ہے، تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں اب تک غبار ہے وہ اپنے سینے کو صاف کر لیں۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو مسلم لیگ کا اخبار ''الامان'' اور ''وحدت'' نجار اللہ شاہ عطائی لکھتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے مذہبی قائدین کی جو چاندی ہوئی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ علمائے کرام اب کوٹھیوں اور بنگلوں میں ہیں، موٹریں دروازوں پر کھڑی ہیں، ہوائی جہاز کے ٹکٹ امریکہ کے، لندن کے، سعودیہ عربیہ اور کویت کے سرہانے رکھے رہتے ہیں۔ شاہ جی کی پیری مریدی کا دائرہ بھی پنجاب میں وسیع تھا اور پھر مجلس احرار کے جماعتی اثرات بھی تھے اور اب بھی ہیں۔ لیکن اس مرد درویش نے ساری زندگی ایک چھوٹے سے مکان میں گزار دی۔

مجلس احرار پنجاب کے درویش صفت اصحاب ایثار رہنماؤں کی ایک جماعت تھی اور اس جماعت میں حضرت شاہ جیؒ کی شان درویشی نمایاں تھی۔

میں نے ملتان جا کر دیکھا، مولانا کے بڑے صاحب زادے مولانا ابوذر بخاری مرحوم اپنے والد کی بیٹھک میں رہتے تھے، ایک چھوٹی سی بیٹھک جس میں دو چارپائیاں مشکل سے بچھائی جا سکیں اور اس کے ساتھ ملحق ایک مکان نہایت مختصر۔

حکومت کے اعلیٰ افسران نے کوشش کی کہ شاہ جی کے لیے ایک بڑا مکان بنوا دیا جائے۔ مگر شاہ جی نے انکار کر دیا۔ جو معتقد مالی امداد پیش کرتے وہ محلے کی مسجد کی توسیع میں لگا دی جاتی۔

چودھری ممتاز صاحب (جوتے والے) شاہ جی سے ملنے گئے، شاہ جی پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا، ایک مونڈھے پر بیٹھے تھے۔ چودھری صاحب کو گلے سے چمٹا لیا، دلّی کے ایک ایک فرد کو پوچھتے رہے اور روتے رہے، چودھری صاحب نے کچھ رقم دینی چاہی، انکار کر دیا۔ جب انھوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان کے چھوٹے نوٹ بھنا

لاؤ۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی، شاہ جی ایک ڈھیلی ڈھالی پرانی صدری پہنے ہوئے تھے۔ جوانی کے دور کی بڑی صدری تھی اور اب وہ ڈھیلی ہوگئی تھی۔ صدری کی جیبوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ نوٹ ان میں ڈال دو۔

چودھری صاحب کو لوگوں نے بتایا کہ شاہ جی یہ ساری رقم شام تک لوگوں میں تقسیم کر دیں گے۔

اسی حال میں یہ مرد درویش خدا کو پیارا ہو گیا۔

شاہ جی کی سوانح حیات شورش کاشمیریؒ نے لکھی ہے۔ شورش، شاہ جی پر عاشق تھا۔ قلم میں غضب کا جادو دبھرا ہوا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ سے بھی شورش کو والہانہ عقیدت تھی۔

یہ تھے وہ اہل اخلاص و محبت، جن کی ہم نے اس لیے قدر نہ کی کہ وہ قائد اعظم مسٹر جناح کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور اس کے انجام کا مزا اب تین حصوں میں بٹی ہوئی ملت تو حید اچھی طرح چکھ رہی ہے

پیدا کہاں ہیں ایسے فرشتہ مزاج لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

شاہ جی کے خاندان نے دار بنی ہاشم کے نام سے مسلمانوں کی ایک افتادہ زمین پر سکونت کا انتظام کر لیا ہے اور ایک مسجد بھی زیر تعمیر ہے اور مولانا ذوالکفل بخاری دین کی تبلیغ و اشاعت کا ایک ادارہ چلا رہے ہیں۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ:

مرحوم مجلس احرار اسلام کے صدر تھے۔ لدھیانے سے برباد ہو کر پاکستان چلے گئے تھے۔ مگر ہندوستان کی محبت انھیں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہندوستان واپس لے آئی۔

مولانا مرحوم کا خاندان ہندوستان کے ان خاندانوں میں سے ایک ہے جو

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی علمی اور مجاہدانہ روایات کے امین ونقیب رہے ہیں۔

مولانا کے داد مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانویؒ تھے، جن کا شمار مولانا محمد قاسم صاحب نانا توئیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے رفقا میں ہوتا تھا۔

مولانا مرحوم نے دلّی کے قیام میں ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی خدمت کی اور پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ساتھ مولانا کے خصوصی تعلقات تھے۔ ان تعلقات کو مولانا مرحوم نے مسلمانوں کی خدمت کے لیے استعمال کیا۔

کوچہ رائے مان (شملہ والوں کا مکان) مولانا کی قیام گاہ رہی، بڑے بڑے کانگریس رہنما یہاں آتے تھے۔ مولانا دوسرے تیسرے دن جمعیت علماے ہند کے دفتر میں تشریف لاتے تھے اور مولانا احمد سعید صاحبؒ سے ملنے کوچہ چیلان بھی تشریف لے جاتے تھے۔

طویل قید و بند کی صعوبتوں نے مولانا کی صحت کو برباد کر دیا تھا۔ تحریک آزادی کے لیے زبردست قربانیاں دینے والے اس خاندان نے دلّی میں کس طرح وقت گزارا؟ یہ ایک عبرت ناک داستان ہے۔

مولانا کے بڑے صاحب زادے مولانا خلیل الرحمٰن صاحب نے اور دوسرے صاحب علم صاحب زادے مولانا انیس الرحمٰن صاحب نے یکے بعد دیگرے دلی وقف بورڈ میں ملازمت کر کے گھر کا خرچ چلایا۔

مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے بارہ دری شیر افگن میں ایک اسکول قایم کیا، عزیز الرحمٰن صاحب بہترین انشا پرداز بھی تھے، انھوں نے اپنے والد کی سوانح حیات رئیس الاحرار کے نام سے مرتب کی، ایک کتابچہ اور ایک چارٹ جنگ آزادی میں شریک ہونے والے مسلم رہنماؤں اور مسلم جماعتوں کی مختصر تاریخ پر مشتمل تحریر کیا اور ''ملک و ملت'' اخبار میں شذرات بھی لکھتے رہے۔

اب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ماشاء اللہ حیات ہیں اور پھلواڑہ (پنجاب) کی

بڑی مسجد کو خدا کے نام اور خدا کے دین کی تعلیم سے آباد رکھنے میں مشغول ہیں۔

مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے صاحب زادے محمد بلال صاحب بارہ دری کا ادارہ چلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی، وہ از راہ مزاح فرمایا کرتے تھے یوپی اور دلّی والے متعصب ہیں، ہمیں پنجابی سمجھ کر ہمارے ساتھ تعصب برتتے ہیں۔

عبدالحق صاحب پراچہ نے ان کا نام مولانا مقالہ رکھ دیا تھا، کیوں کہ مولانا مرحوم دفتر میں آ کر فرماتے تھے، تم نے اس تاریخ کا میرا مقالہ نہیں پڑھا، میں نے اس تاریخ کے مقالے میں یہ لکھا ہے، میرا مقالہ دیکھو۔

مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے دو صاحب زادے مولانا سعید الرحمٰن اور مفتی محمد احمد اپنے آبائی وطن لدھیانہ میں مقیم ہو گئے ہیں۔ ان میں سے مفتی محمد احمد صاحب نے بڑی مسجد کو آباد کیا، اب اس میں مفتی صاحب کے صاحب زادے مولانا حبیب الرحمٰن ثانی کام کر رہے ہیں اور اس مسجد میں ایک تعلیمی ادارہ چلا رہے ہیں۔

نہ صرف دلّی والوں پر بلکہ پورے ہندوستان پر اس خاندان کا بڑا حق ہے۔ میں یہ چند سطریں اس خاندان کی یاد باقی رکھنے کے لیے تحریر کر رہا ہوں تاکہ میری ذات سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور ان کے صاحب زادوں کو جو محبت تھی اس کا کچھ نہ کچھ حق ادا ہو جائے۔

مرحوم مجھے اور مولانا فقیہ الدین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دفتر جمعیت علما سے اپنے گھر لے جاتے تھے اور فرماتے تھے:

> ''تم ان لوگوں کے چکر میں کیوں پھنسے ہوئے ہو؟ میرے پاس آؤ، میں تم کو براہِ راست پنڈت نہرو کے پاس لے چلوں گا۔''

مرحوم کبھی کبھی مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کو بھی جلی کٹی سنا دیا کرتے تھے۔ مگر یہ لوگ مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے اور مولانا کی باتوں پر ہنستے تھے۔

اسلام الدین نے مجھے سندھ آنے کی دعوت دی، مگر میں سندھ نہ جاسکا۔ حالاں کہ مجھے سندھ جا کر ٹنڈو الہ یار میں قایم عربی دارالعلوم دیکھنے کا شوق تھا، جو اس زعم کے ساتھ قایم کیا گیا تھا کہ اسے دارالعلوم دیوبند کا نمونہ بنایا جائے گا اور اس مسجد اور خانقاہ کو دیکھنے کا شوق تھا جو دلّی کے مشہور مبلغ مولانا شاہ عبدالعزیز دعا جوؒ نے تعمیر کی تھی۔

مولانا عبدالعزیز دعا جوؒ:

مولانا دعا جوؒ تبلیغی جماعت کے قدیم اساسی رکن تھے، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ انھوں نے تبلیغی کام شروع کیا تھا اور ان کا حلقۂ مریدین ڈاسنہ، مسوری کے علاقے میں تھا۔

مولانا دعا جوؒ حاجی یونس ہڈی والے (کوچۂ استاد داغ) اور شاہ عبدالقیوم (پروفیسر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) کے والد تھے۔ مولانا کی رہایش بارہ ٹوٹی صدر بازار میں تھی۔ ۱۹۴۷ء میں یہ سندھ چلے گئے اور وہاں تبلیغی کام شروع کیا اور اپنی مخلصانہ جدوجہد سے ایک بڑا حلقہ بنالیا۔ مولانا مرحوم نہایت بلند اخلاق، صاحب اثر روحانی بزرگ تھے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ کے پاس آتے تھے، پان زیادہ کھاتے تھے۔ مولانا حسب عادت ان سے دل لگی کرتے اور دعا صاحب مولانا کی باتوں پر ہنستے رہتے تھے۔

حاجی یونس ہڈی والے دلّی کے جانے پہچانے سماجی کارکن تھے۔ شکار کا بڑا شوق تھا اور یہ شوق وہ حافظ عبدالعزیز صاحب انصاری، مسٹر عزیز (گلی قاسم جان) حکیم احسن صاحب (گلی قاسم جان) کے ساتھ پورا کرتے تھے، شکار کا علاقہ (ڈاسنہ مسوری) ان کے والد کا مرید تھا۔ یہاں ان شکاریوں کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ مرحوم نے زندگی کے آخری ایام بڑی آزمایش میں گزارے۔ شاہ عبدالقیوم مرحوم میرے لڑکے ڈاکٹر شریف حسین قاسمی کے ساڑھو اور حاجی عبدالمجید صاحب بھیلے

اس مجاہد جماعت کی آخری یادگار عبدالجبار صاحب سالار تھے جو دلّی وقف بورڈ کے شعبۂ مساجد و مقابر میں ملازم ہو گئے تھے۔

مرحوم اسلام الدین:

مرحوم اسلام الدین (جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا) پہاڑ گنج میں تحریک آزادی کے بڑے سرگرم کارکن تھے۔

یہ ایک جاں باز گروپ تھا جس میں میرے بڑے بھائی سید حامد حسین، ایک مولانا صابن والے اور محمد سعید گھڑی ساز شامل تھے۔ میرے بھائی صاحب کی دکان (جنرل مرچنٹ) کی پہاڑ گنج میں تھی۔ یہ دکان ہی اس گروپ کا مرکز تھی اور اس وجہ سے اس دکان کو سب سے پہلے لوٹ کر تباہ کیا گیا۔

محمد سعید صاحب ایک دفعہ کراچی سے دلّی آئے تھے تا کہ بندریا والی مسجد (پہاڑ گنج کے قریب قطب روڈ) کو دیکھیں جو ان کے بزرگوں نے بنوائی ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد مغلیہ کا مشہور غدار غلام قادر خاں اور اس کی بیوی، بندریا والی مسجد کے قریب دفن ہیں۔ لیکن اب ان دونوں کی قبروں کا کہیں نشان نہیں ملتا۔

سعید صاحب گھڑی ساز ان قبروں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے مذاق کے طور پر کہا، کیا آپ انھی کی اولاد میں سے ہیں؟ تو وہ غریب سن کر خاموش ہو گئے۔

سندھی کلچر کا غلبہ:

اسلام الدین پاکستان کے سفر میں ایک روز مجھے کراچی میں مل گئے۔ یہ بالکل بدلے ہوئے تھے۔ سندھی کلچر میں نظر آئے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو بڑی معقول بات کہی.... مولانا! اب پاکستان میں ہمیں اسی وقت چین آئے گا جب ہم اپنی انفرادیت کو سندھی، پنجابی اور پٹھان کلچر میں ضم کر دیں اور بھول جائیں کہ کل ہم کیا تھے۔

اسلام الدین نے مجھے سندھ آنے کی دعوت دی، مگر میں سندھ نہ جاسکا۔ حالاں کہ مجھے سندھ جا کر ٹنڈو الہ یار میں قایم عربی دارالعلوم دیکھنے کا شوق تھا، جو اس زعم کے ساتھ قایم کیا گیا تھا کہ اسے دارالعلوم دیوبند کا نمونہ بنایا جائے گا اور اس مسجد اور خانقاہ کو دیکھنے کا شوق تھا جو دلی کے مشہور مبلغ مولانا شاہ عبدالعزیز دعا جوؒ نے تعمیر کی تھی۔

مولانا عبدالعزیز دعا جوؒ:

مولانا دعا جوؒ تبلیغی جماعت کے قدیم اساسی رکن تھے، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ انھوں نے تبلیغی کام شروع کیا تھا اور ان کا حلقۂ مریدین ڈاسنہ، مسوری کے علاقے میں تھا۔

مولانا دعا جوؒ حاجی یونس ہڈی والے (کوچۂ استاد داغ) اور شاہ عبدالقیوم (پروفیسر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) کے والد تھے۔ مولانا کی رہایش بارہ ٹوٹی صدر بازار میں تھی۔ ۱۹۴۷ء میں یہ سندھ چلے گئے اور وہاں تبلیغی کام شروع کیا اور اپنی مخلصانہ جدوجہد سے ایک بڑا حلقہ بنالیا۔ مولانا مرحوم نہایت بلند اخلاق، صاحب اثر روحانی بزرگ تھے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ کے پاس آتے تھے، پان زیادہ کھاتے تھے۔ مولانا حسب عادت ان سے دل لگی کرتے اور دعا صاحب مولانا کی باتوں پر ہنستے رہتے تھے۔

حاجی یونس ہڈی والے دلی کے جانے پہچانے سماجی کارکن تھے۔ شکار کا بڑا شوق تھا اور یہ شوق وہ حافظ عبدالعزیز صاحب انصاری، مسٹر عزیز (گلی قاسم جان) حکیم احسن صاحب (گلی قاسم جان) کے ساتھ پورا کرتے تھے، شکار کا علاقہ (ڈاسنہ مسوری) ان کے والد کا مرید تھا۔ یہاں ان شکاریوں کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔

مرحوم نے زندگی کے آخری ایام بڑی آزمایش میں گزارے۔ شاہ عبدالقیوم مرحوم میرے لڑکے ڈاکٹر شریف حسین قاسمی کے ساڑھو اور حاجی عبدالمجید صاحب ٹھیلے

دار (نظام الدین) کے داماد تھے۔ شاہ صاحب کو مشرق وسطیٰ کی مسلم سیاست کا گہرا مطالعہ تھا۔ جمال عبدالناصر مصری پر انگلش میں ایک کتاب بھی لکھی۔ بڑی تکلیف دہ طویل بیماری کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور علی گڑھ ہی میں خدا کو پیارے ہو گئے۔

میں نہیں بتا سکتا کہ مرحوم کو مجھ سے کس قدر محبت تھی۔ وہ مجھے میری اولاد کی طرح ابو جی کہہ کر پکارتے تھے۔ شاید وہ میرے اندر اپنے والد کا (مولویانہ) ظاہری روپ دیکھ کر تسلی پاتے تھے، ورنہ مولانا دعا جوؒ پر تو روحانی سعادت برستی تھی۔ خدا تعالیٰ ان کے اہل و عیال کو خوش و خرم رکھے۔

دارالعلوم دیوبند:

بہ ہر حال میں سندھ نہ جا سکا، ٹنڈو الہیار کا مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا نمونہ تو کیا بنتا، اب وہ ایک معمولی مدرسہ ہے۔

ہمارے ایک استاد مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ استاد مدرسہ عالیہ فتح پوری کانگریس کے سخت ترین مخالف تھے، مرحوم ہندوستان سے ہجرت کر کے ٹنڈو الہ یار کے اس مدرسے میں تشریف لے گئے۔ اور مرحوم کا جذبہ یہ تھا کہ پاکستان کے اس مدرسے کو کانگریسیوں کے مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کے مقابلے پر لے آئیں۔ اور انھوں نے بڑی جفاکشی کے ساتھ مدرسے میں تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دی۔ مگر کہاں وہ بات مولوی مدن کی سی؟

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد میں جن اکابر علم، اکابر روحانیت اور حریت و آزادی کے مجاہدین کا خون ہے وہ اب میسر نہیں آ سکتا۔

مولانا اسعد مدنی، صدر جمعیت علمائے ہند:

دارالعلوم کے پچھلے انقلاب سے بڑی مایوسی پیدا ہو گئی تھی، مخالفین نے جماعت

کی تقسیم سے بڑی بغلیں بجائی تھیں۔ مگر الحمد للہ مولانا اسعد میاں، جانشین شیخ الاسلامؒ نے اپنی ان تھک جدو جہد اور اپنے اکابر کی روحانی رفاقت سے دار العلوم کو نہ صرف اپنی روحانی آب و تاب کے ساتھ قایم رکھا بلکہ اسے ترقی اور استحکام کی طرف لے گئے۔

میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے وہ جماعت کے کچھ حضرات غم و غصے کے جذبے سے نہ دیکھیں، بلکہ اغیار کی ان ریشہ دوانیوں کو سامنے رکھ کر دیکھیں، جو رضا خانی کی جماعت کی طرف سے کھل کر اور جماعت اسلامی کے حلقوں میں خفیہ طور پر کی جارہی تھیں اور اس سے جماعت قاسم العلوم کے اکابر کی روحانی غیرت جوش میں تھی

یہ کیوں کہوں کہ غم زندگی گراں گزرا
وہ ساتھ ساتھ رہے ہیں جہاں جہاں گزرا

چھاپہ ناکام ہوگیا:

ہندوستان کی مسلم تنظیموں کے بکھر جانے کے بعد فکر مودودی کی غلط تشریح کرنے والے جذبات فروش طبقے نے بیرونی سرمائے کے سہارے ہندوستان کے دینی، تعلیمی حلقوں پر چھاپہ مارنے کی کوشش کی تھی.....اور ایک محترم قاضی صاحب کے اس گروہ نے سرپرستی حاصل کر کے جماعت شیخ الہند اور اس کی روایات کو بے نشان کرنے کی قدیم جناحی (مسٹر جناح) آرزو پوری کرنی چاہی تھی۔ مگر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا اسعد مدنی صاحب نے اس آرزو کو خاک میں ملا دیا اور انھوں نے ہر میدان میں جماعت شیخ الہند اور جمعیت علماے ہند کو سرگرم کر کے ہم سب کی لاج رکھ لی۔

باب (۹)

دہلی کی لاہوری برادری

مسلم برادریوں کے اندر یہ طریقہ عام ہے کہ برادری والے اپنے رشتے عرب سے جوڑتے ہیں، حالاں کہ ان برادریوں کے پاس اس دعوے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہوتا۔

قریش برادری کے متعلق یہ بھی روایت سینہ بہ سینہ درج کی ہے کہ برادری قریش عرب سے تعلق رکھتی ہے اور لاہوری برادری کے متعلق بھی عرب سے آنے کی روایت سینہ بہ سینہ درج کی ہے۔

تاریخی بات یہ ہے کہ شاہ جہاں اس برادری کو لاہور سے دلّی لایا تھا، اس لیے اس برادری کی نسبت لاہوری پڑ گئی۔

اس برادری کا مشہور کام تلوار سازی تھا، تلوار سازی کی نسبت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ برادری ہندی الاصل ہے۔ کیوں کہ تلوار سازی ہندوستان کی خاص صنعت تھی، عرب میں ہند کی تلوار مشہور تھی۔ عرب کے مشہور شاعر (حضرت) کعب ابن زبیرؓ نے جب اسلام قبول کرلیا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصیدۂ مدحیہ پڑھا۔ اس قصیدے کا ایک شعر یہ ہے:

اَنَّ الرَّسُوْلَ لَسَيْفٌ يُّسْتَضَاءُ بِهٖ
مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

"یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک تلوار ہے جس سے عدل وانصاف کی روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ تلوار ہندوستانی ساخت کی ہے، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو باطل کے لیے میان سے باہر رہتی

ہے۔''(سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔جلد۲،صفحہ۲۴۵)

تلوار سازی کے بڑے کام کے علاوہ دوسری صنعتیں بھی اس برادری میں موجود تھیں۔

ان میں معمار بھی تھے اور تلوار کے دستوں پر سنہری اور روپہلی مینا کاری کرنے والے بھی تھے۔لاہوری برادری کے مورث اعلیٰ کا نام استاد حامد تھا۔شاہ جہاں جامع مسجد کی تعمیر کے لیے ایک مسلمان استاد حامد اور ایک ہندو استاد ہیرا، یہ دو معمار دتی لایا تھا،اور ان دونوں کی رہائش کا جامع مسجد کے عقب میں انتظام کیا تھا۔

چناں چہ دونوں کوچے، انھی دونوں کے نام سے کوچہ استاد حامد اور کوچہ استاد ہیرا مشہور ہوئے۔

لاہوری برادری کوچہ استاد حامد جامع مسجد سے دتی کے مختلف محلوں میں پھیلتی رہی،گلی نعل بندان میں نعل بندی کرنے والے رہتے تھے،کوچہ نٹواں میں سادہ کار تھے۔گلی راجان فراش خانہ میں تعمیر کا کام کرنے والے راج تھے۔انھی کے ساتھ قصبہ مہم اور ہتک اور حصار کے معمار بھی تھے، جو آکر بستے رہے۔کوچہ رائے مان مصور خاندان کا مسکن رہا،محلہ رد گران اور لال کنویں کے محلوں (کٹرہ شیخ چاند۔گلی میر جملہ) میں جڑاؤ کا کام کرنے والے جوہری صاحبان کی رہائش رہی۔

اس برادری کے نمایاں حضرات حسب ذیل ہیں۔

حکیم خلیل الرحمٰن تار:

حکیم صاحب دتی کے مشہور مجاہد آزادی ہیں۔۱۹۳۰ء کی تحریک (کانگریس) کے ڈکٹیٹر تھے،گرفتاری دینے کے لیے کشن گنج سے ڈولی میں بیٹھ کر گھنٹہ گھر آئے اور گرفتار کر لیے گئے۔

دتی کانگریس کی سیاسی سرگرمیوں میں شریک رہے۔

علاقہ کشن گنج سے کانگریس کے ٹکٹ پر میونسپل کمیٹی کے ممبر چنے جاتے رہے۔

ریاستی جمعیت علما کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی رہے، حکیم صاحب شروع میں اپنا خاندانی کام چاندی کے برتن بنانے کا کرتے تھے، پھر تحریک میں شریک ہو گئے اور علم طب کی کچھ کتابیں پڑھ کر طبابت شروع کر دی۔ کشن گنج روڈ پر ایک چھوٹی سی دکان کر لی جس میں مطب اور دوا خانہ دونوں قایم تھے۔ مرحوم لاولد تھے، میاں، بی بی، دو دَم تھے، معمولی آمدنی میں قناعت سے گزارہ کرتے تھے۔

شاعر بھی تھے، مقرر بھی تھے، دلی کانگریس کے مشہور لیڈر ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ صاحب سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے۔

ایک اجتماع میں اس ناچیز نے تقریر کرتے ہوئے علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا یہ شعر پڑھا ۔

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشہ مئے کو تعلق نہیں پیمانے سے

میں نے نشہ کا لفظ عام تلفظ کے مطابق پڑھا، حکیم صاحب نے اصلاح کی اور ش کو مشدد کر کے پڑھا۔ اسی طرح اس مصرعے کا وزن ٹھیک ہوتا ہے۔ حکیم صاحب شاعری میں نواب سراج الدین سائل کے شاگرد تھے۔

حاجی ظہیر الدین ممبر:

حاجی صاحب کوچہ استاد حامد جامع مسجد میں رہتے تھے، خدمت خلق سے عشق تھا۔ کئی بار اس علاقے سے آزاد ممبر کی حیثیت سے کمیٹی کے ممبر چنے گئے۔ چاوڑی بازار میں ہارڈ ویئر کی دکان تھی۔

مولانا حامد صاحب:

کوچہ میر ہاشم میں رہتے تھے۔ چاندی کے برتن بناتے تھے۔ جامع مسجد کے شمالی دالان میں ہر جمعہ کو وعظ کہتے تھے۔ باقاعدہ عالم نہیں تھے۔ مولانا ابراہیمؒ اور مولانا اسحاقؒ کی کتابیں پڑھ کر وعظ کہنے لگے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں کراچی منتقل ہو گئے۔

حکیم یعقوب الرحمٰن:

کوچہ پنڈت کے مشہور سماجی کارکن عنایت الرحمٰن فاروقی کے والد تھے۔ طبیب بھی تھے اور وعظ بھی کہتے تھے۔

کچھ دنوں مسجد نواب قاسم جان میں ترجمہ قرآن بھی بیان کیا۔ لاہوری برادری کے وضع دار آدمی تھے۔

فاروقی کا کراچی میں حال:

فاروقی صاحب جیسا متواضع کارکن بہت کم نظر آتا ہے۔ ۴۸۔۱۹۴۷ء کے مصیبت زدگان کی اس شخص نے جس طرح بے نفسی کے ساتھ خدمت کی اس کا اجر انھیں خدا تعالیٰ ہی عطا کرے گا۔

فاروقی صاحب بیٹی اور داماد کی محبت میں کراچی منتقل ہوئے اور کراچی میں ان کی جو درگت ہوئی اسے دیکھنے والوں نے آبدیدہ ہوکر بیان کیا۔

ان کی بیوی گھر میں چائے کی چھوٹی تھیلیاں تیار کرتی تھیں، اور یہ بازار میں آواز لگا کر چائے کی وہ تھیلیاں فروخت کیا کرتے تھے، جب کہ یہ دلّی میں پیتل کے زیور بنانے کا کامیاب کارخانہ چلاتے تھے۔

ہلال احمد زبیری:

بیٹی داماد کی محبت ہی میں ہلال احمد زبیری جیسا قابل سنجیدہ نیشنلسٹ مسلمان پاکستان گیا۔ حالاں کہ ان کے لیے ہندوستان کی قومی حکومت میں بڑے چانس تھے۔

زبیری صاحب کو ان کے دوست شعیب قریشی (داماد مولانا محمد علی جوہرؒ) نے، جو پاکستان کے وزیر خزانہ تھے، سندھ کے علاقے میں ایک سلک فیکٹری الاٹ کردی تھی، لیکن سندھ کے ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کرکے انھیں سندھ سے بھگا دیا، اس حملے میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔ کراچی میں آکر انھوں نے کسی کالج میں پڑھانا شروع

کردیا، اب ان پر مذہبیت کا غلبہ ہے۔ چہرے پر داڑھی ہے اور اپنی کالونی میں ایک مسجد تعمیر کرارہے ہیں۔

استاد مظہر الدین مرحوم:

لاہوری برادری کے مصور خاندان کے باکمال فنکار تھے۔ ان کے والد استاد نسیم الدین بہترین آرٹسٹ تھے اور قرآن کریم کے پھول دار بارڈر تیار کرنے میں بڑی شہرت کے مالک تھے، ان کے شاہ کار نمونے اس خاندان میں موجود ہیں۔ قرآن کریم کے تیس پاروں کے ہر صفحے پر نئے ڈیزائن کی بیل بناتے تھے۔

استاد مظہر الدین کے خسر استاد صبغۃ اللہ تلوار کے دستے پر سونے اور چاندی کی میناکاری کرتے تھے، اور اس کام کے ماہر تھے۔ اور مہاراجہ الور کے درباری ملازم تھے، حویلی رکھے سنگھ مہاراجہ کی طرف سے رہائش کے لیے انھیں ملی ہوئی تھی۔

استاد مظہر الدین بیس سال تک حیدرآباد کے سالار میوزیم میں بطور آرٹسٹ کے مقیم رہے۔ اس میوزیم میں ان کے نادر فنی نمونے میوزیم کی زینت ہیں۔

۱۹۴۹ء میں حیدرآباد سے اپنے خاندانی مکان کوچہ رائے مان میں آگئے۔ نواب صاحب نے اپنے گارڈ کی حفاظت میں انھیں دلی بھیجا۔

استاد مظہر الدین صاحب بالکل شاہی مزاج کے آدمی تھے، درویش صفت تھے، مفتی مظہر اللہ صاحبؒ امام مسجد فتح پوری کے مرید تھے۔ ان کے ہاتھ کی مصوری کے نادر نمونے ان کے لائق اور باکمال صاحب زادے شیخ ضمیر احمد کے پاس محفوظ ہیں۔ ضمیر احمد کو ان کے والد اپنا صحیح جانشین بنا کر گئے ہیں۔ حکومت ہند ان ہی کے فنی شاہ پارے اپنے مخصوص بیرونی مہمانوں کی نذر کرتی ہے۔

راشٹر پتی کی طرف سے انھیں سرکاری اعزاز بھی دیا گیا، یہ میرے نواسے داماد ہیں۔ دلّی کی مشہور اسپیکر ساز فیکٹری (ایکوس الیکٹرونکس، اوکھلا) کے مالک بابو عزیز الرحیم خان کے بڑے داماد ہیں، بابو عزیز خان میرے بڑے داماد ہیں۔ ضمیر صاحب

طبعی شرافت اور خاندانی تواضع وانکساری کا نادر پیکر ہیں۔

حمید اللہ جوہری:

استاد حشمت اللہ جوہری کے صاحب زادے ہیں۔ جڑاؤ، زیورات بنانے میں بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ ان کے صاحب زادے رفیع احمد نے چھوٹی سی عمر میں جواہرات کے پرکھ (علم الجواہرات) کا کورس کیا اور اس میں نمایاں نمبر حاصل کیے۔ اس پر انھیں اعزازی سند دی گئی۔

اسی فن کا ایک خاندان کٹرہ شیخ چاند میں رہتا ہے، محمد ایوب صاحب خدا کو پیارے ہو گئے، برادری کے چودھریوں میں ان کا شمار تھا، اب ان کے لڑکے بلال احمد صاحب ہیں جو اسی بھروسے کے ساتھ فن کی خدمت کر رہے ہیں۔

مسلمان اگر کسی بھی لائن میں اپنے اندر کمال پیدا کرلیں تو ان کا راستہ کون روک سکتا ہے لیکن منہ چکنا، پیٹ خالی سے موجودہ دنیا میں کام نہیں چل سکتا۔

لال کنواں پر ایک حافظ ضیاء الدین سادہ کار تھے۔ جو سادہ کاری کے ساتھ ساتھ بچوں کو قرآن کریم حفظ کرایا کرتے تھے۔

میں نے ابتدا میں ان ہی سے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا، حافظ صاحب روحانی آدمی بھی تھے۔ صبح کی نماز کے بعد اپنی بیٹھک (گلی آچار والی) میں بیٹھ جاتے تھے اور روحانی علاج دم کیے ہوئے پانی سے کرتے تھے، اور ان کے اخلاص کی وجہ سے بیماروں کو شفا حاصل ہوتی تھی۔

آج کل کے تعویز فروشوں کی طرح نہیں تھے، جنھوں نے ہر مسجد کو تعویذ گنڈے کی دکان بنا رکھا ہے، اور بڑی مسجدوں کا تو یہ حال ہے کہ امام اور خاندان امام کی دکانیں لگی ہوئی ہیں۔

مولانا آزاد مرحوم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ عہد وسطیٰ میں جب یہودی زوال کی زد میں آ گئے تو اس قوم نے جادو ٹونے اور جن بھوت اتارنے کا مشغلہ اختیار کرلیا

تھا۔قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے اس پر تبصرہ کیا ہے۔

گلی نعل بندان:

اس برادری میں نعل بندی کا بھی پیشہ رہا ہے۔کیوں کہ شاہی دور میں گھوڑوں کی پرورش اوران کا استعمال لازمی تھا۔

گھوڑے تانگے کی جگہ جب موٹر سائیکلوں اور رکشاؤں نے لے لی تو یہ کام ختم ہوگیا۔اب یہ لوگ سادہ کاری کررہے ہیں۔

اس برادری میں معمار (راج) خاندان بھی تھے۔جو فراش خانے میں آباد تھے۔ اب ان کی اولاد دوسرے کام کررہی ہے۔

کوچہ نٹواں چاندنی چوک:

یہ محلہ اس برادری کے سادہ کاروں کی خاص رہائش گاہ تھی۔قاری فضل الدین صاحب پنجابی فتح پوری میں پڑھاتے تھے بڑے بابرکت استاد تھے۔دلی میں ان کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچی ہوئی ہے۔میں نے بھی قاری صاحب سے ہی حفظ کی تکمیل کی۔

قاری صاحب اس کوچے کی مسجد میں امامت کرتے تھے اور حافظ لڑکوں سے اپنی اس مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد نوافل میں قران کریم پڑھوایا کرتے تھے۔

میں نے اس کوچے میں فن سادہ کاری کا عروج دیکھا ہے۔چاندنی چوک اور دریبہ کلاں کے بڑے بڑے جوہری ان کے مکانوں کے چکر لگایا کرتے تھے۔افسوس یہ محلہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا۔البتہ مسجد موجود ہے۔

میاں انیس الرحمٰن:

اس برادری کے ایک لائق فرزند میاں انیس الرحمٰن ہیں جن کا کمرہ مٹیا محل کے نکڑ پر ہے۔یہ لکھنے پڑھنے کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔اپنی برادری کے حالات پر کچھ لکھنا

چاہتے تھے اور اس کام کے لیے خان بہادر بشیر الدین صاحب کے واقعات دارالحکومت کے تینوں حصے بڑی قیمت ادا کر کے لائے تھے۔ مگر ان کا یہ شوق بیوی بچوں کی نذر ہو گیا۔ ان کے والد صاحب نے عمر کے آخری حصے کو قرآن کریم پڑھانے کے لیے وقف کر دیا تھا۔

آزاد فیکٹری:

لاہوری برادری کی فنی صلاحیت کا ایک شاہکار آزاد فیکٹری (گلی مسجد تہور خان نیا بانس) کے پنکھے ہیں جو اس برادری کے ایک ذی صلاحیت صنعت کار عارف صاحب کی یادگار ہیں۔

عارف صاحب ایک کامیاب انڈسٹری چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔ یہ تقدیر کا کھیل ہے۔ اس صنعتی ادارے کو محمد سراج، محمد مقبول اور حافظ محمد فیروز صاحبان نے سنبھالا اور خوب سنبھالا۔

اس خاندان نے مدرسہ نصرت الاسلام کے نام سے کٹرہ ہدو فراش خانے میں ایک کامیاب دینی ادارہ قایم کر رکھا ہے، جو علاقے میں قابل رشک تعلیمی خدمت انجام دے رہا ہے۔

یہ بات ان لوگوں کی کاروباری صلاحیت کا نتیجہ ہے کہ اس ادارے کو عقیدت کے سائے سے بچا کر رکھا ہے، ورنہ یہ سایۂ عقیدت اس ادارے کو اصول وضوابط کے تحت چلانے میں رکاوٹیں پیدا کرتا رہتا۔

ناشکری کی سزا:

پاکستان جا کر کچھ لوگ زمین سے آسمان پر پہنچ گئے۔ اور کچھ لوگ آسمان سے زمین پر آ گرے، اور اسے مذہبی اعتبار سے ناشکری کی سزا ہی کہا جا سکتا ہے۔

برباد ہو کر جانے والے معذور تھے، لیکن اپنے آپ کو خود برباد کر کے جانے والوں کا اخلاقی سزا سے بچنا مشکل تھا۔

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس کا احساس بھی ابھی چند ہی لوگوں تک محدود ہے۔

جو ہم بدلیں بدل جائے زمانہ
زمانے کے لیے دستور ہیں ہم

مولوی دلہن وارثی:

مولوی محمد شفیع عرف مولوی دلہن، اٹاوہ کے رہنے والے تھے، انھوں نے دلّی کی لاہوری برادری میں شادی کرلی تھی۔ اس لیے انھیں اسی برادری کا فرد سمجھتے تھے۔

شروع میں بڑے رنگین مزاج تھے، پھر وارثی سلسلے سے متعلق ہوگئے۔ سر پر زلفیں دراز کرلیں اور گیروے رنگ کا وارثی احرام پہن لیا۔

قدرت نے چہرے مہرے کی خوب صورتی کے ساتھ آواز بھی کڑک دار اور سریلی عطا کی تھی۔

وعظ کہنے لگے تھے اور مثنوی مولانا رومؒ کے اشعار خوب جھوم جھوم کر پڑھتے تھے۔

دلّی والوں نے ان کے خوب صورت چہرے اور خوب صورت گیروے رنگ کے وارثی لباس کی وجہ سے ان کا لقب دلہن رکھ دیا تھا اور یہ اس لقب سے بہت خوش تھے۔

یوپی کے شہر اٹاوہ میں وارثی سلسلے کے لوگ بہت ہیں۔

اردو تحریک کے مشہور رہنما مولانا فدا حسین مرحوم اٹاوہ ہی کے رہنے والے تھے۔ آریہ سماجی تحریک اور اردو تحریک کے بارے میں ان کی کئی کتابیں بھی شایع ہوئی ہیں۔

وارثی سلسلے کے صوفیوں میں بدعات مکروہ کا بڑا رواج ہے، فدا حسین صاحب نے کئی دفعہ اس ناچیز کو اصلاحی تقریروں کے لیے اٹاوہ بلایا۔

بھائی معین الدین مرحوم:

معین الدین مرحوم مولانا احمد سعید صاحبؒ کے فدائیوں میں سے تھے، وعظ اور

ترجمے کی ہر مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد یہ میری تقریروں میں آنے لگے تھے۔ کہتے تھے کہ آپ کی تقریر میں کبھی کبھی مولانا احمد سعید صاحبؒ کے لہجے کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ میں اس لہجے کی وجہ سے آتا ہوں۔

ایک غریب دست کار تھے، ڈھلائی کرتے تھے، آزاد فیکٹری میں ملازم رہے۔ آخر عمر میں ریٹائر کر دیئے گئے تھے۔ میں انھیں اپنے پاس بٹھا کر گھنٹوں مولانا کے واقعات سنا کرتا تھا۔

صحابہ کرامؓ میں جو درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں غریب صحابہ حضرات عمارؓ، صہیبؓ اور بلالؓ کا تھا وہ امیر صحابہؓ کا نہیں تھا۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ اپنے غریب معتقدین کا بڑا خیال رکھتے تھے، فراش خانے میں ایک محمد اسماعیل ورق ساز تھے، مجلس احرار اور جمعیت علما کے کارکن تھے، مولانا ان کے سیاہ رنگ ہونے اور زیادہ بولنے کی وجہ سے انھیں اسماعیل کوا کہتے تھے۔

ایک دفعہ مولانا عیدالفطر کی پارٹی کا دعوت نامہ انھیں دینا بھول گئے۔ مولانا کو معلوم ہوا تو ان کے گھر گئے اور اپنی بھول کی معافی مانگی۔

قاری فرید صاحب جو دلّی کے مشہور نعت گو تھے، بہت سیاہ رنگ تھے۔ مولانا انھیں کوئل کہہ کر بلاتے تھے اور ان کی آواز بھی کوئل جیسی تھی۔ نعت پڑھنے میں کوئل کی طرح کوکتے تھے۔

مفتی ضیاء الحق صاحب اپنے آپ کو بڑا بنا سنوار کر رکھتے تھے، سر پر خوب صورت رومال، آنکھوں میں سرمہ، پھر قدرتی خوب صورتی الگ۔ مولانا نے ایک دفعہ انھیں آ ؤ میاں! مولوی دلہن کہہ دیا تھا، جس پر انھیں غصہ آ گیا تھا۔

استاد حامد کا خاندان:

استاد حامد جو لاہوری برادری کے مورث اعلیٰ ہیں، ان کا خاندان اس طرح ہے۔ استاد حامد کے چار لڑکے تھے۔ ان میں ایک نور اللہ معمار تھے، نور اللہ کے لڑکے

شیخ احمد تھے، جو بہت بڑے مہندس یعنی انجینئر اور نقشہ نویس تھے۔

استاد حامد کے ایک لڑکے لطف اللہ تھے، ان کے پوتے ابوالخیر تھے جن کی نگرانی میں جنتر منتر بنایا گیا۔

حضرت شیخ کریم اللہ جہاں آبادی (چشتی بزرگ) شیخ احمد کے پوتے تھے، ان کی وفات ۱۷۳۰ء میں ہوئی۔

شیخ احمد بڑے باکمال مہندس و انجینئر تھے، ان کے حالات میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بڑا تحقیقی مضمون تحریر کیا ہے۔

استاد حامد کے خاندان کی یہ تفصیل ترجمہ اردو سیر المنازل، فارسی تصنیف مرزا سنگین بیگ بہ عہد اکبر شاہ ثانی (۱۸۲۱ء) از ڈاکٹر شریف حسین قاسمی صدر شعبۂ فارسی دلّی یونی ورسٹی سے لی گئی ہے۔

ٹھیکے داری برادری، حافظ عبدالحکیم مرحوم:

تعمیراتی سامان اور تعمیرات کے ٹھیکے لینے والے خاندان دلّی کے قدیم خاندان ہیں جو ترکمان گیٹ میں آباد ہیں۔

حافظ عبدالحکیم مرحوم اس کمیونٹی کے مشہور آدمی تھے، مولانا عبدالشکور صاحب مہاجر مدنیؒ سے بیعت تھے، اب ان کے صاحب زادگان کپڑے کی تجارت کرتے ہیں۔

اس محنت کش طبقے کے ایک صاحب اثر آدمی حاجی عبدالرحیم صاحب تھے، جن کے صاحب زادے محمد احمد صاحب انجینئر (میونسپل کمیٹی) تھے جو ہندوستان سے لاہور منتقل ہو گئے تھے، اور لاہور میں شادی بیاہ کے سامان دری چاندنی کرائے پر دینے کا کام کرنے لگے تھے۔

ممتاز صاحب بھی انھی کے صاحب زادے ہیں جو اپنے آبائی مکان میں آباد ہیں۔

باب (۱۰)

دہلی کی صدیقی برادری

دلی میں یہ برادری جوتے والے کے نام سے مشہور ہے۔ اس برادری کے صاحب قلم صحافی مولانا امداد صابریؒ نے اپنے والد مولانا شرف الحقؒ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ ہماری برادری حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد سے تعلق رکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔

''دلی کی یادگار شخصیات'' کتاب میں جسٹس وحید الدین صدیقی کے تعارف میں وہ لکھتے ہیں: جسٹس وحید الدین صاحب، صدیقی تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کے چند آباؤ اجداد بندہ بیراگی (پنجاب کا حکم ران) کے ظلم سے تنگ آ کر سرہند سے دلی چلے آئے تھے، یہیں بس گئے اور صدیقی برادری کی شکل اختیار کر لی۔ (صفحہ ۶۰۵)

اس برادری میں عام طور پر جوتے کی تجارت (تھوک و پرچون) ہوتی ہے لیکن اس برادری میں تعلیم یافتہ بیرسٹر اور گریجویٹ بھی گزرے ہیں۔ اس برادری کا خاص محلہ چوڑی والان ہے اور جوتے کی تجارت و صنعت کے تعلق سے آگرہ میں بھی اس برادری کی سکونت و تجارت ہے۔

اس برادری کی ایک تاریخی شخصیت مولانا شرف الحق صاحب (مولوی لٹھ) کے نام سے متعارف ہے۔ مولانا مرحوم، مولانا گنگوہیؒ سے متعلق تھے اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ بانی مدرسۂ صولتیہ مکۂ معظمہ کے رفیق کار تھے اور عیسائیت کاردان کا خاص موضوع تھا، عیسائیت کے خلاف مولانا کے طرز بیان کی شدت نے انھیں مولانا لٹھ کے نام سے مشہور کر دیا تھا۔

مولانا شرف الحق:

مولانا مرحوم کی تبلیغی جدوجہد کا عملی کارنامہ رانچی، بہار کے اس علاقے میں دیکھا جاسکتا ہے جہاں عیسائی آدی باسی رہتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد عیسائی مشنریوں نے اس علاقے کے غریب بہاریوں کو مسیحی بنانا شروع کیا۔ مولانا مرحوم اس علاقے میں گاؤں گاؤں پھر کر آدی باسیوں کو مسلمان بناتے تھے۔ چھکڑوں میں بھر بھر کر دریا کے کنارے لے جاتے تھے۔ انھیں غسل کراتے تھے اور کلمہ و نماز سکھاتے تھے۔

مرحوم کی اس جان کاہ تبلیغی جدوجہد کے نتیجے میں اس علاقے میں آج مسلمان نظر آتے ہیں، ورنہ وہاں کوئی مسلمان نظر نہ آتا۔

مولانا یوسف فقیر دہلوی:

مولانا مرحوم کے والد علی محمد بمبئی میں کسی مل میں کام کرتے تھے۔ ان کا دوستانہ اس برادری کے بعض حضرات کے ساتھ قایم تھا۔ اس لیے ان کے والد نے اپنے لڑکے کو تعلیم و تربیت کے لیے ان کے حوالے کر دیا۔

مولانا نے اسی برادری کی کفالت میں پہلے مظاہر العلوم سہارن پور میں اور پھر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۹ء میں مولانا نے دارالعلوم سے فراغت پائی، فراغت کے بعد پہلے سبزی منڈی میں ترجمۂ قرآن شروع کیا، پھر مسجد حوض والی چوڑی والان میں تشریف لے آئے۔

اس مسجد میں پہلے مولانا حبیب الرحمٰن ابن مولانا محمد حسین فقیر تفسیر بیان کرتے تھے۔ مولانا نے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۸۵ء تک امامت اور تفسیر کی خدمت انجام دی۔

افتا کی تربیت کے لیے مرحوم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور مدرسہ امینیہ میں افتا کی تربیت حاصل کی۔ مرحوم نے پچاس ساٹھ برس مسجد حوض والی چوڑی والان میں تفسیر قرآن بیان کی، مولانا کو قرآن و حدیث، اور فقہ کے تینوں اسلامی علوم میں عبور حاصل تھا اور تفسیر قرآن کے درس میں یہ تینوں قرآنی علوم

نمایاں ہوتے تھے۔ دلّی کے چٹ خارے والی زبان، گلی کوچوں میں بولے جانے والے محاورے، دلّی کی مستورات کے روزمرہ محاروے، مولانا کی تقریر و وعظ کو لچھے دار بنا دیتے تھے۔

مدرسۂ امینیہ سے علاحدہ ہونے کے بعد سارا وقت مولانا کا اپنے حجرے میں گزرتا تھا۔ عصر کے بعد تعویز دینے کا مشغلہ تھا، جوانی میں پتنگ بازی بھی کی، شطرنج بھی کھیلی۔ شطرنج کی ایک مجلس میں یہ راقم بھی تماشائی کے طور پر شریک رہا۔ مولانا محمد فاروق صاحب (بچوں کا گھر) اس شوق میں مولانا کے ہم سفر تھے۔

علاقہ جامع مسجد کے چند زندہ دلوں کی ایک ٹولی تھی، اس کے ساتھ مولانا شکار کھیلتے اور پکنک منانے جاتے تھے۔

مولانا مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنا عظیم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند منتقل کرا کر بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا۔ مولانا کے صاحب زادے مولانا خورشید عالم صاحب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہیں، مگر انھوں نے مولانا کی حیات میں ہی اپنا خاندانی پیشہ (تجارت جفت) اختیار کرلیا تھا۔

مولانا کی وفات کے بعد یہ تاریخی مسجد کسی درجے کے صاحب علم کا بھی انتظام نہ کرسکی۔ مولانا مرحوم حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قدموں میں آسودۂ راحت ہیں۔

مدرسۂ کریمیہ:

مدرسہ کریمیہ چوڑی والان، اس برادری کی تعمیری ذہن کا اعلیٰ نمونہ ہے، اس تعلیمی ادارے کو برادری کے تجربہ کار حضرات بڑے سلیقے سے چلا رہے ہیں۔

آج کل ان کے نگران اور صدر حاجی عبدالمنان صاحب آگرہ والے ہیں۔

اس برادری کے ایک سرگرم تحریکی کارکن حافظ محمد مسلم تھے۔ جو آگرہ میں کاروبار کرتے تھے۔ پھر کراچی منتقل ہوگئے [1]۔

[1] حافظ محمد مسلم ابن برکت اللہ مرحوم۔ انھوں نے سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کا ترجمہ ◄

شیخ عبدالکریم:

شیخ عبدالکریم صاحب مالک سودیشی بوٹ ہاؤس بلّی ماران اس برادری بلکہ دلّی کے مسلمانوں کے لیے ایک باعث فخر ہستی تھے۔ کئی دفعہ اپنے علاقے سے کارپوریشن کے ممبر چنے گئے۔ صابری صاحب ان کے مقابلے پر کھڑے ہوتے تھے، مگر ہمیشہ شیخ صاحب ہی سیٹ نکال لیتے تھے۔ کھدر کے لباس پر سفید تولیے کی آزاد کیپ ان کی پہچان بن گئی تھی۔

ایک الیکشن میں ایک صاحب اپنے علاقے (چوڑی والان) سے شیخ صاحب

➤ دتفسیر کشف الرحمٰن پاکستان میں شائع کی۔ اسی زمانے میں میرے جد امجد حضرت قاری شریف احمد صاحب مدظلہم نے بھی کشف الرحمٰن مکتبۂ رشیدیہ سے بڑے اہتمام سے شائع کی۔ مرحوم حافظ صاحب نے الحاج محمد کامل صاحب صدیقی سے کہا کہ قاری صاحب سے کہیں کہ تفسیر کشف الرحمٰن شائع نہ کریں۔ ورنہ میں قانونی کارروائی کروں گا۔ قاری صاحب نے کہا کہ وہ کارروائی کریں۔ اس کے بعد مولانا احمد سعید دہلویؒ کے ایک لڑکے کراچی آئے اور ان کو قاری صاحب کے پاس بھیج دیا کہ آپ نے کشف الرحمٰن کیوں چھاپی؟ اس پر اتنا معاوضہ مجھے دیں۔ قاری صاحب نے انکار کردیا اور فرمایا کہ ہمارا حق ہے کہ ہم مولانا کا نام پاکستان میں زندہ رکھیں، ہمارا مولانا سے خصوصی تعلق تھا۔ مرحوم حافظ صاحب بڑے کنجوس دل کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ (مدرسہ شاہی مرادآباد) پاکستان تشریف لائے۔ اور حافظ محمد مسلم صاحب سے ملنے ان کی دکان پر گئے، اس وقت مولانا سید محمد بنوری، میرے والد محترم حافظ رشید احمد صاحب اور مکرمی جناب آفتاب حسین صاحب بھی تھے۔ میں نے حافظ مسلم صاحب کو دیکھا کہ مولانا سے کہا کہ چائے پی لیں۔ اور ملازم سے چائے لانے کا کہا، دس منٹ گذر گئے پھر ملازم سے کہا، پھر دس منٹ ہو گئے۔ غرضے کہ آدھے گھنٹے میں بھی چائے نہیں آئی۔ اور بغیر چائے کے واپس آ گئے۔ نہ معلوم چائے لانے یا نہ لانے کا کیا کورڈ واڈ تھا؟ جماعت شیخ الہندؒ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے قضیے میں مجلس شوریٰ کے موقف کو چھپوا کر تقسیم کرتے تھے۔

(شریفی)

کے مقابلے پر کھڑے ہوگئے اور اس طرح مسلم ووٹوں کی تقسیم سے علاقے کا جن سنگھی امیدوار کامیاب ہوگیا۔ شیخ صاحب اس صدمے کو برداشت نہ کرسکے اور بیمار پڑ گئے اور یہ بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ نے انھیں دلّی جمعیت علما کا جنرل سکریٹری بھی مقرر کیا تھا، ان باوقار حضرات کا تصور ذہن میں رکھ کر سوچتا ہوں تو نصف صدی کے اندر ہی اس باوقار ملت (خیر امت) میں کتنی گراوٹ آ گئی ہے۔ اب ہر سیاسی پارٹی میں وہ لوگ مسلم نمایندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے اپنے علاقے کے مٹھی بھر عوام کو بھی اپنا ہم نوا نہیں بنا سکتے اور صرف سیاسی پارٹیوں کے لیے مسلم نمایندگی کا نشان بنے رہتے ہیں، یہی ان کا سیاسی مصرف ہے۔

حاجی حافظ عبدالمنان:

اس وقت اس برادری کی پرانی شخصیت عبدالمنان صاحب کی ہے جو شیخ عبدالکریم صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں، اور مسجد حوض والی اور مدرسۂ کریمیہ کے نگران ہیں۔ حافظ صاحب مدرسہ فتح پوری کے مشہور قاری جناب قاری سید حامد حسین صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ تمام زندگی آپ نے آگرہ میں گزاری، اب بڑھاپے کا لطف اٹھانے کے لیے اپنے آباواجداد کی سرزمین (دلّی) میں مقیم ہیں۔

چودھری بدرالدین مرحوم:

اس برادری کے مشہور مجاہد تحریکِ آزادی تھے، جمعیت علما اور کانگریس کی تمام جدو جہد میں ایک سرگرم کارکن رہے۔ اکابر علما سے گہرا تعلق تھا۔

آخر عمر میں گلی سوداگران کی دکان پر وقت گزارتے تھے اور جب ان سے ملنے جاؤ تو پچھلے دور کے واقعات سناتے تھے۔

چودھری ممتاز صاحب:

مرحوم بھی آزادی کی جدجہداور آزادی کے بعد دلّی کے مسلمانوں کی امداد میں سرگرم رہے۔مولانا احمد سعیدؒ کی مجلس میں آتے جاتے تھے۔مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا جب مدرسۂ امینیہ کے انتظامی معاملات میں حضرت مفتی صاحبؒ سے اختلاف ہوا تو مرحوم اس جھگڑے میں مولانا یوسف صاحب کے طرز عمل کو ناپسندیدہ قرار دیتے تھے۔

علاقے میں زبیری صاحب کے الیکشن کی تلخیاں مولانا یوسف صاحبؒ کے دل میں تھیں اور یہ تلخیاں کبھی کبھی اپنے ترجمے میں مولانا احمد سعید صاحبؒ پر تنقید کے رنگ میں ظاہر کردیا کرتے تھے۔چودھری صاحب اسے بھی ناپسند کرتے تھے۔

علمائے حق سے وابستگی رکھنے والے نواب الدین صاحب تھے جو مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے،ان کے صاحب زادگان ضیاء الدین وریاض الدین ماڈرن فٹ ویئر ہاؤس کے نام سے فرم چلارہے ہیں۔

موچی برادری:

اجمیری گیٹ کی موچی برادری راجستھان کے علاقے ناگور سے دلّی آئی، یہ برادری راجستھان کے مختلف اضلاع میں آباد ہے۔

یہ دلّی والے پہلے، لال اور کالی نری کی جوتی بنایا کرتے تھے اور اپنی دکان (اجمیری گیٹ) میں فروخت کیا کرتے تھے۔اب نری کی جوتی کارواج ختم ہوگیا اور یہ لوگ اب زنانہ سینڈل بناتے ہیں۔جے پور اور جودھ پور والے کامدار نری کی جوتیاں بناتے ہیں اور وہ ہر طرف جاتی ہیں۔دلّی والے زرد بانات کی کامدار جوتی بھی بنایا کرتے تھے جو اہل ثروت استعمال کرتے تھے۔

اجمیری گیٹ کی مسجد اسی برادری کی بنائی ہوئی ہے، یہ برادری تبلیغی جماعت سے خاص تعلق رکھتی ہے۔شاہ قمر الدین (تاجر کتب سبز مسجد لال کنوں) اس برادری

کی بڑے رنگارنگ شخصیت ہے۔

مولانا امداد صابری مرحوم:

مرحوم جوتے والوں کی برادری کے مشہور لیڈر رتھے، صابری صاحب کی تاریخ پیدایش؟۱۶؍اکتوبر۱۹۱۴ء ہے۔

مولانا کا نام امداد رشیدان کے والد مولانا شرف الحق صاحب نے اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے نام پر رکھا تھا۔

مرحوم نے سیاسی زندگی کانگریس سے شروع کی۔ پھر فارورڈ بلاک میں نیتاجی سبھاش چندر بوس کے حلقے میں شامل ہوگئے اور پھر آخروقت تک جن سنگھ والوں سے اپنا پیچھا نہ چھڑا سکے۔

صابری صاحب نہایت گرم جذبات کے آدمی تھے۔ تقریر بھی وہ بڑی جوشیلی کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ذاتی طور پر بھی صاحب حیثیت بنایا تھا اوران کی برادری بھی صاحب حیثیت ہے۔ اس لیے مولانا نے کئی بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ قیام کا ٹھکانہ مدرسہ صولتیہ تھا۔ جس سے ان کا اپنے والد کے واسطے سے خاص تعلق تھا۔

صاحب تصانیف کثیرہ:

صابری صاحب نے تاریخ کے مختلف موضوعات پر چھیاسٹھ کے قریب بڑی اور چھوٹی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں تاریخِ صحافت، اردو۔ اور امام الہند مولانا آزادؒ جیسی اعلیٰ علمی کتابیں بھی شامل ہیں۔

تفسیر قرآن کریم پر بھی مولانا کی ایک کتاب مولانا سید سلیمان ندویؒ کی قرآنی غلطیاں ہیں۔ لیکن یہ کتاب دراصل اسلم جیراج پوری منکرِ حدیث (جامعہ ملیہ) کی تالیف ہے، جو انھوں نے اپنے نقطۂ نظر (اہل قرآن) سے مولانا ندویؒ کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرتے ہوئے لکھی ہے اور اسے اپنے شاگرد مولانا صابری

کے نام سے شایع کیا ہے، کیوں کہ تفسیر قرآن صابری صاحب کا موضوع نہیں تھا۔

مولانا آزادؒ پر مذکورہ کتاب مکتبہ رشیدیہ کراچی نے شایع کی ہے۔ میں اس کا ایک نسخہ کراچی سے لایا تھا۔ ہندوستان میں وہ کتاب نہیں ملتی۔

صابری صاحب نے یہ کتاب ۱۹۸۶ء میں لکھی، جس وقت مولانا آزادؒ کے سیاسی مکتب فکر (انڈین نیشنل کانگریس) کے شدید مخالف تھے۔ اسی وجہ سے اس کتاب میں مولانا آزادؒ کی جامع الصفات زندگی کے ہر پہلو پر سیر حاصل تبصرہ ملتا ہے۔ مگر ان کے سیاسی نظریے کی طرف سے مکمل طور پر صرف نظر کیا گیا ہے۔

البتہ یہی غنیمت ہے کہ صابری صاحب نے اپنے مخالف کانگریس نظریے سے متاثر ہوکر مولانا آزادؒ کی زندگی کے طویل سیاسی دور کو ہاتھ نہیں لگایا، صرف ٹنڈن جی کے خلاف مولانا کی تقریر کے اقتباس نقل کردیئے اور تعلیمی عہد اور وزارت کے چند کارناموں کا ذکر کردیا۔

اس کتاب پر ابوسلمان شاہ جہان پوریؔ (حال کراچی) نے ابتدائی تعارف لکھا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صابری صاحب نے یہ کتاب پاکستان میں اشاعت کے لیے مرتب کی تھی اور یہ مولانا آزادؒ صدی کا موقع تھا اور اس وقت صابری صاحب کا قیام بھی اپنے سالے صاحب کے مکان پر تھا جو کراچی کے ایک کامیاب تاجر تھے۔

استاد ابراہیم ذوق کا مزار:

صابری صاحب نے اپنی ڈپٹی میئر شپ میں استاد ذوقؔ کے مزار کے اوپر بنی ہوئی سرکاری ٹٹیوں کو ہٹوانے اور مزار کو دوبارہ تعمیر کرانے کی بڑی کوشش کی، مگر اس میں انھیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

مرحوم نے مجھے اپنے (ڈپٹی میئر) کے کمرے میں بلاکر افسران کے سامنے یہ کہا کہ اس مزار کو گندگی سے بچانے کے لیے جو لکھت پڑھت میں نے کی ہے اس کا اتنا موٹا فائل بن گیا ہے، مگر افسران آج کل کررہے ہیں، میں اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا

ہوں؟

میں نے ابھی حال میں ذوقؔ صاحب کے احاطے پر بنی سرکاری ٹٹیوں کو دیکھا تو اب ان پر دومنزلہ ٹٹیاں نظر آئیں۔یعنی دلّی حکومت کا سیکولر کردار اور زیادہ بلند ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء کے قیامت خیز ہنگاموں میں دلّی والوں کو اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، بھلا ان حالات میں قبرستان کی کون خبر رکھتا؟

حکیم عبدالحمیدؒ کا کام:

۱۹۳۴ء میں خواجہ باقی باللہؒ کے احاطے میں جب حکیم صاحب موصوف کے بھائی حافظ عبدالوحید مرحوم کے مزار کی تعمیر ہو رہی تھی۔اس وقت اس احاطے میں ایک احاطۂ ہمدرد کے نام سے قایم کیا گیا، جو موجود ہے۔

ان ہی دنوں حکیم امجد علی خاں سے حکیم صاحب نے استاد ذوق کے مزار کا ذکر کیا، حکیم صاحب نے استاد ذوق کے مزار کی حالت کو دیکھا اور اسے خستہ حال پایا۔

چناں چہ حکیم عبدالحمید صاحبؒ نے احاطۂ ہمدرد کی تعمیر کے بعد استاد ذوق کے احاطے کو درست کرنے کی طرف توجہ دی۔استاد کے خاندان کی قبروں کو جو اس وقت احاطے سے باہر تھیں، انھیں احاطے میں شامل کر کے انھیں محفوظ کرا دیا، استاد کے مزار پر کتبہ لگوایا گیا اور احاطے پر بھی ایک کتبہ لگوایا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعات دارالحکومت کے مصنف نے ۱۹۱۹ء میں استاد اور ان کے مزار کی جس خستہ حالی کا ذکر کیا تھا وہ ۱۹۳۴ء میں حکیم عبدالحمید صاحب کی توجہ سے دور ہوئی۔مگر ۱۹۴۷ء کی قیامت نے استاد ذوق کی ظاہری شان کو ختم کر کے ہی چھوڑا۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو قبر بے نام ونشان ہو جائے یہ اس بات کی شہادت ہے کہ اس صاحب قبر کی مغفرت ہو گئی۔

حکیم عبدالحمید صاحبؒ استاد کے مزار کی مرمت کرارہے تھے تو اندر سے یہ روحانی صدا آرہی تھی

کیا دیکھتا ہے ہاتھ میرا چھوڑ دے طبیب
یاں جان ہی بدن میں نہیں نبض کیا چلے

شاید استاد ذوق نے یہ شعر اس وقت کے لیے کہا تھا۔

صابری صاحب اور الیکشن:

جمہوری نظام میں الیکشن جمہوری نظام کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے الیکشن اور سیاست لازم وملزوم بن گئے ہیں۔ صابری صاحب ایک سیاسی لیڈر کے طور پر الیکشن سے بھی ایک خاص دل چسپی لیتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ صابری صاحب کو الیکشن لڑنے کا بہت شوق ہے۔

صابری صاحب نے کئی مرتبہ مقامی کارپوریشن کا آزاد الیکشن لڑا، مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ البتہ جن سنگھ کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کر لی۔ اسی دور میں کارپوریشن کے ڈپٹی میئر بھی بنائے گئے۔

ایک دفعہ کوچہ پنڈت سے آزاد کھڑے ہوگئے..... علاقے میں کنویسنگ کے لیے دورہ کرتے تھے، ایک گستاخ نے اس الیکشن میں جو صابری صاحب کے لیے غیر علاقہ تھا، ان کے خلاف تقریر کرتے ہوئے استاد داغ کا یہ شعر پڑھا تھا ۔

ہے عین وصل میں بھی میری آنکھ سوئے در
لپکا جو پڑ گیا ہے اسے انتظار کا

الیکشن کی ساری مہم میں دلی کے اس محاورے کا چرچا رہا کہ "لپکا جو پڑ گیا ہے۔ صابری صاحب کو لپکا ہو گیا تھا۔

شیخ حاجی منصور الزماں صدیقی:

شیخ صاحب کراچی کی صدیقی برادری کے صدر ہیں، اور آپ نے دینی کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک صدیقی ٹرسٹ قایم کر رکھا ہے جو اب تک سیکڑوں کتابچے

بلا قیمت تقسیم کر چکا ہے۔

شیخ صاحب کو جامعہ رحیمیہ مہندیان (مرحوم) سے بڑی عقیدت تھی اور بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ہر سال کراچی والے معقول مالی امداد اس مدرسے کی کرتے تھے۔ شیخ صاحب کی رائے درست تھی کہ اس مدرسے کی ایک باقاعدہ انتظامی کمیٹی بنادی جائے ورنہ ایک فرد (علی محمد میوات) کے ہاتھوں میں مدرسے کی حفاظت ممکن نہیں۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

میرے کراچی کے قیام میں شیخ صاحب نے مجھے ازراہ اخلاق دعوت دی اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں میری تالیف کی بہت تعریف کی اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ میں اپنے ٹرسٹ کی طرف سے یہ کتاب چھپوا کر پاکستان میں تقسیم کروں گا، کیوں کہ اس مسلم ملک میں بدعات مکروہہ کا بڑا دور دورہ ہے اور یہاں اصلاحی کتابوں کی سخت ضرورت ہے۔

ربیع الاول کا جلوس:

صابری صاحب نے دلّی میں ۱۲؍ ربیع الاول کے جلوس کی بدعت میں صرف سیاسی مصلحت سے دل چسپی لی، ورنہ مرحوم ایک راسخ العقیدہ آدمی تھے اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے خیالات میں شیخ طریقت ہونے کے ناطے جو نرمی تھی وہ اسی نرمی سے استدلال کرتے تھے اور حاجی صاحب کی مشہور کتاب ''ہفت مسئلہ'' کا حوالہ دیتے تھے۔ چناں چہ مولانا محمد یوسف صاحب فقیرؒ کے وصال کے بعد مرحوم کے ایک معتقد نے، جو پڑھے لکھے آدمی ہیں اور دلّی کالج میں اردو کے استاد ہیں، اپنے تعزیتی مضمون میں دائرہ کے تعویز کا ذکر کیا کہ مولانا مرحوم کو مولانا تھانویؒ سے دائرہ کے تعویز کی اجازت تھی۔

اس تعویز سے موت کا حادثہ بھی ٹل جاتا تھا۔ میں نے اس کی سخت تردید کی کہ اس غیر شرعی تصور (موت کا ٹل جانا) سے نہ صرف مولانا فقیرؒ جیسا توحید کا مبلغ بدنام ہوتا تھا

بلکہ حضرت تھانویؒ کے لیے بھی یہ بات بدنامی کا باعث تھی اور رضا خانی حضرات علمائے دیوبند پر جو الزامات لگاتے ہیں ان میں مزید ایک اور الزام کا اضافہ ہو جاتا۔

میری تردید پر مرحوم مولانا کے ایک عزیز حافظ فضل الرحمٰن (میونسپل کونسلر) نے میرے خلاف ایک مراسلہ شایع کر دیا۔

اس معاملے میں صابری صاحب نے مضمون نگار صاحب پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ مولانا یوسف صاحبؒ نے زندگی بھر مبتدعانہ تصورات کے خلاف جہاد کیا ہے، ان کی طرف یہ بات منسوب کرنا غلط ہے۔

علمائے کرام کے بارے میں اس قسم کی عقیدت مندانہ روش آگے چل کر دین حق کی تعلیمات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے اور اس قسم کی عقیدت مندی کو نظر انداز کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہؒ پر عبرت ناک زوال:

۱۹۴۷ء کے بعد زوال زدہ دلّی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تاریخی مدرسہ، مدرسۂ رحیمیہ کا احیا شاہ صاحبؒ کے روحانی تصرف کی ناقابل انکار شہادت تھی۔

یہ مدرسہ شاہ صاحبؒ کے قبرستان مہندیان میں قایم ہوا۔ قبرستان کے مجاور علی محمد میواتی سے قدرت نے یہ کام لیا۔

مدرسے کے قیام میں مفتی ضیاء الحق دہلوی (حال مقیم کراچی نے) بڑی محنت کی۔ مفتی صاحب کے بعد پانچ سال تک اس خاک سار نے بہ حیثیت مہتمم و استاد تفسیر مدرسے کی خدمت کی۔

پھر مجاور قبرستان شیر میوات کی نیت میں فتور آ گیا اور یہ شخص سعودیہ عربیہ سے کثیر مالی امداد نہ ملنے پر مایوس ہو گیا اور اس نے اساتذہ مدرسہ کو توہین کا نشانہ بنا کر مدرسے سے نکالنا شروع کر دیا اور یہ ناچیز بھی اپنی عزت بچا کر گھر بیٹھ گیا۔

اس شخص کو اپنی اولاد کے بارے میں یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ نااہل ہے، میرے

بعد کہیں یہ علمائے مدرسہ اس مدرسے پر قابض نہ ہو جائیں۔

چناں چہ اب وہ تاریخی قبرستان دلی کے دولت مندوں کا مدفن بن کر رہ گیا ہے۔ مدرسہ ختم ہو چکا ہے، چند میواتی لڑکے قرآن کریم پڑھتے ہیں۔ چندہ وصول کرنے کے لیے برائے نام چند استاد مقرر کر رکھے ہیں۔

شاہ صاحب کی توجہ و تصرف نے اپنی کرامت دکھادی۔ مگر ملت کی نااہلیت نے بھی اپنے تاریخی زوال کا ثبوت دے دیا۔

اب اگر دینی تعلیم کا معقول انتظام ہے تو دارالعلوم دیوبند اور بعض دوسرے بڑے مدارس میں ہے۔

چھوٹے چھوٹے مدارس و مکاتب صرف چندہ وصول کرنے کا ذریعہ ہیں۔ جامعہ رحیمیہ، شاہ صاحبؒ کا بیش قیمت کتب خانے کی کتابیں بازار میں لڑکے فروخت کررہے ہیں۔

یہ کتب خانہ بڑی محنت سے جمع کیا گیا تھا۔

باب (۱۱)

دلّی کی عباسی برادری

دلّی کی عباسی برادری بارہ دری شیر افگن، بَلّی ماران اور سوئیوالان جامع مسجد کے محلوں میں آباد ہے۔اس آبادی کا پرانا پیشہ وہی تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت صفوان ابن معطلؓ کا تھا!

حضرت صفوانؓ کا تعلق قبیلہ بنی سلمہ سے تھا جو مدینۂ منورہ کا ایک خاندان تھا، ان کا پیشہ پکھالوں کے ذریعے مدینہ کے گھروں میں پانی پہنچانے کا تھا۔

یہی وہ صحابی رسول ہیں کہ جب ان کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ صفوانؓ صبح کی نماز تاخیر کر کے پڑھتے ہیں، تو انھوں نے یہ عذر پیش کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک محنت کش خاندان کا آدمی ہوں۔ ساری رات پانی بھرنے سے تھک جاتا ہوں تو تھکن کی وجہ سے میری آنکھ صبح دیر میں کھلتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نصیحت کی:

''صفوانؓ! جب بھی تمہاری آنکھ کھلے نماز پڑھ لیا کرو۔'' (مشکوٰۃ ۲۸۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی محنت کشی کی رعایت کر کے نرم جواب دیا۔

(حضرت) صفوانؓ کا شمار بڑے بڑے بہادر صحابۂ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بڑے بڑے معرکوں میں حصہ لیا۔

عہد رسالت کے اس واقعے سے یہ معلوم ہوا کہ اس عہد میں بھی پیشوں پر حسب ونسب اور قوم و برادری کی بنیاد نہیں ہوتی تھی۔ ہر خاندان میں مختلف کام کرنے والے ہوتے تھے۔

مرادآباد کے عباسی:

دلی والوں نے تو مذہبی فتوے کے احترام میں اس نسبت کے استعمال میں احتیاط کی، مگر مرادآباد کی برادری کے لیڈروں نے اسے چلا دیا۔ مرحوم نذر محمد (خلف حاجی شمن حلوائی) کے اندر لیڈری کا شوق چھپا ہوا تھا اور نذر محمد بڑے سرگرم اور وفا شعار آدمی تھے، مرحوم اس نسبت کو دلی میں چلانے کی کوشش کرتے رہے۔

نذر محمد کے انتقال کے بعد برادری کی اجتماعی سرگرمیاں تقریباً ختم ہوگئیں۔ اس برادری کے نامور قومی کارکن حاجی شمس حلوائی تھے، جو علاقے کے مسلم لیگی حضرات کی ناراضگی کے باوجود کانگریس اور جمعیت علما کے ساتھ تعاون کرتے رہے اور ان کی فرم (حاجی شمن) کے نام سے دہلی کی مشہور فرم تھی۔

حاجی صاحب کاروباری جھٹکوں کے جھیلنے کے باوجود اپنی وضع داری پر قایم رہے۔ حاجی نذر محمد اور حاجی نور محمد حاجی شمس کے صاحب زادے تھے۔

نذر محمد کے صاحب زادے جمال محمد ہیں جو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ بھیا ظہیرالدین دودھ والے بھی بڑے سرگرم کارکن تھے۔

بارہ دری میں ایک صاحب اثر آدمی حاجی عبدالمجید تار والے تھے، یہ دونوں صاحبان مل کر دلی میں ہونے والی کانفرنسوں کے مہمانوں کے کھانے کا انتظام کیا کرتے تھے۔

مولانا احمد سعید صاحب" ضرورت پڑنے پر حاجی عبدالمجید کے پاس آیا کرتے تھے۔ حاجی شمن ایک اکھاڑے کے خلیفہ بھی تھے۔ انھی کے پاس پنجاب کے بڑے بڑے پہلوان آکر قیام کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے اسی برادری کے ایک رئیس حاجی کالے خان تھے جنھوں نے حویلی کلو خواص جامع مسجد میں ایک پرانی مسجد کی توسیع کرائی۔

اسی مسجد میں مولوی ڈاکٹر محمد فاروق صاحب واصفی محرم پر وعظ کہا کرتے تھے۔

واصفی صاحب نے مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ میں تعلیم حاصل کی ہے اور مفتی

صاحبؒ کے صاحب زادے مولانا حفیظ الرحمٰن واصف صاحبؒ کی نسبت سے واصفی لکھتے ہیں۔

مسلم مسافر خانہ بلّی ماران کے منیجر ہیں۔ ہر فن میں ید طولیٰ رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ موصوف کے اس دعوے کو چیلنج کیا جائے۔

اس قدیم برادری کے ایک واعظ خوش بیان مولوی نواب الدین نقش بندی ہیں، جن کی شخصیت مولانا محمد یوسف صاحب چوڑی والان کی صحبت سے شروع ہوئی۔ لوگ ان کے وعظ میں وہی نسوانی لوچ و لچک اور ٹھسک و چمک محسوس کرتے ہیں جو مسجد حوض والی کے وعظ میں تھی، پھر یہ مسجد فتح پوری کے خاندانی جھگڑے میں شریک ہوگئے اور مفتی مکرم احمد صاحب نے انھیں اپنے تمام معاملات پر حاوی ہونے سے روک دیا اور فتح پوری سے نکل کر اس سے بڑی مسجد (جامع مسجد) میں فروکش ہوگئے۔

جامع مسجد دلّی مذہبی مرکز سے زیادہ سیاسی مرکز بنی ہوئی ہے۔ یہاں کے قیام میں نقش بندی صاحب آل انڈیا سیاسی لیڈر ہوگئے۔ جامع مسجد کی سیاسی سرگرمیاں بابری مسجد کے مرحوم ہونے کے بعد مرحوم ہوگئیں۔ اس لیے نقش بندی صاحب کا مصرف اب صرف وعظ گوئی اور مسجد صفدر جنگ کی امامت رہ گئی ہے۔

نقش بندی ذاتی طور پر بڑا شریف اور ہنس مکھ انسان ہے۔ دھوکہ دھڑی والا انسان نہیں ہے، پچھلے دنوں جامع مسجد کی طوطا چشمی کی شکایت اس غریب آدمی کی زبان پر تھی۔

بادشاہ پہلوان مرحوم اس حلقے کی صدا بہار شخصیت تھے۔ تبلیغی جماعتوں میں دور دور جاتے تھے اور خوب وعظ کہتے تھے۔ دلّی میں نقالوں اور مسخروں کی ایک ٹولی تھی۔ بادشاہ پہلوان اس ٹولی کی یادگار تھے، اس کمیونٹی کے ایک دانش ور الحاج ڈاکٹر محمد نصیب دہلوی ہیں، جو ہندوستان کی وزارت سائنس کے مشیر تھے، ابھی حال ہی میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے ہیں۔

آج کل ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کی تعلیم کا جدید پروگرام چلا رہے ہیں۔ ڈاسنہ

(یوپی) میں ایک قطعۂ اراضی حاصل ہوگئی ہے۔اس میں ایک مدرسہ تعمیر کیا جائے گا۔
ڈاکٹر صاحب اپنے پروگرام کے تحت ملک میں مختلف علمی اور دینی رہنماؤں سے ملاقات کر رہے ہیں۔اس محنت کش برادری میں اب موٹر پارٹس کا کاروبار ہوتا ہے۔

مردھا برادری، داداالطاف:

مردھا برادری بارہ ہندوراؤ کے ٹائر والوں کا کہا جاتا ہے، مردھا اصل میں میر دھن تھا، مغلوں کی طرف سے خزانچی کے عہدیدار کو میر دھن کا خطاب دیا جاتا تھا۔ جس طرح میر آتش، توپ خانہ کا نگراں۔میر آب، باغ کے پودوں کو پانی دینے والا۔ میر شکار، شکار کا انتظام کرنے والا۔

میر کا لفظ امیر کا مخفف ہے، پہلا مغل حکم ران اپنے آپ کو امیر تیمور کہتا تھا، سلطان بادشاہ کا لفظ استعمال نہیں کرتا تھا۔

امیر تیمور کی اولاد امیر زادہ کہلائی، پھر یہ لفظ مخفف اور ہلکا ہوگیا اور مرزا رہ گیا۔

ایران میں مرزا صاحب اور میر صاحب سادات کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابتدائے اسلام کے خلفائے راشدین امیر المومنین کے خطاب سے سرفراز کیے جاتے تھے، کیوں کہ اسلام میں ملوکیت اور بادشاہت کا تصور نہیں ہے۔

برطانیہ کے حکم ران ملک معظم کہلاتے تھے اور خاتون بادشاہ کو ملکۂ معظمہ اور ملکۂ عالیہ کہا جاتا تھا اور اب بھی برطانیہ کے روایتی شاہ کو اسی لقب سے پکارا جاتا ہے۔

حکم ران کے لیے اسلام کی اصطلاحی لفظ خلیفہ ہے، کیوں کہ وہ مالک حقیقی کا نمائندہ اور نائب ہے اور اسی حیثیت سے خدائی قانون کو نافذ کرتا ہے، اپنا حکم نہیں چلاتا۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

مردھا برادری راجستھان میں پائی جاتی ہے، اس برادری کے کئی ہندو سیاسی لیڈر مشہور ہیں۔

باڑہ ہندوراؤ میں مسلم مردھا برادری کے باپ دادا راجستھان سے کب دہلی آئے؟ اس میں تاریخ خاموش ہے۔

اس برادری کے نمایاں لوگوں میں دادا الطاف مرحوم تھے جو سرگرم کانگریسی اور جمعیتی کارکن تھے۔

عاشقین صاحب ٹائر والے مشہور سرگرم سماجی کارکن تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کے حالات میں عاشقین صاحب نے بڑی سرگرمی کے ساتھ کانگریس اور جمعیت علما کے ساتھ مالی اور اخلاقی تعاون کیا۔

اس برادری کی مسجد (جو اصل میں مولانا کرامت اللہ خان کی مسجد ہے) میں مولانا مشرف احمد صاحب مرحوم امام رہے ہیں۔ اب اس میں ان کے صاحب زادے مولانا محمد میاں صاحب ثمر امام ہیں اور پیر بھی ہیں۔

پرانی دلی میں ایک محلّہ (مردھان) ہے، یہ محلّہ لال کنویں سے فراش خانہ جاتے ہوئے الٹے ہاتھ پر فراش خانے سے پہلے پڑتا ہے۔ اس محلے میں مفتی محمد مظہر اللہ صاحبؒ کے چچا مولانا عبدالرشید صاحبؒ رہتے تھے۔

مولانا عبدالرشید صاحبؒ ہی فتح پوری کے امام تھے، انھوں نے امامت چھوڑ کر اپنے بھتیجے مولانا مظہر اللہ صاحبؒ کو امام مقرر کر دیا تھا اور خود گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

باب (۱۲)

پراچہ برادری اور مولانا محمد ایوب منطقیؒ

دلی کی پراچہ برادری کپڑے کی تجارت میں مشہور تھی۔ اس برادری کے آباؤ اجداد، پنجاب کے ہندو کھتری تھے۔ کھتری برادری کا اصلی کام سنہار کا تھا۔

اس برادری کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل تاریخوں میں نہیں ملتی۔ البتہ سر تھامس آرنلڈ نے لکھا ہے کہ پنجاب کے مغربی علاقوں میں حضرت شیخ بہاء الدینؒ ملتانی (سہروردی) اور حضرت بابا فریدؒ پاک پتنی کی روحانی قوت سے اسلام پھیلا۔ حضرت بابا صاحبؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والی ہندو قوموں کی تعداد اس نے سولہ لکھی ہے۔

یہ چودھویں صدی عیسوی کی ابتدا ہے، ان سولہ قوموں میں ظاہر ہے کہ آج جو نو مسلم پنجابی قومیں موجود ہیں، وہی قومیں اسلام سے سرفراز ہونے والوں میں شامل ہیں۔

ان قوموں میں ایک پراچہ قوم بھی ہے جو پنجاب میں ایک بااثر حیثیت رکھتی ہے، اسی قوم کے افراد اپنی صنعت کاری کے سلسلے میں دہلی آئے۔

پراچہ برادری کے سلسلے میں:

واقعات دارالحکومت کے مصنف کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ اس نے کوچۂ قابل عطار چاندنی چوک کے قریب ایک محلے میں فرنیچا اس نام کی ایک قوم کا ذکر کیا ہے، حالاں کہ کوچۂ قابل عطار کے پاس ایسا کوئی محلہ نہیں جہاں اس عجیب وغریب نام کی کوئی قوم آباد ہو۔ یہ دراصل پراچہ لفظ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ کوچۂ قابل عطار اس برادری

کی خاص رہایش گاہ تھی۔

اس برادری کے ایک مشہور حلوہ ساز حاجی عبدالحمید شاہی حلوہ سوہن والے تھے۔ان کی دکان چاندنی چوک میں واحد دکان تھی جہاں سے شاہی حلوہ سوہن دور دور تک جاتا تھا۔

کھاری باؤلی میں ایک محلہ مجید پارچہ کے نام سے ہے، یہ لفظ پارچہ بہ معنی کپڑا ہے۔اسی سے پراچہ کا لفظ بنا ہے،اس محلے کا بھی اس برادری سے تجارتی یا رہایشی تعلق رہا ہوگا۔

مولانا محمد ایوب صاحب منطقیؒ:

اس برادری میں مولانا محمد ایوب صاحبؒ ایک بڑے منطقی عالم تھے، فلسفہ اور منطق میں ان کا مقابلہ مولانا عبدالسلام صاحب نیازیؒ سے کیا جاتا تھا،فرق صرف یہ تھا کہ مولانا ایوب صاحبؒ پابند شرع عالم تھے،البتہ منطقی کے لقب سے مشہور تھے۔

مولانا کے متعلق یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان کا علمی تعلق کس علمی سلسلے سے تھا۔ کراچی سے بعض ان کی مختصر کتابیں، (قرآن مجید کی چھوٹی سورتوں کی تفسیر بہ نام تفسیر ایوبیہ) شایع ہوئی ہیں، مولانا کی رہایش کوچۂ قابل عطّار میں تھی، اور یہ پرانی ساڑھیوں کی تجارت کرتے تھے اور یہ ساڑھیاں ٹوپیوں کے استر میں کام آتی تھیں اور پراچوں میں ٹوپیاں بنانے کا کام بھی ہوتا تھا۔

شیخ عبدالحق پراچہ:

اس برادری کی مشہور سماجی شخصیت عبدالحق پراچہ تھی، ان کی ساری زندگی قومی کاموں کے لیے وقف رہی، کانگریس اور جمعیت علما سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ دلی اسٹیٹ جمعیت علما کے ناظم بھی رہے۔

مرحوم کو دفتری کاموں کا بڑا سلیقہ تھا۔اس لیے مرکزی جمعیت علما کے بڑے

بڑے جلسوں میں دفتری انتظام میں تعاون کرتے تھے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ کی خدمت میں پراچہ صاحب ایک گھر کے فرد کی طرح رہتے تھے۔ پراچہ صاحب کی اہلیہ اسلام کی ان قابل فخر بیٹیوں میں سے ہیں جو مشکل حالات میں صبر وقناعت کے ساتھ اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتی ہیں اور گھر سے پریشانی کی بھاپ بھی باہر نہیں آنے دیتیں۔

چناں چہ پراچہ صاحب کے بچوں کو پروان چڑھانا اسی قناعت شعار رفیقۂ حیات کا کارنامہ ہے۔ اب وہ اپنے بچوں کی بہار دیکھ رہی ہیں۔

اس پراچہ خاتون کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ دینی خدمات کا سلسلہ ہو یا سماجی اور قومی خدمات کا میدان ہو، اس میں مردوں کی کامیابی کا سہرا خواتین کے سر ہے جنھوں نے اولاد کی پرورش کے سلسلے میں اپنے مردوں کو زیادہ پریشان نہیں کیا اور گھر داری کے چلانے میں اپنے مردوں کے ساتھ شرکت کی۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا گھر میں کچی کھالیں دھوتی تھیں اور اس کام کی اجرت میں سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شہد منگا کر رکھتی تھیں اور آپ جب تشریف لاتے تو آپ کی خدمت میں وہ شہد پیش کرتی تھیں۔

پراچہ صاحب کے ساتھی حکیم صاحب:

مرحوم نے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں سے متاثرہ علاقوں (نجف گڑھ، راجستھان) میں ضرورت مند مسلمانوں کی خدمت کا کام بڑی تندہی کے ساتھ کیا۔ حکیم سید حسین دہلوی (لال محل بستی نظام الدینؒ) ان کے رفیق کار تھے۔

حکیم صاحب مرحوم پولیس سے ریٹائر ہونے کے بعد جمعیت علما کے کاموں سے دل چسپی لینے لگے تھے اور آخر دم تک مرحوم نے خدمت کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی طرح مولانا اسعد میاں صدر جمعیت علمائے ہند

حکیم صاحب ہی کو راجستھان وغیرہ مسلمانوں کی قانونی امداد کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

حکیم صاحب بڑے ملنسار طبیعت کے آدمی تھے، درگاہ اجمیر شریف کے پیرزادگان میں بھی ان کا بڑا اثر تھا۔ پیرزادہ تقدس حسین مرحوم کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ حکیم صاحب کے کہنے پر تقدس صاحب نے مجھے حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ کی یوم ولادت کی تقریب میں تقریر کے لیے مدعو کیا اور دیوبندی طرز فکر کا میں واحد مقرر تھا، جس نے بیگمی دالان میں حضرت اجمیریؒ کے حلات پر تقریر کی اور تمام خدام اور پیرزادگان نے اس میں شرکت کی۔

پراچہ صاحب مصائب کے پے در پے حملوں سے نڈھال ہوکر دل کے عارضے میں مبتلا ہو گئے تھے اور پھر کراچی میں جب ان کی مٹی نے آواز دی تو انھوں نے لبیک کہا اور جس سرزمین کی مخالفت کرتے رہے تھے وہیں جا کر آسودۂ رحمت ہو گئے [1]۔

حکیم صاحب مرحوم، مولانا اسعد مدنی صاحب کی عیادت کے لیے ولنگڈن ہسپتال جا رہے تھے کہ سڑک پھلانگتے ہوئے اسکوٹر کی جھپٹ میں آ گئے اور کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ بڑھاپا تھا، ہمت کے جوان تھے، مگر اعصاب تو کم زور ہو گئے تھے، چناں چہ اسی تکلیف میں کئی مہینے صاحب فراش رہ کر خدا کو پیارے ہو گئے۔

پراچہ صاحب کے اندر یہ جذبہ تھا کہ دلی کے نوجوان قومی سرگرمیوں میں حصہ لیں، چناں چہ انھوں نے اپنے گرد دلی کے کئی نوجوانوں کو جمع کر لیا تھا، یہ نوجوان آج قومی زندگی میں شریک ہیں۔

یہ برادری مجموعی طور پر راسخ العقیدہ ہے۔ مذہبی بدعات سے مکمل طور پر محفوظ ہے۔ کراچی میں اس برادری کے تاجر کپڑے کی بڑی تجارتوں کے مالک ہیں۔

---

[1] شیخ عبدالحق پراچہ کی قبر کراچی کے انجمن مسلمانان پنجاب قبرستان میوہ شاہ میں ہے۔ اور ان کی قبر کے کتبے پر خادم جمعیت علماے ہند کے الفاظ کندہ ہیں۔ (شریفی)

پراچہ صاحب کا علمی ذوق:

پراچہ صاحب اصل میں اکاؤنٹ کے ماہر تھے، لیکن اسی کے ساتھ انھیں لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا بھی شوق تھا۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ کی مجالس تفسیر و وعظ کی مستقل شرکت نے ان کی معلومات کو مستند بنایا تھا۔

اپنے علمی شوق کو پورا کرنے کے لیے مرحوم نے بے سرو سامانی کی حالت میں ایک ادبی ماہ نامہ ''جمیل'' کے نام سے جاری کیا، جس کی ادارت علامہ سید اخلاق حسین دہلویؒ کرتے تھے۔ یہ ماہ نامہ کافی عرصے جاری رہ کر بند ہوگیا۔

دلی کی دو مشہور ہستیاں پراچہ صاحب کا بڑا خیال رکھتی تھیں، ایک میر مشتاق احمد صاحب اور دوسرے حاجی محمد فاروق صاحب۔ پراچہ صاحب میر مشتاق احمد صاحب کے کمرۂ اردو بازار جامع مسجد میں روزانہ پابندی سے ڈیوٹی کے طور پر جاتے تھے۔

اب پراچہ صاحب کے بڑے صاحب زادے بی جے پی کے منتخب وقف بورڈ کے چیئر مین ہیں، جو پارٹی کی اندرونی چپقلش کی زد میں ہیں۔ سکندر بخت صاحب کو ان کے والد کی سیاسی اور سماجی خدمات کا علم ہے، اس لیے وہ پراچہ صاحب کی اپنی اولاد کی طرح حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

جہاں تک دلی کے کانگریسیوں کا سوال ہے تو ان کی خوشامد پسند ذہنیت کے نتیجے میں پیدائشی کانگریسی کانگریس سے دور ہوگئے، اور دلی میں نااہل اور بے اثر سیاسی ورکر اقتدار پر بٹھا دیئے گئے اور مسٹر بھگت جی جو دلی کے مغل اعظم کہلائے جاتے تھے (اب نہیں) ان کے دور میں دلی کی کانگریس بااثر اور باصلاحیت مسلم حلقے میں ختم ہوگئی۔

دلی کے کانگریسی لیڈروں میں جے پرکاش اگروال ایک صاحب کردار آدمی ہیں۔ ان کے والد رام چرن دلی کارپوریشن میں آزاد ممبر تھے اور کانگریسی ممبروں پر وہ سخت نکتہ چینی کرتے تھے۔ مگر جب کبھی میں علاقے کے کسی کام کے لیے ان کے پاس

گیا تو انھوں نے مجھے عزت دی اور افسران کو ہدایت کی کہ وہ میرے کام پر توجہ دیں۔ حالاں کہ میں کانگریسی ممبر تھا۔

اسی طرح اگروال صاحب مولانا محمد سعید صاحبؒ میونسپل کونسلر (ابن مولانا احمد سعید دہلویؒ) کا احترام کرتے تھے اور آتے جاتے کوئی خدمت، کوئی سیوا کے الفاظ سے مولانا کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

ہندوستانی سیاست پر زوال:

اہل اقتدار کے اندر خوشامد پسندی کے آنے سے ہندوستانی سیاست زوال میں گھر گئی ہے۔

انتخابات ۱۹۹۹ء میں انگریس پر مکمل انحطاط طاری ہو گیا ہے اور ذات پات کی طاقتیں اور قدامت پسند جارحانہ قوتیں نئی دہلی کے تخت پر اپنے قدم جمارہی ہیں۔

ہندو راشٹر اس افراتفری سے فایدہ اٹھا کر ہندوستان کے سیکولرازم کو ختم کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔

دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے؟

(۱۱۰ کتوبر ۹۹ء)

باب (۱۴)

خیاط برادری اور ماسٹر محمد عمر

کپڑے سینے والے اہل حرفت کو درزی، خیاط اور ٹیلر ماسٹر کہا جاتا ہے۔ درزی عربی لفظ درز سے مشتق کیا گیا ہے۔ عربی میں درز کے معنی کپڑا سینے کے آتے ہیں۔ اردو والوں نے درز سے اسم فاعل کا صیغہ درزی بنایا ہے۔

شام کے علاقوں میں دروز نام کی ایک قوم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس قوم میں کپڑے سینے کا کام ہوتا ہو؟

درزی صوفیا کے ایک سلسلے کا لقب بھی ہے، یہ سلسلہ ابو محمد عبداللہ درزی سے چلا ہے۔

فارسی والوں نے اس عربی لفظ سے درزن بنایا ہے جس کے معنی فارسی میں سوئی (سلائی کا آلہ) کے ہیں۔ خیاط بھی عربی لفظ ہے، اس کے معنی بھی سینے کے ہیں۔ یہی مفہوم انگریزی لفظ ٹیلرنگ کا ہے۔

دلّی میں درزی صاحبان کی کوئی برادری نہیں ہے، مختلف برادریوں کے لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ البتہ چاندپور (ضلع بجنور) میں درزی صاحبان ایک برادری کی شکل میں منظم ہیں۔

دلّی کے قدیم ٹیلر:

دلّی کے پرانے مشہور ٹیلر ماسٹر محمد عمر (موری گیٹ) تھے۔ محمد عمر صاحب دلّی کے رئیسوں، سرکاری افسروں اور وزرا کے سوٹ اور شیروانیاں سیتے تھے، انھیں بڑی شہرت حاصل تھی۔ میر عثمان علی خاں نواب حیدرآباد کی شیروانیاں بھی یہی سیتے تھے۔ کاریگران کے ہاں کام کرتے ہوئے گھبراتے تھے کیوں کہ یہ بڑی نزاکت کے

ساتھ کپڑے سلواتے تھے۔ دلی کے لوگ ان کے ذریعے افسران تک اپنی سفارشیں پہنچایا کرتے تھے اور افسران اور حکام ان کی بات مان لیا کرتے تھے۔

ماسٹر محمد حسین کی دکان چاندنی چوک میں تھی، اب ان کے لڑکے اقبال صاحب یہ کام چلا رہے ہیں۔

شیروانیاں سینے میں بھائی شفو ٹیلر بھی مشہور تھے۔ جو بَلی ماران میں بیٹھتے تھے۔ دلّی میں اب شیروانیاں سینے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔ کیوں کہ دلّی میں شیروانی کا رواج نہیں رہا۔ صرف شادی بیاہ کے لیے پرانے خاندان شیروانیاں سلواتے ہیں۔

اب ہندوستان میں تین جگہ کی شیروانیاں مشہور ہیں، حیدر آباد، علی گڑھ اور دیو بند۔ دیو بند کی شیروانیاں ڈھیلی ڈھالی، مولویانہ طرز کی ہوتی ہیں اور دوسری جگہوں سے یہاں کی سلائی سستی ہے۔

دلّی کے پرانے ٹیلر ماسٹر حاجی اسلام الدین (آزاد ٹیلرنگ بَلی ماران) کے صاحب زادے ماسٹر غیاث الدین جدید قسم کی شیروانیاں سیتے ہیں، جو امریکہ اور انگلینڈ جاتی ہیں۔ ان کی دکان فراش خانے میں گول والی مسجد کے پاس ہے۔ یہ عمدہ سلک کی شیروانیاں ہوتی ہیں، جن کے دونوں سامنے کے پلوؤں میں بیلیں کڑھوائی جاتی ہیں اور کالر پر بھی بیل ہوتی ہے۔

ان کے ساتھ سلک کے چوڑی دار پاجامے ہوتے ہیں۔ امریکہ کے مسخروں میں یہ فیشن چل پڑا ہے۔

کرتوں کے ایک ٹیلر ماسٹر نور احمد اور ان کے بھائی ہیں، جن کی دکانیں فراش خانے میں واقع ہیں۔

انگرکھا:

شاہی دور کا ایک البیلا لباس انگرکھا تھا، جو انسان کے انگ انگ (ایک ایک

حصے) کو خوب صورت بنا دیتا تھا، یہ انگرکھا ہندو اور مسلمان دونوں قومیں شاہی دربار میں پہن کر جاتی تھیں۔

ہندو مسلمان کا فرق آگے سینے کی طرف کھلنے والی جگہ سے ہوتا تھا، دائیں جانب مسلمانوں کا سینہ کھلا رہتا تھا اور بائیں جانب ہندوؤں کا کھلتا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انگرکھے نے شیروانی کی مختصر اور معقول صورت کب اختیار کی۔

شیروانی کی مختصر اور آدھی صورت تو یورپ سے کوٹ کے نام سے ہندوستان میں داخل ہوئی جو پتلون کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ عرب کے ڈھیلے ڈھالے لباس نے انگرکھے کی صورت میں اپنے وجود کو سمیٹا ہو اور یہی اختصار سمرقند و بخارا کے ڈھیلے ڈھالے چوغوں اور جبوں نے اختیار کیا ہو۔

کالر والی جواہر کٹ صدری تو شیروانی کی بیٹی ہی معلوم ہوتی ہے اور اس نے ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں اپنی فتح مندی کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کی بات ہی کیا ہے۔ ہر طرف اس کی جے ہو رہی ہے۔

جناح صاحب کے پیروکار آزادی کی تحریک میں جواہر کٹ صدری پر ناک مارتے تھے، اور اب وہی صدری جناح صاحب کے ملک میں علمائے کرام و لیڈران قوم دونوں کا محبوب لباس بن گئی ہے۔ البتہ پاکستان میں کف دار قمیص کے اوپر پہنی جاتی ہے اور ہندوستان میں سیدھی آستینوں والے کرتوں پر پہنی جاتی ہے۔

حافظ زکریا صدری والے:

دلی میں کھلے گلے کی (انگریزی) صدریاں بھی بنتی تھیں، اس کام کے بڑے کارخانے رودگران اور مدرسہ میر جملہ (لال کنواں) میں قایم تھے۔ رودگران میں سیٹھ جی کا کارخانہ تھا۔ حافظ صاحب فی سبیل اللہ سنتو جی کی مسجد میں امامت کرتے تھے اور گذر معاش کے لیے گھر میں صدریاں سلواتے تھے۔ لاولد تھے، گھر میں بچوں کو

قرآن کریم پڑھاتے تھے۔ علاقے کے کافی بچوں کو انھوں نے حافظ بنادیا۔ جمعہ کو مسجد میں وعظ کہتے تھے۔ مولانا ابراہیمؒ کی مجلس وعظ (مدرسہ حسینیہ) کے حاضر باش تھے۔ انھی کی کتابوں (احسن المواعظ وغیرہ) سے وعظ کہتے تھے۔

عصر کی نماز کے بعد بازار کی ایک ایک دکان سے ایک ایک آنے کا چندہ خود وصول کرتے اور اس سے مسجد کا خرچہ چلاتے تھے۔

اہلِ حدیث مسلک کے مطابق عیدین کی نمازیں مسجد ریلوے لائن (فراش خانہ) میں صبح ہی صبح پڑھایا کرتے تھے۔

ایس، ایم عبداللہ صاحب (پنجابی) حافظ صاحب کی مدد کرتے تھے۔ عبداللہ صاحب اہل حدیث تھے، مرحوم دلّی میونسپل کمیٹی کے بڑے باوقار ممبر تھے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامی دور میں بھی کمیٹی کے جلسوں میں بڑی بے باکی کے ساتھ بولتے تھے۔ فتح پوری کے ایک کمرے (بہ جانب چاندنی چوک) میں ان کا ایک کاروباری دفتر تھا۔

حافظ صاحب بدعات کے خلاف بہت سخت وعظ کہتے تھے۔ اسی لیے ہمارے بزرگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ مولانا احمد سعیدؒ اپنی نظامت کے زمانے میں جب دلّی گلی قاسم جان میں مقیم ہوتے تو اسی مسجد میں حافظ صاحب کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

دلّی کے گھریلو کام:

دلّی کی عورتیں کھانے، پکانے اور بچوں کی پرورش کے ساتھ ساتھ دستکاری کے چند کام خالی اوقات میں انجام دیتی تھیں۔ اور اس طرح شوہر کو مالی تعاون بہم پہنچاتی تھیں۔

(۱) سینے پرونے اور کیکری کتاؤ کا کام۔ (۲) زردوزی اور کارچوبی کا کام۔
(۳) کام دانی کا کام۔ (۴) گوٹہ اور پیمک بننے کا کام۔

کام دانی کا کام صرف ہندو خواتین کرتی تھیں اور زردوزی، سلائی و کیکری اور گوٹا

بننے کا کام مسلم خواتین کرتی تھیں۔

کیکری کٹاؤ کا کام:

ہمارے محلے (شیخ چاند) میں ایک خالہ ''آبادی'' تھیں، ان کا اصل نام منور جہاں تھا، ماسٹر انعام صاحب کی دادی صاحبہ تھیں، انعام صاحب انگریزی کے مشہور ٹیوٹر ہیں۔ خالہ ''آبادی'' سلائی کے کرتے گھروں سے لاتی تھیں اور مختلف عورتوں سے کام کراتی تھیں، ان میں ہماری والدہ بھی تھیں۔ کیکری کٹاؤ رفل، وائل اور ململ کے کرتوں پر ہوتا تھا۔

میری والدہ مرحومہ کیکری کے کام کی ماہر تھیں، میرے والد چھ لڑکوں اور ایک لڑکی کو چھوٹا چھوڑ کر خدا کو پیارے ہوئے تھے۔ مرحوم کتابت کا کام کرتے تھے اور یہ کام مستقل بیٹھک کا ہے جس کی وجہ سے کاتب پیٹ کے بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

والد مرحوم آخر عمر میں لاہور کے ''پیسہ'' اخبار میں کاتب تھے، جب پیٹ کی بیماری نے بے کار کر دیا تب لاہور چھوڑ کر اپنے وطن دلّی واپس آئے اور انتقال فرما گئے۔

میری والدہ نے اسی ہنر (کیکری کٹاؤ) کے ذریعے اپنے بڑے پریوار کو پالا۔ ہاتھ کے ہنر سے گھر کی چہار دیواری میں بیٹھ کر غربت کی زندگی گزارنے کا طریقہ وسلیقہ اور صبر صرف اسلام کی وفا شعار بیٹیوں ہی کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ یہ صفت مشرقی عورتوں کے اندر عام تھی۔

ہماری دادی جان آخری وقت تک گھر کے کپڑے خود سیتی تھیں۔ آنکھوں کی بینائی کم ہوگئی تھی اور وہ اندھی سوئی سے کام چلاتی تھیں، اندھی سوئی کھلے ہوئے ناکے کی سوئی کا نام تھا جس میں تاگہ اوپر سے ذرا زور دے کر ڈالا جاتا تھا۔ ناکے کے اندر پرونے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

آج نئی روشنی کا حال یہ ہے کہ سلے سلائے ہر قسم کے کپڑے (ریڈی میڈ) بازار سے خرید لیے جاتے ہیں اور جہیز میں دی جانے والی سلائی مشینوں پر گرد و غبار پڑتا رہتا ہے۔

درزیوں کے قدیم محلے:

دلّی میں درزیوں کے دو قدیم محلے ہیں، ایک جامع مسجد پر پہاڑی درزیان اور دوسرا محلّہ گلی درزیان باڑہ ہندوراؤ۔ اب ان محلوں میں ملی جلی آبادیاں ہیں۔

چاند پور کی اصلاحی تحریک:

چاند پور ضلع بجنور کے درزی صاحبان کی تنظیم نے اصلاح رسوم کے سلسلے میں سخت پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ چاند پور کے ایک صاحب نے برادری کی پابندیوں کو توڑ کر اپنے بچے کے عقیقے میں دعوت کر دی تھی، اس نافرمانی پر برادری نے ان کا بائیکاٹ کر دیا اور اس ترک موالات میں اس قدر سختی کی گئی کہ جب ان کے ایک بچے کا انتقال ہوا تو ان کے نانا، نانی بھی اس حادثے میں شریک نہیں ہوئے۔

اصلاح رسوم میں اس قدر سختی شریعت اسلامیہ کو پسند نہیں، وہ صاحب مجھے دہلی سے لے گئے، ایک جلسے کا انتظام کیا گیا۔ برادری والوں نے اس جلسہ کے خلاف پولیس افسران سے حکم لے لیا اور یہ بتایا کہ اس جلسے سے شہر کا امن خراب ہو جائے گا۔
چاند پور پہنچ کر مجھے اس پابندی کا علم ہوا اور میں نے پولیس افسران سے بات کی اور انھیں اطمینان دلایا کہ یہ جلسہ آپس میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ہو رہا ہے، اس میں جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ تب وہ جلسہ ہو سکا۔
دلّی میں چاند پور کے خاندانی درزیوں میں پرانے استاد محبوب حسن خاں صاحب (ساکن گلی قاسم جان) اور ان کے لڑکے اختر حسین صاحب ہیں، جن کی کام

یاب فرم کملا نگر میں ہے اور ان کا شوکیس نئی دہلی میں واقع ہے۔ اس سال ماسٹر صاحب حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جارہے ہیں۔

دوسری مشہور ترین فرم ایمبیسی ٹیلرنگ ہاؤس (لال کنواں) ہے جس کے مالک محبوب حسن خاں صاحب کے بھتیجے محمد ادریس صاحب ہیں۔

عرب کا سادہ لباس:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کا تمدن سادہ اور فطری تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا لباس وہی تھا جو آج حجاج کرام کے احرام (دو چادریں) کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

تین ہزار سال بعد بھی اولاد اسماعیل (قریش عرب) کا لباس عام وہی دو چادریں تھیں۔ البتہ اوپر کی چادر کی جگہ کرتے (قمیص) کا روج بھی شروع ہوگیا تھا، قریش کے مردوں کے علاوہ قریش کی عورتیں بھی تہہ بند باندھتی تھیں۔ تہہ بند اور لنگی کو عربی میں ازار کہا جاتا ہے، مردوں اور عورتوں کی تہہ بند کی بندش میں یہ فرق ہے کہ مردوں کے لیے تہہ بند سے ٹخنے (کعبین) کھلے رکھنے کا حکم تھا اور عورتوں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ایک بالشت تہہ بند کو لٹکائیں تاکہ ان کے قدم بھی چھپے رہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب اللباس)

شمس العارفین دوائی والے:

کیکری کٹاؤ کے کرتوں پر ایک واقعہ یاد آیا، جو پنجابی برادری کے مشہور دوا والے شمس العارفین صاحب سے متعلق ہے۔ ان کی دکان فتح پوری کے نکڑ پر چاننا رام حلوائی کے برابر واقع تھی۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے والد اپنے ایک دوست کی نئی ریڑھی میں بیٹھ کر دوستوں کے ساتھ تفریح کے لیے نکلے، مجھے ساتھ لے لیا۔

دلّی کے ہوا باز پیسے والوں کو عمدہ ریڑھیاں بنا کر اور ان میں نہایت بڑھیا گھوڑے جوت کر سیر و تفریح کرنے کا شوق تھا..... ہوابازی کی یہ بھی ایک قسم تھی۔

یہ شوق اب جامع مسجد دہلی کے ہوٹل والوں میں باقی ہے۔ ان کی ریڑھیوں کی ریس (مقابلہ) آگرہ روڈ پر ہوتی ہے، بڑے بڑے داؤں لگتے ہیں۔ اور اس گھڑ دوڑ کے ساتھ شوقین مزاج الگ کاروں اور موٹروں میں بیٹھ کر اس تفریح کا مزا لیتے تھے۔

ہماری اس ریڑھی کا گھوڑا بڑا ہی شوق تھا، وہ فتح پوری کے سامنے بدک گیا اور ریڑھی پلٹ گئی۔

ریڑھی میں سوار جوان آدمی تو کود کر اتر گئے۔ میں چھوٹا تھا، میرا سر پھٹ گیا اور بہت چوٹ آئی۔

آس پاس کے دکان دار ہمدردی میں نیچے اتر آئے، دوائی والے پنجابی ہمدردی کے جوش میں اپنا نفیس کیکری کٹاؤ کا کُرتا اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر پھاڑ بیٹھے، اس قیمتی کُرتے میں سے پٹہ نکال کر دوا ڈالی اور میرے سر پر پٹی باندھ دی۔

عرصے تک لوگوں میں یہ چرچا رہا کہ فتح پوری کے دوائی والوں نے کتنا قیمتی کیکری کٹاؤ کا کرتہ پھاڑ کر ایک لڑکے کے سر پر باندھا۔

یہ وہ وقت تھا جب انسان کے دل میں انسان کے قدر و منزلت تھی۔ دلّی کی سڑکوں پر چلنے پھرنے والے بہت تھوڑے لوگ ہوتے تھے۔ آج کل انسان کے دل میں اپنے ہم جنس بلکہ ہم مذہب انسان کی قیمت بھی ایک مچھر سے زیادہ نہیں ہے۔

ممتاز احمد ایک دام والے:

اس حادثے کی ہمدردی میں جو دکان دار اپنے ٹھیے چھوڑ کر آ گئے تھے ان میں ایک دام والے حاجی جی بھی تھے۔

یہ ایک چمک دار سیاہ رنگ، سیاہ داڑھی، ماتھے پر نماز کا سیاہ گٹہ، سر پر ٹسر کے کام والی گول ٹوپی والے حاجی جی تھے۔

لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ ایک دام والے حاجی جی ہیں۔ عطاروں میں سے ہیں۔ حاجی ممتاز احمد ان کا نام ہے۔

ان ایک دام والے حاجی جی سے میرا تعارف اس وقت ہوا جب میں نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مسجد کوچہ استاد داغؔ چاندنی چوک میں صبح کی نماز کے بعد تفسیر قرآن پاک کا درس شروع کیا۔ کوچہ استاد داغ کا قدیم نام کوچہ نیچہ بندان تھا۔ اس محلے میں مشہور شاعر داغ دہلوی صاحب کبھی رہا کرتے تھے۔ حقوں کا نیچہ بنانے والے کاریگر بھی اسی محلے میں آباد تھے۔

آخری دور میں اس محلے کے باشندوں میں گوٹہ والوں کا خاندان جب دلّی مسلم لیگ کے قائدین میں شامل ہوا تو محلے کے قدیم نام (نیچہ بندان) کی جگہ کوچہ استاد داغ کے نام کو شہرت دی گئی۔ ورنہ دلّی کی تاریخ میں اس کا نام کوچہ نیچہ بندان ہی تحریر ہے۔

حاجی ممتاز صاحب اس مجلس میں برابر شرکت کرتے تھے۔ دور دور حاجی جی کے ایک دام اور کھری دکان داری کا شہرہ تھا۔ حاجی جی مزاج کے بے حد کڑوے تھے، گاہک کے منہ سے اگر یہ نکل جاتا کہ حاجی جی! دام زیادہ ہیں۔ کچھ کم کردو، تو بس حاجی جی آپے سے باہر ہوجاتے تھے اور اس کے آگے سے بنیان کھینچ کر پرے پھینک دیا کرتے تھے۔ حاجی جی کی اسی ادا پر لوگ قربان تھے اور بڑے بڑے سرکاری افسران نئی دہلی چھوڑ کر حاجی جی سے ہوزری کا سامان خریدنے آیا کرتے تھے۔

حاجی جی نماز کے ایسے عاشق تھے کہ ادھر فتح پوری کی اذان شروع ہوئی ادھر حاجی جی نے رومال کندھے پر ڈالا، گول ٹوپی ٹُسر کی کڑھی ہوئی سر پر رکھی اور فتح پوری کا راستہ لیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد حاجی جی نے اپنے محلے کی مسجد (گلی تہور خاں) میں عشاء کی نماز کے بعد میری تفسیر شروع کرادی تھی۔

حاجی جی ایک دن تفسیر کے بعد مجھے اپنے دولت خانے پر لے گئے۔ کھانا بھی کھلایا اور بڑی رازکی باتیں وہ مجھے بتانے لگے۔

حاجی جی اپنی دکان اور مکانوں کا کراچی کی جائیداد سے تبادلہ کر چکے تھے اور دلی سے جانے کا پروگرام بنالیا تھا۔

حاجی جی نے کہا ''مولانا! میرا زکوٰتی پیسہ ہے، میں ہر سال ایک ایک پیسے کی قاعدے کے مطابق زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ اس لیے اللہ نے میرے سارے مال اور املاک کی حفاظت کی ہے۔ دلی میں مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ دلی کے موجودہ حالات عارضی ہیں، یہاں مسلمانوں کو پھر عروج ہوگا۔ لیکن میں اپنی خواہش کے خلاف مشتاق احمد کی وجہ سے جا رہا ہوں۔

حاجی جی کے ایک ہی صاحبزدے تھے مشتاق احمد — ان کا جی اچٹ گیا تھا، حاجی جی دلی چھوڑ کر نہ جاتے اگر اولاد کی مامتا مجبور نہ کرتی۔

حاجی جی کا ایک صدقۂ جاریہ یہ بھی قارئین کو بتا دوں۔ حاجی جی جب حج کو جانے لگے تو میں نے ان سے تفسیر ابن کثیر مکہ معظّمہ سے لانے کی درخواست کی۔ حاجی جی وہ تفسیر لے آئے۔ تفسیر ابن کثیر کا وہ نسخہ آج تک میرے مطالعے میں ہے۔

پچاس برس سے میں تفسیر کی اسی کتاب سے استفادہ کر رہا ہوں۔ آپ اندازہ لگائیے کہ اس صدقہ جاریہ کا مرحوم کو کتنا ثواب پہنچ رہا ہوگا اور کب تک پہنچتا رہے گا؟

حاجی جی کے انتقال کے بعد کراچی گیا تو ان کے صاحب زادے مشتاق احمد سے ان کی دکان (صدر بازار) پر ملاقات ہوئی۔ ان کے صاحب زادے بھی ان کے نقش قدم پر معلوم ہوئے۔

دریا گنج کا حادثہ:

اس واقعے کے مقابلے میں دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اوکھلا جامع مسجد میں اسلام پسند نوجوان (ایس آئی ایم) کی طرف سے ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں مجھے شرکت کرنی تھی۔ ایک نوجوان نے مجھے اپنے اسکوٹر پر بٹھالیا، ہم لوگ جب دریا گنج کے آخری چوراہے (گاندھی سمادھی کی طرف) پہنچے تو ایک اسکوٹر والے نے پیچھے سے دھکا مار کر

ہمیں گرادیا۔ اس نوجوان کے بہت چوٹ آئی جو چلا رہا تھا، اس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی، وہ نوجوان زخمی ہوکر ایک طرف پٹری پر جاپڑا، اسکوٹر سڑک کے کنارے کر دیا گیا، میں اس زخمی نوجوان کے سرہانے حیران کھڑا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ اسے کون اٹھائے گا؟ میں پیچھے بیٹھا تھا، میں اچھل کر دوسری طرف جاپڑا۔ الحمدللہ کوئی چوٹ نہیں آئی۔ انصاری روڈ کی کوٹھیوں میں سے یہ حادثہ دیکھتے ہوئے گزرا، میں نے اسے صورت سے پہچانا، مگر وہ ٹھہرا نہیں، چلا گیا۔

اس مسلمان نوجوان کی اس بے پرواہی پر مجھے بڑا قلق ہوا، چند منٹ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا تماشا دکھایا، ایک تھری ویلر آدمی جس میں دو ہندو نوجوان بیٹھے ہوئے تھے، وہ نیچے اترے، مجھے تسلی دی، کہاں جانا ہے، یہ پوچھا اور اس زخمی کو اٹھا کر اندر ڈالا، اور دوسرے نوجوان نے ہمارا اسکوٹر سنبھالا اور اس پر بیٹھ کر ہم او کھلے پہنچے۔ انھوں نے زخمی کو ہولی فیملی ہسپتال پہنچایا اور مجھے جامع مسجد لے گئے، جہاں ہمارا انتظار ہو رہا تھا، اسی اسکوٹر والے نے پھر انھیں بٹھا کر ہولی فیملی ان کے زخمی کے پاس پہنچایا۔

وہ اسکوٹر والے مجھے اور اس زخمی کو جنگل میں کسی جگہ بھی اتار کر جا سکتے تھے اور ہمارا اسکوٹر لے کر فرار ہو سکتے تھے، مگر ایک طرف اس مسلمان نوجوان کی لاپرواہی اور دوسری طرف غیر مسلم نوجوان کی ہمدردی کا نقشہ دکھا کر خدا تعالیٰ نے یہ دکھانا تھا کہ دونوں قوموں کے کریکٹر میں کتنا فرق پڑ گیا ہے؟ اور خدا کی زمین ایسے انسانوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ قدرت کے اس نظام فطرت میں کفر و اسلام کا کوئی دخل نہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے ؎

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی بہ مشکل سمجھا

اکبر الہ آبادی بڑے دین دار شاعر تھے، ان کا ایک شعر یہ ہے ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جاجا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

باب (۱۴)

زرکوبی، ورق سازی

سیٹھ ضیاءالدین (مرحوم)

سونے چاندی کے ورق بنانے کا کام بھی دلّی میں خوب ہوتا ہے۔ دلّی کی مشہور علمی، ادبی شخصیت مرزا محمود بیگ پرنسپل دلّی کالج کے چچا اسحاق بیگ کا کارخانہ کٹرہ دینا بیگ (آدینہ بیگ) لال کنواں میں ورق سازی کا تھا، بیگ صاحب کے والد کا نام مرزا شہباز بیگ تھا۔

ان کے والد نے تعلیم حاصل کر کے اکاؤنٹ کی لائن اختیار کر لی تھی، مرزا محمود بیگ صاحب نے جب دلّی اسمبلی کا انتخاب لڑا تو وہ اپنی انتخابی تقریروں میں اپنے گھر کے غریبی حالات بیان کرتے تھے۔

انھوں نے ایک تقریر میں کہا کہ میں رودگران کے سلیمان بھٹیارے کی دکان سے دو آنے کا سالن روٹی لا کر کھاتا تھا اور اسکول جاتا تھا۔

ورق سازی کا ایک کارخانہ انعام علی خاں پہلوان کا تھا، فراش خانے میں عبدالقیوم صاحب بھی ورق تیار کراتے تھے۔

بارہ دری شیر افگن میں حاجی ظہیر الدین مرحوم کا کارخانہ تھا۔ حاجی جی، مولانا احمد سعید صاحبؒ کی مجلس جمعہ کے حاضر باش تھے۔

حاجی ظہیر الدین خاص طور پر سونے کے ورق تیار کرتے تھے اور ہمدرد دواخانے میں سپلائی کرتے تھے۔ دواخانہ ان پر بھروسہ کرتا تھا، کیوں کہ سونے کے ورقوں میں ملاوٹ بھی کی جاتی تھی۔ حاجی جی مذہبی آدمی تھے کھرا مال دیتے تھے۔

حاجی جی بیمار رہتے تھے، بیماری میں حج بیت اللہ کیا، اس سفر میں ان کی خدمت

حافظ محمد رفیع ڈیرے خیمے والے (گلی قاسم جان) نے اتنے خلوص کے ساتھ کی کہ حاجی جی ان کی خدمت کا حال بیان کر کے کہتے تھے کہ یہ شخص درویش ہے، چھپا ہوا ولی ہے۔

میں جب مسجد قاسم جان میں تفسیر بیان کرتا تھا تو اس کا مالی انتظام حافظ صاحب ہی کے ذمے تھا، جو وہ محلے کے اہل خیر حضرات کے تعاون سے انجام دیتے تھے۔ تبلیغی جماعت سے خاص تعلق تھا۔

ان کے صاحب زادے محمد الیاس صاحب اوران کے لڑکے اپنی خاندانی دکان (گلی قاسم جان نیا محلہ) چلا رہے ہیں لیکن کاروبار بدل دیا ہے۔

ورقوں کے بڑے تاجروں میں ایک سیٹھ ضیاء الدین صاحب تھے جن کی تھوک کی دکان پھاٹک حبش خاں میں تھی۔ ان کے بعد ان کے لڑکے سیٹھ رفیع الدین نے ان کے کاروبار کو سنبھالا۔

کاریگر حاجی جی کو مال دیتے تھے اور انھیں کنجوس کہتے تھے۔ کیوں کہ حاجی جی کاریگروں سے قیمت میں بڑی حیل و حجت کرتے تھے، مگر یہی سیٹھ جی دلی کی مساجد پر پیسہ لگانے میں بڑی فیاضی سے کام لیتے تھے۔

ورق سازی کے لیے سائنس داں کوئی مشین ایجاد نہ کر سکے، آج تک یہ کام ہاتھ سے ہی ہوتا ہے۔ البتہ سونا چاندی کے مہنگا ہونے کے سبب یہ کام بہت کم ہو گیا ہے اور دلی سے میرٹھ اور مراد آباد کے قصبات میں منتقل ہو گیا ہے۔ کیوں کہ قصبات میں مزدوری شہروں سے کم دی جاتی ہے۔

سونا چاندی جب اتنا گراں نہیں تھا تو سونے چاندی کے ورق مٹھائیوں پر لگائے جاتے تھے۔ پان کے بیڑوں کو ورقوں میں لپیٹ کر کھایا جاتا تھا۔ اور مقوی خمیروں اور معجونوں میں ملایا جاتا تھا۔ اب دواؤں میں بھی اس کی آمیزش برائے نام رہ گئی ہے۔ البتہ چاندی کے ورق تمباکو میں ملانے کا کاروبار بہت بڑھ گیا ہے اور قسم قسم کے تمباکو چاندی کے ورقوں سے تیار کیے جاتے ہیں۔ اور ان تمباکوؤں کا استعمال کثرت کے

ساتھ ہو رہا ہے۔

پاکستان میں ورق سازی پنجاب کے دیہاتوں (پنڈوں) میں بہ کثرت ہوتی ہے، لوہاری منڈی ورقوں کی تجارت کے لیے مشہور ہے۔

تقسیم سے پہلے امرتسر میں اس تجارت کا مرکز مجیدی منڈی تھی، جہاں دلی کے ایک استاد فن یوسف تو تلے پہلوان یہ کام کرتے تھے۔

اس کام کے کرنے والوں میں اکثر پہلوان رہے ہیں۔ کیوں کہ یہ کام بڑی محنت کا ہے۔

مرزا مجید بیگ:

دلی کے ایک پرانے زرکوب تھے۔ رودگران میں ان کا کارخانہ تھا، ان کے لڑکے مرزا حمید بیگ اکاؤنٹ کا کام کرتے ہیں اور نظام الدین کے تبلیغی جماعت کے سرگرم امرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ورقوں کے اوزار:

ورق تیار کرنے کے اوزار جس حکمت سے تیار کیے جاتے ہیں وہ حکمت بڑی گہری ہے۔ اس فن کے اساتذہ کہتے ہیں کہ یہ فن حکیم لقمان سے چلا ہے۔

سونے چاندی کے ورق بھیڑ کی جھلیوں کے اندر تیار ہوتے ہیں، یہ جھلی کھال کے اندر ہوتی ہے، اسی کے اوپر بھیڑ دنبے کی اون اگتی ہے۔

قدرت کا عجوبہ دیکھو، بھیڑ کا گوشت بکرے کے گوشت سے گھٹیا ہوتا ہے۔ مگر اس کی کھال بکرے کی کھال سے زیادہ مضبوط اور قیمتی ہوتی ہے اور اس کی وجہ بھیڑ کی اون ہے، بکرے پر بال ہوتے ہیں اون نہیں ہوتی۔

پہلے ورقوں کے یہ اوزار ہرن کے کھال کے نیچے کی جھلی سے تیار ہوتے تھے، پھر استادوں نے بھیڑ کی جھلی سے کام لینا شروع کر دیا۔

یہ جھلی مختلف دواؤں کے عرق سے رنگی جاتی ہے۔اس عرق میں گرم وسرد دونوں قسم کی دوائیں شامل ہیں تا کہ اعتدال قایم رہے، اگر عرق کشیدہ میں حرارت زیادہ پیدا ہوجائے تو ورق پھٹ جائے۔

جھلیوں کی یہ گڈی جس تھیلی میں بند کی جاتی ہے، وہ تھیلی بکرے کی دھلی ہوئی کھال سے تیار کی جاتی ہے اور یہ کھال کلکتہ میں تیار کی جاتی ہے۔

سونے اور چاندی کے ایک ایک انگل کے چوڑے ٹکڑے ان جھلیوں کے بیچ میں رکھ دیئے جاتے ہیں اور کاری گران گڈیوں کو مناسب قوت کے ساتھ خاص قسم کے ہتھوڑوں سے کوٹتا ہے اور اس طرح بال سے زیادہ باریک ورق تیار ہوجاتا ہے۔

دلّی میں اوزار بنانے کا قدیمی کارخانہ امیر حسن عرف بھائی جھنو خاں کا ہے، جوان کے لڑکے کمال الدین چلا رہے ہیں۔

گلی شعبان خاں رودگران میں ان کا کارخانہ ہے۔ استاد جھنو مرحوم کے ایک صاحب زادے کا نام شجاع الدین خاور ہے، جو دلّی کے اچھے شعرا میں شامل ہیں، دلّی کے پولیس افسر تھے، آج کل اعصابی مرض میں مبتلا ہیں اور صاحب فراش ہیں۔

شجاع الدین خاور:

شجاع الدین خاور صاحب کی پولیس افسری کا دور بڑا ہنگامہ خیز گزرا، ملازمت سے کنارہ کرکے موصوف نے ملکی سیاست کا غبار آلود چہرہ صاف کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے انھوں نے کئی کروٹیں بدلیں، لیکن ہر کروٹ میں انھیں سیاست کے خارزار کی خلش محسوس ہوئی اور کسی کروٹ چین نہیں ملا۔ بالآخر وطن عزیز کی خیر خواہی کی ناقابل برداشت تڑپ انھیں لے بیٹھی۔ خدا انھیں صحت عطا فرمائے۔

میرے تو وہ پڑوسی ہیں اور علاقے کے ایک طرح کارخانے دار کے تعلق سے علاقہ ان کے اس غیر معمولی سرکاری مرتبے پر خوش ہوتا تھا۔

ذاتی طور پر موصوف سے کبھی میرا تعارف نہیں ہوا۔ یہ منزل ہر بڑے چھوٹے

انسان کے لیے لازمی ہے

خدائی تیری ہے، ہم بھی ہیں اے خدا تیرے
مصیبتوں میں پکاریں کسے سوائے تیرے
(اکبر)

شونارائن بھٹناگر:

بھٹناگر صاحب دلّی کے پرانے قوم پرست اردو اخبار وطن کے مالک تھے، اعلیٰ پریس (گلی سوداگران) بھی انھی کا تھا، بعد میں منشی محمد صدیق صاحب (مالک نیوز پبلک پریس گلی قاسم جان) نے اسے ٹھیکے پر لے لیا۔

میں نے اس پریس میں ایک اردو پمفلٹ چھپوایا تھا، یہ پمفلٹ فرقہ پرستی کی آگ نامی کتابچے میں کسی طرح بائینڈ ہوگیا، اس کتابچے پر جب مجھ پر مقدمہ قایم ہوا تو اس اردو پمفلٹ کے پریس مالک پر بھی مقدمہ قایم ہوگیا۔

مثل مشہور ہے کہ اندھیر نگری چوپٹ راج، یہی حال ہمارے کرایم برانچ کا ہے۔

اس مقدمہ کی سماعت کے دوران بھٹناگر صاحب ہر پیشی پر تشریف لاتے تھے۔ میں نے بھٹناگر جیسا شریف آدمی نہیں دیکھا، اسی سال کے بڈھے، بھاری ڈیل ڈول، لمبا تڑنگا قد وقامت، لکڑی ٹیکتے کچہری میں آجاتے اور عدالت کے باہر بینچ پر میرے ساتھ بیٹھے رہتے۔ کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ کبھی ناگواری کا اظہار نہیں کیا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ اس کتابچے میں کوئی بات دفعہ ۱۵۳، الف کے تحت نہیں آتی تھی۔

بھٹناگر جی گھنٹوں مجھے پچھلے واقعات سناتے رہتے، دیوان سنگھ مفتون اور راجہ مہاراجگان کے واقعات، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری وغیرہ کے حالات، مولانا آزادؒ کے سیاسی کیریکٹر کی مضبوطی اور بے لوثی کے حالات بیان کرتے۔

بھٹناگر جی نے مہاراجہ پٹیالے کی ایک تقریب کا ذکر کیا جس میں انھوں نے دیوان سنگھ مفتوں کے ساتھ شرکت کی تھی۔

اس پارٹی میں کھانے پینے کے شاہانہ اقسام کے علاوہ سونے کے ورقوں میں لپٹے ہوئے پان کے بیڑوں کا انتظام بھی تھا۔

پانوں کے بارے میں بھٹناگر جی نے یہ لطیفہ سنایا کہ ایک پنجابی مہمان کو میں نے دیکھا کہ وہ کھانے پینے کو چھوڑ کر پانوں پر پلا ہوا ہے اور ایک بیڑہ منہ میں رکھتا ہے اور ایک بیڑہ ادھر ادھر دیکھ کر صدری کی جیب میں ڈال لیتا ہے۔

میں نے بیرے کو بتایا کہ وہ شخص پانوں کے بیڑے سمیٹ رہا ہے۔ بیرے نے جا کر اسے ٹوک دیا اور وہ پنجابی اسی تسی کرتا ہوا چلا گیا۔

میں اس کی پنجابی گالیاں سن کر ہنسنے لگا۔ دیوان سنگھ نے پوچھا، کیوں ہنس رہے ہو؟ میں نے واقعہ بتایا، دیوان مجھ پر ناراض ہوا اور اپنے مزاج کے مطابق بولا: اس غریب کا بھلا ہو رہا تھا، تمہارے گھر سے کیا جا رہا تھا؟ پھر دیوان سنگھ نے اپنے اخبار ریاست میں مال مفت دل بے رحم کی سرخی لگا کر یہ لطیفہ تحریر کیا۔

مجھ پر یہ مقدمہ بارہ سال چلا، بھٹناگر جی تین چار سال برابر آتے رہے۔ پھر بیمار پڑ گئے اور ان کی طرف سے ان کے منیجر صاحب آتے رہے۔ ایک دن وہ بولے، ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان زیادہ تلخیاں مسلم لیڈروں کے توہین آمیز رویوں کی وجہ سے پھیلیں، ہندو پتلی دال کا کھانے والا، دھوتی پرشاد، یہ کیا ملک چلائے گا؟ یہ کافر ہیں، جہنم کے کندہ ہیں، لیکن انھی پتلی دال کے کھانے والوں نے مسٹر جناح جیسے قابل ایڈووکیٹ کو چاروں شانے چت کر دیا، اتنا مشتعل کیا اور خود ٹھنڈا رہ کر مسٹر جناح کو اتنا غصہ دلایا کہ جناح صاحب بالشت بھر زمین لے کر اور اسے پاکستان کا نام دے کر خوش ہو گئے۔

یہ ہندو لیڈر شپ کی عقل مندی تھی، میں نے بیچ میں کہا: علامہ اقبالؒ نے بھی ذہن ہندی کی تعریف کی ہے۔

شکوہ ترکمانی ذہن ہندی نطق اعرابی!

بولے ہاں، اقبال کے بڑے کشمیری برہمن تھے، برہمن عقل کا بہت تیز ہوتا ہے، ہم کھتری ہیں۔ پھر بولے، آج کے حالات میں بھی مسلمان عقل و سمجھ سے کام لے کر اپنے آپ کو سنبھال سکتے ہیں، جذبات سے کام لیں گے تو ٹھنڈے لوہے سے گرم لوہا کٹ جائے گا۔ پرانے بزرگ تھے۔ کہنے لگے، میرے تعلقات زیادہ تر مسلمانوں کے ساتھ رہے ہیں، مجھے آج کے حالات دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے لیکن میں بوڑھا ہو چکا، ہاتھ تھک گیا، قلم رکھ دی۔

دیش پانڈے جی:

مسلم کش ہندو اہل قلم کے جواب میں جس انصاف پسند ہندو صاحب قلم نے اپنے تاریخی قلم کو دلائل کے ساتھ حرکت دی وہ دیش پانڈے جی ہیں۔

عالم گیر کی تصویر بگاڑنے میں جن متعصب ہندو مورخین نے تعصب کی آگ بھڑکائی ان کا تاریخی جواب پانڈے جی نے لکھا۔ پانڈے جی اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت اچھا بولتے ہیں اور اس اقدام کی تردید میں بولتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ پانڈے جی اب بہت ضعیف ہو چکے ہیں۔ لیکن باوجود اپنے طبعی ضعف کے مذہبی جلسوں میں شرکت کے لیے زحمت کرتے ہیں۔

موجودہ دور تعصب میں یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدا کا دین معلوم ہوتا ہے۔

باب (۱۵)

دلّی کی منصوری برادری اور پھول والے

یہ برادری اپنے آپ کو اپنے پیشہ (روغن گری) کے لحاظ سے منصوری کہلاتی ہے۔ کیوں کہ اس برادری میں روئی کا کام کرنے والے (دُھنِیّے) بھی شامل ہیں اور ان کے خیال میں مشہور صوفی حسین ابن منصور حلاجؒ دھنیے تھے۔

کوئی یہ کہتا ہے کہ ایک دھنیے کی دھن پر ان پر حال طاری ہو گیا تھا اور انھیں ان کی دھنکی سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی:

''دھن رے دھنیے اپنی دھن پرائی دھنی کا پاپ نہ پُن۔''

دھن کی آواز یہ اخلاقی پیغام دے رہی تھی کہ ہر انسان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے اور دوسروں کی عیب جوئی کے بے کار مشغلے سے دور رہنا چاہیے۔

ہم دلّی والوں میں فضول گوئی کے لیے ایک محاورہ مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے شاہ بڑے کی چھوڑ دی، ''شاہ بڑے کو چھوڑنا'' بے مقصد اور فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے ہم معنی ہیں اور آدمی جب اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کی عادت ڈال لیتا ہے تو پھر وہ شاہ بڑے کی نہیں چھوڑتا۔ سنجیدہ بن جاتا ہے۔

غالب کا مشہور شعر ہے ؎

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

اس برادری کے اترپردیش میں رہنے والے اپنے آپ کو اپنے پیشے کے لحاظ سے صاف صاف انجمن تیلیان کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

دلّی کے روئی والے نارنول ہریانہ سے دلّی آئے۔

روئی والوں کے ایک چودھری حاجی مینڈھو تھے۔جن کی دکان جامع مسجد کے نیچے تھی۔روغن گروں کی آبادی پھاٹک تیلیان میں تھی،اب بھی ہے۔

یہ پھاٹک دراصل نواب سید مظفر خاں کی حویلی تھی،شاہ جہاں کے عہد میں جب خان جہاں لودھی نے بغاوت کی تو نواب صاحب نے اس کی بغاوت کو کچلا۔شاہ جہاں نے انھیں پنج ہزاری کا منصب دیا اور خان جہاں کے لقب سے سرفراز کیا۔

سید کے ساتھ خاں کا لفظ اعزازی لقب کے طور پر تھا۔اس حویلی کا شان دار دروازہ ابھی تک موجود ہے۔برادری ازم پھیلنے کے دور میں اس برادری نے بھی اپنے آپ کو منظم کیا اور اپنے لیے منصوری کا لقب اختیار کیا۔

ہمارے دوست مولانا رحمت اللہ مرحوم کے بڑے صاحب زادے مولانا عبداللہ طارق نے اس تنظیم کو تعلیم و اصلاح رسوم کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ تحریک آگے نہ بڑھ سکی۔

طارق صاحب ایک ہونہار صاحب قلم نوجوان ہیں جو اس وقت تنظیم امور مساجد کے نام سے قایم ایک دینی ادارہ چلا رہے ہیں۔اور موصوف کے علمی اور اصلاحی مضامین مختلف رسالوں میں شایع ہوتے ہیں۔ان کا مسکن رحمت اللہ بلڈنگ بستی حضرت نظام الدینؒ ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی کتاب فضائل اعمال پر ان کا تحقیقی حاشیہ بھی ہے۔اس وقت ان کے تنقیدی حاشیے کو اہمیت دینے کے بجائے اس کی طرف سے جماعت تبلیغ کے رہنماؤں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔اگر اسے واجبی اہمیت دی جاتی تو پھر تابش پرتاب گڑھی کی تنقیدی کتاب سامنے نہ آتی۔جس کی اشاعت نے شیخ الحدیث صاحبؒ کی محدثانہ عظمت کو نقصان پہنچایا اور جماعت والوں نے اس کا نام تبلیغی نصاب سے بدل کر فضائل اعمال کر دیا۔

اب انجمن تیلیان کے نام سے اخباروں میں خبریں آتی رہتی ہیں۔دلّی کی برادری میں حاجی ننوا مرحوم کا خاندان بہت علم دوست رہا ہے۔اسی خاندان کی سرپرستی

مولانا عبدالسلام صاحب نیازی کو حاصل رہی۔

اس خاندان کی ایک فرم حاجی محمد لقمان محمد شفیع (ترکمان گیٹ) تیل و عطر کی تجارت میں اپنی دیانت داری کے لیے مشہور ہے۔

حاجی محمد شفیع صاحب اپنے بزرگوں کی روایت (علم دوستی) کو برابر زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہندو تیلی:

دلی میں ہندو تیلیوں کی آبادی بارہ دری نواب وزیر (پھاٹک حبش خاں) کے قریب ہے، اس کا نام گلی تیلیان ہے۔ اب بھی کچھ مکان اور دکانیں ہندو تیلیوں کی وہاں موجود ہیں۔

بارہ دری نواب وزیر دراصل ابوالمنصور صفدر جنگ کی حویلی ہے۔ اس کا خطاب نواب وزیر تھا، یہ اودھ کا پہلا گورنر تھا، اس نے اس حویلی میں سکونت اختیار نہیں کی اور کسی میراثی گویے کو عطا کر دی۔

یہ عجیب بات ہے کہ دلی کے مسلمان تیلی بھی ایک شاہی نواب کی حویلی میں آباد ہوئے اور ہندو تیلی بھی ایک شاہی نواب کی بارہ دری کے پہلو میں آ کر بسے۔

دلی کے پھول والے:

دلی میں پھول والوں کی ایک مختصر برادری ہے، یہ لوگ پھولوں کے سہرے، بدھیاں اور کنٹھے بناتے ہیں۔ دلی میں اس برادری کے مشہور تاجر حاجی بلاقی تھے۔ ان کے بھائی چودھری محمد عظیم تھے، جن کی دکان تیل، عطر اور اگربتیوں کی بازار لال کنویں پر تھی۔ پھولوں کے ساتھ عطریات کا خاص تعلق ہے۔ اس لیے عطریات کی تجارت بھی پھولوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

قلعہ معلیٰ کی تقریبات میں پھولوں کا بے پناہ استعمال ہوتا ہے۔ قلعے کے زوال

کے بعد یہ تجارت مختصر ہو کر رہ گئی۔

قطب صاحب میں پھول والوں کی سیر میں یہ پھول والے خاص طور پر حصہ لیتے تھے اور اب بھی یہ شاہی میلہ جاری ہے۔

مسلمان پھول والے قطب صاحب کی درگاہ پر چڑھانے کے لیے پھولوں کا پنکھا بناتے ہیں اور ہندو پھول والے جوگ مایا کے مندر پر چڑھانے کے لیے پنکھا تیار کرتے ہیں۔

یہ میلہ بہادر شاہ ظفر کے عہد سے جاری ہے اور حکومت ہند اس شاہی میلے کو بڑے اہتمام سے مناتی ہے۔ مسجد اولیا کے قریب جہاز کے نام سے بنی عمارت اور اس کے آس پاس کے مقامات کو پارک میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ شمسی تالاب کے کناروں کو بھی خوب صورت بنا دیا گیا ہے۔

پھولوں کی سرزمین:

مشہور عربی مورخ ابن کثیرؒ دمشقی (وفات ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء) نے اپنی مشہور تفسیر (ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ا، صفحہ ۸۱) پر لکھا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے ہندوستان (جزیرہ سیلون لنکا کے پہاڑ) پر اتارا گیا تو یہ اپنے ساتھ جنت کے درختوں کے پتے (ورق) بھی لائے اور ان کو ہندوستان میں پھیلا دیا گیا اور ان پتوں سے خوش بودار پودے پیدا ہوئے۔

اب یہ دیکھو کہ قدرت نے جنت کے ان پتوں کو ہندوستان کے ہر حصے میں الگ الگ پھیلا دیا جن سے مختلف قسم کے خوش بودار پودے پیدا ہوئے۔

جزیرہ سیلون کے قریب جنوبی ہند کا علاقہ ہے۔ اس علاقے میں بنگلور کی سرزمین کو پھولوں کی جنت کہا جاتا ہے۔

یہاں ایک پودا (ہال منڈی) پیدا ہوتا ہے جس میں سے خوش بودار دودھ جیسا مادہ نکلتا ہے۔

بنگلور اگر بتیوں کی صنعت کا مرکز ہے، اگر نام کی خوش بو بنگلہ دیش و آسام میں پیدا ہوتی ہے اور اسمگلنگ ہوکر یہاں پہنچتی ہے۔ میسور (کرناٹک) کے علاقے میں صندل کی لکڑی پیدا ہوتی ہے، صندل خوش بو بھی ہے اور دوا بھی ہے۔

اعلیٰ درجے کا گلاب علی گڑھ میں پیدا ہوتا ہے، دوسرے نمبر کا گلاب سکندر پور (بلیا) کے علاقے میں پیدا ہوتا ہے، کیوڑا گنجام (بنگال) کے علاقے میں کثرت سے ہوتا ہے۔ خس کی گھانس راجستھان کے ندی نالوں کے کناروں میں پیدا ہوتی ہے، جس سے خس کی ٹٹیاں اور خس کا عطر بنایا جاتا ہے۔

گیندے کا پھول ہر جگہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی خوش بو پان مصالحے میں استعمال کی جاتی ہے اور یہ محفلوں کی رونق بڑھاتا ہے۔

کشمیر کے بعض علاقوں کو قدرت نے زعفران جیسی بیش قیمت خوش بو کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ کشتواڑ (دشوار جگہ) میں زعفران کے کھیت کثرت سے ہیں۔

اس علاقے کے دورے میں، میں نے زعفران کے کھیت دیکھے اور اس کے نہایت نازک پودے اور ان سے زعفران نکالنے کا طریقہ بھی دیکھا۔

اس سفر میں اپنا رومال وہاں بھول آیا تھا۔ مقبول شاہ صاحب جو درگاہ شاہ فرید الدینؒ کے سجادہ نشین تھے، انھوں نے میرا رومال زعفران سے بھر کر بذریعہ ڈاک مجھے بھیج دیا۔

مقبول شاہ صاحب کے گھر میں کشمیر کی مشہور سبزی کڑم بہت زیادہ پکتی تھی۔ یہ شلجم کی قسم کی ہوتی ہے اور اب دلّی میں بھی ملتی ہے۔

ہم یہ سبزی کھاتے کھاتے عاجز آ گئے تھے اور ایک روز سامان منگا کر اپنے ہاتھ سے گوشت بھون لیا تھا، لیکن شاہ صاحب کے گھر کی عورتوں نے بہت برا مانا تھا۔

وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کو اپنے کلچر سے پیار ہوتا ہے اور اس کے کلچر کو ناپسند کرنا اس کے نزدیک اس کی توہین ہے۔

پاکستان میں مہاجروں کے خلاف بے زاری پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے

کہ دلّی اور لکھنو والوں نے سندھیوں اور پنجابیوں کے کلچر، لباس، کھانے کی چیزوں کو حقارت سے دیکھا اور اپنے کلچر پر فخر کرتے رہے۔

پھولوں کا استعمال:

ہندوستان چوں کہ پھولوں کی سرزمین ہے، اس لیے خوشی کی رسمیں ہوں یا عبادت کی رسمیں یا موت اور موت کے بعد مرنے والوں کی یادگاروں کا احترام ہو، ان سب موقعوں پر مختلف طریقے سے پھولوں کا استعمال ہوتا ہے۔

دولہا کے سر پر سات لڑی کا سہرا ہندوستان کی خاص رسم ہے، جو باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے بھی اختیار کی۔

میں نے ایک پرانے آدمی سے پوچھا کہ سہرے میں سات لڑیوں کی تعداد کی کیا حکمت ہے؟ وہ بولے آسمان سات ہیں، زمین سات ہیں، ہفتہ کے دن سات ہیں اور ۲۷ ویں شب قدر میں بھی سات کا عدد ہے۔ واللہ اعلم۔ پھولوں کے گجرے بنتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

دیکھ کر بستر پہ گجرے پھولوں کے ٹوٹے ہوئے
صبح کو یاد آئیں گے، شب کے مزے لوٹے ہوئے

میر صاحب نے گلاب کی پنکھڑی کو تشبیہ میں استعمال کیا ہے ؎

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

گلے کی بدھیاں، ٹوپی کے طرے، کنٹھے، گلدستے
طرح طرح کے بے شمار، یہ سب پھولوں کی رونق ہے

مجھے مذہبی پہلو سے دولہا دلہن کے لیے سہرے بندھی پر کوئی اصرار نہیں۔ لیکن یہ بھی بدمذاقی ہے کہ دولہا دلہن سے پھولوں کو بالکل دور رکھا جائے اور سنت رسول سمجھا جائے۔ آخر صحیح حدیث میں یہ کیوں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں۔ ایک خوش بو، دوسری عورتیں کیوں کہ وہ مظلوم ہیں، تیسری نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے ہدایت کی تھی کہ جو رقم تمہارے پاس ہے اس سے (حضرت) فاطمہ زہرہؓ کے لیے خوش بو اور کپڑوں کا انتظام کرو۔

فدائے تبلیغ اسلام:

منصوری برادری کے تعلق سے مولانا رحمت اللہ میرٹھی ثم الدہلویؒ یاد آتے ہیں۔ جو ایک جید عالم، کامیاب مبلغ اور نہایت خوش اخلاق آدمی تھے۔

مرحوم فاضل دیو بند تھے اور ان کی زندگی کا بہترین حصہ ہندو بیرون ہند، عرب اور ایشیا کے اہم حصوں میں جماعت تبلیغ نظام الدین کے امیر جماعت کی حیثیت سے گزرا تھا۔ عربی اور اردو زبانوں میں تقریر کی قدرت رکھتے تھے۔ مولانا رحمت اللہؒ نے پورے ڈھائی سال مسلسل حجاز مقدس میں گزارے، اسی زمانے میں مدینۂ منورہ میں مسجد ثور کے نام سے ایک مسجد تبلیغی مرکز کے لیے تعمیر کی گئی۔

بیت اللہ کے اندر بعض تشدد پسندوں نے جو تشدد اختیار کرلیا تھا اور حکومت سعودیہ کو اس فتنے کو دبانے کے لیے سخت قدم اٹھانا پڑا تھا۔ اس وقت تبلیغی جماعت پر پابندی لگا دی گئی تھی اور مسجد ثور کو مسجد عمار ابن سر کے نام سے موسوم کر دیا گیا تھا، جو ابھی تک قایم ہے ❶۔

---

❶ یہ تشدد ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں حج کے بعد حرم محترم مکہ مکرمہ میں مفسدین کے قبضے کی صورت میں سامنے آیا۔ جس کی وجہ سے ۱۷ روز نمازیں حرم میں نہیں ہوئی، حرم شریف کا تقدس پامال ہوا، خون اور غلاظت حرم محترم کے در و دیوار پر لگے۔ سعودی حکومت نے حکومت پاکستان کی درخواست پر پاکستان آرمی کو جانے کی اجازت دی کہ وہ حرم محترم کو مفسدین سے پاک کرے اور اس طرح حرم محترم مفسدین سے پاک ہوا۔ راقم اس سال پہلی مرتبہ حج پر گیا تھا اور ہم خوش قسمتی سے مدینۂ طیبہ میں تھے۔ میری عمر اس وقت گیارہ سال تھی۔ (شریفی)

اپنے اہل وعیال کے لیے سر چھپانے کا ایک مکان بنانے کے سلسلے میں مولانا کی جماعت تبلیغ سے کھٹ پٹ بن ہوگئی اور اس وجہ سے علاحدگی اختیار کرلی۔

اس کے بعد مولانا اسعد مدنی صاحب صدر جمعیت علما نے مرحوم کو جمعیت علما سے وابستہ کرلیا۔ بہار جمعیت علما کی کانفرنس سستی پور بہار کے اندر طے پائی اور مرحوم نے کانفرنس کی کامیابی کے لیے بہار کی شدید ترین گرمی میں قصبات اور دیہات کے دورے کیے۔

تقریر لمبی کرنے کی عادت تھی، خوب جم کر بولتے تھے۔ ان دوروں میں بیمار ہوگئے اور جگر خراب ہوگیا۔ اسی بیماری کے عالم میں بمبئی کے عشرۂ محرم کی مجلس (بان دارا بمبئی) میں شرکت کی۔ دس روز تقریر کرنی ہوتی ہے، اسہال شروع ہوگئے مگر پروگرام پورا کیا۔ اس سفر میں مرحوم کی واپسی میرے ساتھ ہوئی۔ کمزوری سے نڈھال تھے، مگر ہمت قایم تھی۔ تمام راستے حسب عادت ہنستے بولتے میرے ساتھ آئے۔ گھر پر بیماری کے دن کاٹتے رہے اور خدا کو پیارے ہوگئے۔

جماعتی زندگی کا یہ حادثہ بڑا الم ناک ہے کہ جب جماعت میں کام کرنے والے کسی کارکن کی اس کے کام کے سبب شہرت ومقبولیت بڑھتی ہے تو جماعت کے کرتا دھرتا اس کی طرف سے خطرہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس کارکن کی خدمات کتنی ہیں اور جماعت کے سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر اس مخلص کارکن کو علاحدہ ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

باب(۱۶)

دلّی کی گاڑی بان برادری اور ماہر فن پہلوان

زینت محل بیگم بہادر شاہ ظفر کی آخری ملکہ تھیں۔ لال کنواں روڈ پر زینت محل کا ایک پھاٹک ابھی تک باقی ہے، اس پھاٹک کے قریب ایک دوسرا پھاٹک بھی ہے۔ اس پھاٹک کو بھی واقعات دارالحکومت میں زینت محل ہی کا پھاٹک لکھا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کا نام پھاٹک سپہ دار خاں بھی لکھا ہے۔

پرانے دلّی والے اس کٹرہ کو کٹرہ گاڑی بان کہتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زینت محل بیگم کی رہائش کے پاس ہی اس محل کے چوکیداروں اور گاڑی بانوں کے مکانات تھے، اس لیے یہ محلہ دونوں ناموں سے مشہور رہا۔

۱۹۴۷ء سے پہلے اس محلے میں اس برادری کے ایک نام ور بزرگ ماسٹر فضل الدینؒ کا مکان تھا۔ ماسٹر صاحب دلّی کالج کے ہیڈ ماسٹر تھے، سفید پگڑی اور کوٹ پاجامہ کے ساتھ نکلا کرتے تھے اور دلّی کے ہر حلقے میں احترام کے ساتھ یاد کیے جاتے تھے۔ مرزا محمود بیگ (پرنسپل دلّی کالج) کا دوران کے بعد کا ہے، اس کیمونٹی سے تعلق رکھنے والے ایک رفیع صاحب تھے جن کی رنگ روغن کی دکان فتح پوری میں تھی، رفیع صاحب تحریکات سے دل چسپی لیتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں کراچی چلے گئے تھے، میں جب ان سے کراچی میں ملا تو ان کی حالت بہت خستہ پائی، زندگی بھر پاکستان کے خلاف رہے، مگر حوادث نے مجبور کر دیا اور ہجرت کر گئے، مگر ذہنی طور پر وہ پاکستان میں آسودہ نہیں رہ سکتے تھے اور نہ رہے۔ فالج میں مبتلا ہو کر خدا کو پیارے ہو گئے۔

اچھا ہوا کہ خدا نے انھیں اٹھا لیا، ورنہ وہ کراچی میں مہاجروں کا برا حشر دیکھتے تو اور کڑھتے۔

اس برادری کے بڑے بوڑھے جھجھر اور اس کے مواضعات (ہریانہ) سے تعلق رکھتے تھے۔

دلّی کے دنگل اور اکھاڑے:

اسی برادری کے ایک مشہور فرد منشی عبدالرشید تھے، جو پہلوانوں سے دنگل کراتے تھے اور ان دنگلوں میں ملک کے بڑے بڑے نام ور پہلوان پنجاب کے گاما، رستم زماں، امام بخش۔ رستم ہند، گوں گا پہلوان۔ رستم ہند وغیرہ اپنی طاقت اور اپنے فن کشتی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

دلّی میں پہلوانی کے دو محازی اکھاڑے تھے۔ ایک محاذ تھا شینخو والوں کا، جس کے بڑے استادوں میں ایک استاد اُمی خاں (بلّی ماران) تھے۔ اور دوسرا محاذ گوندھی شاہ والوں کا تھا، جس کے مشہور استاد، استاد ماہ رخ بیگ تھے۔ ایک اکھاڑہ چرنجی لال کا تھا۔

یہ تین محاذ دراصل ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے قایم کیے گئے تھے اور ہر ایک اکھاڑے میں ہندو، مسلمان دونوں شامل تھے۔ ہندو مسلم ذہنیت نام کو بھی نہ تھی۔

حاجی ثمن حلوائی (بلّی ماران) کا اکھاڑہ شینخو والوں کا کہلاتا تھا اور اسی اکھاڑے میں پنجاب کے پہلوان قیام کرتے تھے اور حاجی ثمن ان پہلوانوں کی بڑی خدمت کرتے تھے اور اسی وجہ سے دلّی کے حاجی ثمن حلوائی کا نام دور دور مشہور تھا۔

نورا کشتی اور کانٹا کشتی:

دلّی کے پہلوانوں میں یہ دو محاورے مشہور ہیں، دو پہلوان جب آپس میں سمجھوتہ کر کے کشتی لڑتے تھے تو اسے نورا کشتی کہا جاتا تھا۔

پنجاب کے بڑے پہلوان رستم زماں اور رستم ہند جب بلندی پر پہنچ گئے تو پھر وہ

نورا کشتی لڑ کر صرف اپنے کسرتی جسم اور فن کُشتی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عام لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ مقابلہ ایمان داری کا ہے اور اسی خیال سے ہزاروں کی تعداد، ان نورا کشتیوں کو دیکھنے کے لیے آتی تھی اور ٹھیکہ دار دنگل کی چاندنی ہو جاتی تھی۔ ہم نے دو بڑی اہم نورا کشتیاں دیکھیں۔ ایک رستم ہند امام بخش پہلوان اور شہاب الدین پہلوان ستارۂ ہند کی کشتی اور دوسری ایک مصنوعی عورت رستم پنجاب شاہ جہاں نامی اور پنجاب کے ایک بڑے موٹے پہلوان نوشیرواں کی کشتی۔

امام بخش نے دنگل کے اکھاڑے میں اتر کر پہلے خم ٹھونک کر چاروں طرف سلام کیا اور اپنا جسم دکھایا۔ اور شہاب الدین کی بغلی بیٹھ کر اسے دو منٹ میں زمین پر دے مارا، اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا، چاروں طرف دونوں ہاتھ سے سلام کیا، اور منٹوں میں اس کے اوپر نوٹوں اور پھولوں کی بارش شروع ہوگئی اور شہاب الدین سر جھکا کر اپنے جسم سے مٹی جھاڑتا ہوا چلا گیا۔

رستم ہند صاحب نے اپنا چاندی کا گرز کندھے پر رکھا اور ڈھول تاشے کے ساتھ دنگل سے باہر آگئے۔ شہر میں دھوم مچ گئی کہ امام بخش نے کشتی جیت لی، ٹھیکے دار صاحب کے بھی دِلَدَّر دور ہوگئے۔ حالاں کہ یہ صرف ایک تماشہ تھا۔

وہ عورت، پنجاب کا ایک زنانہ تھا۔ پنجاب کے زنانے بھی بڑے ڈیل ڈول کے اور خوب صورت گورے چٹے ہوتے ہیں۔ منشی عبدالرشید نے اس زنانے کے سر پر زردوزی کا ایک تاج نما کساوہ بندھوایا اور تانگے میں بٹھا کر ڈھول تاشے کے ساتھ شہر میں اسے گشت کرایا۔ دوسری طرف وہ پنجاب کا نوشیرواں تانگے میں گھمایا جا رہا تھا، اس کے سر پر گلابی پگڑی، گلے میں کنٹھے، کٹارہ جیسی بڑی بڑی مونچھیں۔

لوگوں نے اس سے پہلے نہ اس عورت پہلوان کا نام سنا تھا اور نہ اس مصنوعی مرد پہلوان کا۔

دنگل، شائقین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وہ شاہ جہاں پہلوان سینے پر نیم کسا ہوا کرتا اور ٹانگوں میں تنگ پاجامہ پہن کر اکھاڑے میں اتری، ادھر سے وہ مرد اکڑتا،

اور بل کھاتا آیا۔ اور چند منٹ تک اس زنانے کے چاروں طرف گھوما اور اس زنانے نے جب دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے تو یہ مرد پہلوان چاروں شانے چت ہوکر گر پڑا۔

چاروں طرف سے بے وقوف تماشائیوں نے واہ واہ کے نعرے لگانے شروع کردیے۔ مجمع میں جو اہل نظر تھے وہ ٹھیکے دار کو ماں بہن کی گالیاں دیتے ہوئے گھر واپس آ گئے۔

یہی تماشا آج بھی ان مقابلوں میں دیکھا جاتا ہے۔ جو امریکہ، روس اور جاپان کے دیوہیکل پہلوان دکھاتے ہیں۔

ہمارے استادوں میں مدرسہ فتح پوری کے مشہور اور صاحب فیض قاری حضرت قاری فضل الدین (پنجاب کے رہنے والے) کو پنجابی ہونے کے ناطے دنگل دیکھنے کا بڑا شوق تھا، منشی رشید صاحب، قاری صاحب کو دری چاندی (اگلی جگہ) کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

دلی کے مشہور پہلوان:

دلی نے ہر فن کے نام ور افراد پیدا کیے ہیں۔ پہلوانی میں جسمانی قوت کے لحاظ سے پنجاب نے بڑے بڑے شہ زور پہلوان پیدا کیے۔ مگر کشتی کے فن (داؤ پیچ) میں جو نام ور پہلوان دلی نے پیدا کیے وہ کہیں نہیں ہوئے۔

۱۹۵۷ء کے بعد آغا پہلوان کو قوت اور فن کشتی میں وہی شہرت نصیب ہوئی جو بعد میں پنجاب کے گاما اور امام بخش کو حاصل ہوئی۔

دلی میں پہلوانی کا شوق عوام کے علاوہ شرفا کے اندر بھی تھا۔ لوہارو خاندان کے شاہ زادے نواب احمد سعید خان کو پہلوانی کا شوق تھا۔ نواب صاحب بہترین شاعر تھے، غالب کے شاگرد تھے۔ آخر عمر میں لوگوں نے گلی مرغان کے اندر اپنی حوالی کے سامنے میدان میں مونڈھے پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ نہایت خوب صورت نورانی

چہرہ اور چکلا چوڑا سینہ اور بازو اور رانیں کسرتی جسم کی علامت۔

حویلی کے اندر ہی اکھاڑہ تھا جس میں دلّی کے شرفا، نواب صاحب کے ساتھ جسمانی کسرت کرتے تھے۔

آخر دور میں خلیفہ سلیمان جوہری کا اکھاڑا کمپنی باغ (اسٹیشن کے سامنے) تھا۔ جس میں دلّی کے اونچے طبقے کے ہندو، مسلمان لڑنت (ورزش) کرتے تھے۔

اسی آخری دور میں نصیر الدین پہلوان (سوئیوالان) بغلی بیٹھنے کے داؤ کے ماہر تھے، اپنے پھرتیلے بدن کے ساتھ اکھاڑے میں اترتے ہی اپنے سے بڑے ڈیل ڈول والے پہلوان کی چند منٹ میں بغلی بیٹھ کر کمر پکڑ لیتے تھے اور چند منٹ میں اسے پچھاڑ دیتے تھے۔

پہاڑ گنج کا ایک پہلوان اللہ بخش گھنگرو والا تھا، جو کلا جنگ کا ماہر تھا، اس کی کلا جنگ سے بڑے بڑے طاقت ور پہلوان ڈرتے تھے، اس نے مسلسل کشتیاں جیت کر نوشیرواں کا خطاب جیت لیا تھا۔ کلا کے معنی فن، یہ جنگی داؤ کہلاتا تھا۔

میرٹھ کے ٹڈے پہلوان سے اس کی کشتی بڑے معرکے کی ہوئی تھی۔ ٹڈا میرٹھ کا ایک آنکھ کا کانا تھا، مگر غضب کی کشتی لڑتا تھا۔ ڈیل ڈول میں اللہ بخش سے دوگنا تھا، مگر دنگل میں اترتے ہی اللہ بخش نے اپنا داؤ کیا اور ٹڈے کے اوسان بگڑ گئے۔ مگر وہ اپنے لمبے قد اور جسمانی قوت کی وجہ سے بچ گیا اور کشتی برابر چھوٹ گئی۔

خلیفہ صدیق (بلّی ماران) اُمی خاں والے کہلاتے تھے۔ یہ استاد دامی خاں شینخو والے کے لڑکے تھے۔ طاقت میں ان کا جواب نہیں تھا، مگر دل کے کم زور تھے۔ ان کو ہول دلا پہلوان کہا جاتا تھا، ان کی کشتی ہمیشہ برابر رہتی تھی۔

لال کنویں میں ایک انعام علی خاں پہلوان تھے۔ یہ تھانہ بھون کے ایک مشہور پہلوان سے لڑنے کے لیے تھانہ بون گئے۔

وہ بتاتے تھے کہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس گیا، مولانا نے مجھے بڑی محبت سے بٹھایا، میں نے عرض کیا میں آپ کے شہر کے مشہور پہلوان سے کشتی لڑنے

کے لیے آیا ہوں، دلّی کا رہنے والا ہوں، مجھے ایک تعویذ دیدیجیے تاکہ میں کشتی جیت جاؤں۔ مولانا میری بات سن کر ہنسنے لگے اور فرمایا:

پہلوان صاحب! کُشتی تو آپ کی طاقت لڑے گی، میرا تعویذ کُشتی نہیں لڑ سکتا۔ اچھا آپ میرے بزرگوں کے شہر سے آئے ہیں، میں آپ کو تعویذ دیتا ہوں، مگر یہ تعویذ کُشتی لڑنا نہیں جانتا۔ پھر اتفاق یہ ہوا کہ دلّی والا جیت گیا اور تھانہ بھون میں مولانا کے تعویذ کا بڑا چرچا ہوا۔

حضرت تھانویؒ کو لوگ ایک خشک مزاج مولوی سمجھتے تھے، حالاں کہ ان کی سختی تربیت کے تحت ہوتی تھی، ورنہ مولانا بڑے شگفتہ مزاج واقع ہوئے تھے۔ مولانا اپنے وعظ میں حکایتوں کی صورت میں جو چٹکلے بیان کرتے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم واتقا خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی کی نفی نہیں کرتا۔

استاد لومڑی:

ہم نے اپنے بچپن میں استاد لومڑی کو دیکھا، ان کی کمر دوہری ہوگئی تھی، ہمارے محلے میں رہتے تھے، ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔

ہمارے بڑے کہا کرتے تھے کہ یہ اپنے وقت میں لاجواب کُشتی گیر پہلوان تھے۔ اب ان کے ساتھ یہ مذاق ہوتا تھا کہ لڑکے انھیں چھیڑتے اور کہتے تھے استاد گولا چھوڑو، استاد منہ سے گولا چھوڑتے تھے اور ان کی آواز بڑھاپے میں بھی کافی دور جاتی تھی۔

لال کنویں میں عزیز الدین پہلوان تھے جو مرکھنی کُشتی لڑنے میں مشہور تھے۔ اپنے حریف پر قابو پانے میں انھیں اگر دیر لگتی تھی تو یہ اپنے مدمقابل کی ناک پر ٹکر مارتے اور اس کی نکسیر پھوٹ جاتی تھی اور دنگل میں دونوں طرف سے پتھراؤ شروع ہوجاتا تھا اور سیلانی تماشائی بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

طفیل پہلوان:

طفیل پہلوان جامع مسجد پر طاقت کی گولیوں کا مجمع لگاتے تھے، ان کا اوپر کا حصہ بڑا موٹا تازہ تھا اوران کی ٹانگیں کم زورتھیں، یہ کرتا اتار کر اوپر کے جسم کا مظاہرہ کرتے اور یہ کہتے تھے کہ میری طاقت کی گولیوں کا یہ کرشمہ ہے، جو میری گولیاں کھائے گا، اتنا ہی طاقت ور ہو جائے گا۔

بعض لوگ انھیں پریشان کرنے کے لیے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ پہلوان اپنی رانیں دکھاؤ، یہ رانیں نہیں دکھاتے تھے، کیوں کہ ان کی رانیں پتلی پتلی تھیں۔ یہ گلی مسجد میر کروڑ میں رہتے تھے۔

فن بنوٹ:

لکڑی چلانے کو بنوٹ کا فن کہا جاتا ہے۔ اس فن کے ایک استاد خلیفہ محمد صدیق (رودگران) تھے، جو نگینہ سازی کرتے تھے۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نے انھیں دیوبند بلایا۔ یہ اپنے چند شاگردوں کو لے کر دیوبند گئے۔ دارالعلوم کے دار جدید والے میدان میں انھوں نے اپنا فن دکھایا۔ مولانا مدنیؒ علما میں ایک سپاہیانہ مزاج کے بزرگ تھے۔ مولانا دوسرے اساتذہ کے ساتھ اس مظاہرے میں شریک رہے۔

اس سال میں مدرسہ دارالعلوم میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، مولانا نے خلیفہ جی کی خاطر مدارات کے لیے دوسرے طلبا کے ساتھ مجھے بھی مقرر کر دیا تھا، کیوں کہ خلیفہ جی میرے پڑوسی تھے۔ خلیفہ جی کو نعت پڑھنے کا شوق بھی تھا، مولانا احمد سعیدؒ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے اور نعت سنایا کرتے تھے۔

دلی میں اس فن کی حوصلہ افزائی اس لیے بھی کی جاتی تھی کہ محرم کے تعزیوں میں بنوٹ کے اکھاڑے شامل ہوتے تھے اور تعزیوں کے آگے بنوٹ کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ اب نہیں معلوم کہ یہ رواج ہے یا نہیں...... البتہ میرے بچپن میں یہ رواج اپنے عروج پر تھا۔

تعزیوں کی توہین:

محرم کے تعزیوں میں شرم ناک قسم کے اکھاڑے اور بنوٹ کے مظاہرے میں نے کوکن کے علاقے میں دیکھے۔ اس علاقے کی مشہور بستی بان کوٹ میں، میں نے کئی سال اصلاحی وعظ کہے، چند نوجوان اس بے ہودگی کے خلاف کھڑے ہو گئے تھے وہ پارٹی مجھے بلایا کرتی تھی۔

ساری ساری رات تعزیوں کے جلوس کے ساتھ شراب میں دھت نوجوان اچھلتے کودتے اور اسی بدمستی کے عالم میں درود شریف پڑھتے ہیں اور یارسول اللہ، یارسول اللہ کے نعرے لگاتے ہیں۔

الحمد للہ کئی سال کی محنت کے بعد نوجوانوں کی اصلاح ہونے لگی تھی، لیکن میں نے وہ صبر آزما سفر اپنی کم زوری صحت کی وجہ سے ترک کر دیا۔

پہلے بمبئی سے پانی کی راہ سے بان کوٹ جایا کرتے تھے۔ مگر بان کوٹ کی کھاڑی تک پہنچنے کے لیے سمندر کے خطرناک راستے کو عبور کرنا پڑتا تھا اور اس میں کشتیاں پلٹ جاتی تھیں۔ اس لیے اب بسوں کا سفر رہ گیا ہے، جس میں چھ سات گھنٹے لگتے ہیں۔

دلی کے شرفا نے اب ان دونوں فنوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے، کیوں کہ زمانۂ جدید کی تفریحات اب دوسری ہیں، اب کرکٹ ہے فٹ بال ہے اور فلمی ستاروں کی رومان بازی اور ہلڑ بازی کے افسوس ناک نظارے ہیں۔

شیخ یعقوب سہروردیؒ۔ شیواجی کے مسلمان گرو:

کوکن کے علاقے کا اوپر ذکر آیا، اس علاقے کا ایک تاریخی یادگار واقعہ چھترپتی شیواجی اور ان کے مسلمان گرو شیخ یعقوب سہروردی سے متعلق ہے۔ شیخ یعقوب (وصال ۱۲۹۳ھ/۱۶۸۲ء) سندھ سے کوکن (مہاراشٹر) میں اپنے ایک خادم ہمت خاں کے ساتھ تشریف لائے۔ یہ وہ دور تھا جب شیواجی اور عالم گیر کے درمیان

فوجی کش مکش جاری تھی۔

ان کا مزار کیلشی سے اوپر پہاڑوں میں واقع ہے۔ میں نے کیلشی سے بیل گاڑی کے ذریعے یہ سفر کیا، میرے ساتھ کوکن کے ایک پرانے مجاہد آزادی مسٹر عبداللہ پر کار تھے، جنھوں نے گاندھی جی کی نمک تحریک میں حصہ لیا تھا اور رضا کار کی حیثیت سے گرفتار ہوئے تھے۔

شیخ سہروردی نے شیوا جی کا اپنی روحانی قوت سے دل جیت لیا تھا۔ صورت یہ پیش آئی کہ شیوا جی عالم گیر کے حبشی سپہ سالار سے دابھول (ساحل سمندر) کے مورچے پر جنگ کر کے اسے خالی کرانا چاہتا تھا۔ اس جنگ میں کامیابی کے لیے شیوا جی نے شیخ سے دعا کرائی اور اس دعا سے وہ جنگ جیت گیا، اس عرصے میں شیخ کا وصال ہو گیا۔

اس سے پہلے حملے میں شیوا جی ہار گیا تھا کیوں کہ شیخ نے اسے حملہ کرنے سے روکا تھا..... اس کامیابی سے خوش ہو کر شیوا جی نے شیخ کا مقبرہ بنوایا اور مقبرہ کے لیے ۶۵۳ر ایکڑ اراضی وقف کی، جس پر آج ناریل اور چھالیہ کے باغات لگے ہوئے ہیں اور ان کی آمدنی سے درگاہ کے مصارف، عرس، لنگر وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔

تعجب ہے کہ تاریخ کوکن کے مصنف ڈاکٹر محی الدین کوکنی شیخ سہروردی کے تفصیلی حالات سے بے خبر رہے، شاید اس لیے کہ انھیں کوئی تحریری ماخذ نہیں ملا۔ حالاں کہ شیوا جی اور شیخ کے حالات اس علاقے کے ہندو مسلم خواص و عوام کی زبانوں پر عام ہیں اور سینہ بہ سینہ روایات کا یہ تواتر و تسلسل بھی تحریری ماخذ سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔

راقم نے شیوا جی کی مستند تاریخ اور شیخ یعقوبؒ کے بارے میں عوامی زبانی روایات کی روشنی میں شیوا جی اور شیخ یعقوبؒ کے مکمل حالات پر ایک مقالہ ترتیب دیا اور اس میں شیوا جی کی مسلمانوں کے ساتھ مذہبی رواداری اور عدل پروری کے واقعات ترتیب دیے ہیں، تاکہ موجودہ حالات میں شیوا جی جیسے مرہٹہ حکم راں کے سیکولر کیریٹر سے ہندوستانی عوام آگاہ ہوں۔

باب (۱۷)

رنگ ساز برادری

اور

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ

دلّی میں رنگ ساز برادری نے یہ طے کیا کہ وہ اپنے آپ کو حضرت سعد ابن ابی وقاص صحابیؓ سے منسوب کرے اور انجمن بنی سعد نام رکھے، لیکن یہ تحریک چل نہ سکی اور برادری ازم کی لہر سے یہ محفوظ رہے۔

اس پیشے کے بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ حضرت سعدؓ تیر کمانوں پر رنگ و روغن کرتے تھے، حالاں کہ یہ تاریخی روایت نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے لیے دعا کی:

اَللّٰھُمَّ سَدِّدْ سَھْمَہٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَہٗ.

"اے اللہ! سعد کی تیر اندازی کے نشانہ کو درست رکھیو اور سعد کی دعا قبول کیجیو۔"

اس دعا کا مقصد حضرت سعدؓ کے اندر جنگی مہارت پیدا کرنا تھا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔ حضرت سعدؓ بہترین سپہ سالار اور مستجاب الدعوات تھے۔

یہ وہی قابل فخر قریشی بہادر تھے جنھوں نے تنہا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت دفاع کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے موقع پر تنہا میدان جہاد میں رہ گئے تھے اور حضرت سعدؓ آپ پر آنے والے تیروں کو اپنے سر اور سینے پر روک رہے

تھے اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم گڑھے کے اندر سے یہ فرمارہے تھے کہ

اِرْمِ یَا سَعْدُ! فَدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ.

''اے سعد! دشمنوں پر تیر برسائے جا، تاکہ وہ مجھ تک نہ آسکیں۔ میرے ماں باپ اے سعد تجھ پر قربان ہوں۔''

(حضرت) سعدؓ کی اسی قربانی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ دعا دی تھی۔

حضرت سعدؓ نے عرب فارس جنگ کے مشہور معرکہ قادسیہ کو فتح کیا۔ حالاں کہ اس وقت ان کی ٹانگ میں نقرس کا درد تھا، اور ان کے لیے لکڑی کا ایک مچان بنادیا گیا تھا، جہاں سے یہ جنگ کی کمان کررہے تھے۔

رنگ ساز کوئی برادری نہیں بلکہ رنگ سازی کرنے والوں کا ایک طبقہ ہے۔ اب ان لوگوں میں سلائی کی مشینیں اور دوسرا بجلی کا سامان، اسپرے پینٹ کیا جاتا ہے اور لال کنویں پر ان کے کارخانے ہیں۔ بلڈنگوں کی رنگائی کے ٹھیکے بھی لیے جاتے ہیں۔ ان کے رشتے دار جے پور میں رنگائی بھی کرتے ہیں اور سائن بورڈ بھی تحریر کرتے ہیں۔ اس برادری کے ایک پرانے آدمی طیب قریشی ہیں، ان کے لڑکوں کی دکان اجمیری گیٹ پر ہے جس میں ہر قسم کے پینٹ فروخت ہوتے ہیں۔

یہ بات حضرت سعدؓ کے مقبول بارگاہ ہونے کی ہے کہ ان کے نام سے غلط طور پر کوئی برادری قایم نہ رہ سکی۔

عالم گیر کا غلط استدلال:

بعض اہل قلم نے عالم گیر بادشاہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ عالم گیر یہ کہتا تھا کہ نااہل لوگوں کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے جنگل والے جانور کے گلے میں جواہرات کا ہار ڈال دیا جائے، اور نااہل لوگوں سے وہ پسماندہ لوگوں کی طرف اشارہ کرتا.....اور اپنے اس نظریے کو مذہب اسلام سے جوڑتا تھا۔

عالم گیر کی طرف اگر اس خیال کی نسبت صحیح ہے تو عالم گیر کا یہ ذاتی خیال ہوگا،

کیوں کہ مغل آرین نسل سے تعلق رکھتے تھے اور اس نسل کے اندر نسل پرستی کا روگ موجود تھا، اسلام سے اس نظریے کا کوئی تعلق نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یہ ہے:

وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوَاهِرِ وَاللُّؤْلُؤَوِ الذَّهَبِ. (مشکوٰۃ ۳۴)

اس حدیث کی تشریح میں محدثین نے یہ لکھا ہے کہ نااہل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد بے سمجھ اور کم فہم آدمی ہے، نسلی ذات پات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل وفہم سے محروم آدمی کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اسے پڑھانا بے سود ہے، جب تک وہ عقل وفہم سے کام نہ لے، گدھے پر کتابیں لادنے سے کیا حاصل؟ نسلی تفاخر کی نفی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَطَّاءَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ. (مشکوٰۃ ۳۴)

"جس شخص کے عمل اسے پیچھے دھکیل دیتے ہیں اس کا حسب نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔"

یعنی بلندی اور پستی کا تعلق انسان کے اچھے اور برے اعمال سے ہے۔ ذات پات سے نہیں۔

بعض علمائے اخلاق نے یہ لکھا ہے کہ توارث کے اثرات علم کی روشنی آجانے کے بعد بھی قایم رہتے ہیں اور ان اثرات کے ازالے کے لیے علم واخلاق کی طویل تربیت درکار ہوتی ہے اور یہ ایک فطری بات ہے، تربیتی ماحول بچپن ہی سے بچے کو متاثر کرتا ہے۔ بچہ کچی لکڑی کی مانند ہوتا ہے۔

حاجی نصیر الدین مرحوم:

رنگ ساز برادری کے ایک صاحب دل آدمی حاجی نصیر الدین صاحبؒ تھے، مولانا احمد سعیدؒ کی مجلس کے حاضر باش تھے، خیر کے کاموں میں بڑا حصہ لیتے تھے۔

انھی کے صاحب زادے حاجی فخر الدین (کٹرہ شیخ چاند، لال کنواں) مشینوں کے رنگنے کا بڑا کارخانہ چلا رہے ہیں، صاحب فیض آدمی ہیں۔

درگاہ قطب صاحبؒ:

حضرت قطب صاحبؒ کی درگاہ جب کھل گئی تو مولانا احمد سعید صاحبؒ نے مشورہ دیا کہ درگاہ میں ۲۵ رمضان کی شب قدر میں شبینہ کرایا جائے اور اس کا جملہ انتظام میرے اور عبدالحق صاحب پراچہ کے سپرد کیا❶۔ مولانا کے آنے جانے والوں میں حاجی صاحب نے اس کام میں بڑا حصہ لیا، پیسے سے بھی اور ہاتھ پیروں سے بھی۔

ویسے جمعیت علما دلی اسٹیٹ کے تمام کارکن اس کام میں جت گئے تھے۔ درگاہ میں تمام رات دلی کے بڑے بڑے جید حفاظ قرآن کریم پڑھتے رہے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقیؒ نے مسجد (عقب درگاہ) میں قرآن کریم پڑھا۔ ساری رات درگاہ میں عجیب روحانی سماں قایم رہا۔ سحری سے کچھ دیر پہلے دعا ہوئی،

---

❶ اس آزاد ''اسلامی'' مملکت میں علما کی تحقیق بھی آزاد ہوگئی اور ہمارے بزرگ، جو بہ ہر حال دیوبندی کہلانے کے مستحق تو ہو نہیں سکتے، ایسی باتوں کی تحقیق کر رہے جن پر چودہ سو سال سے ہمارے اکابر و اسلاف متفق تھے، اور آج انھیں معلوم ہوا کہ یہ نا جائز ہے۔ آج یہاں علما شبینے میں قرآن پڑھنے کو بدعت اور گم راہی تک کہنے لگے۔ ان میں کثرت سے وہ اصحاب فتاویٰ ہیں جو رمضان شریف اور شب قدر میں نرم نرم بستروں پر خواب خرگوش میں مگن ہوتے ہیں۔ انھیں تو شبینے کی مخالفت ہی کرنی ہے۔ کیوں کہ اس آخری پہر میں قرآن کے لطف سے نا آشنا ہیں۔ جب کہ صلوٰۃ التسبیح با جماعت کی بدعت سے یک سر چشم پوشی ہے۔ ان علما میں مولانا رشید احمد لدھیانویؒ، مولانا عبدالرؤف سکھروی اور ان کے متعلقین شامل ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا فتویٰ مولانا محمد تقی عثمانی نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلاف دیا تھا۔ (شریفی)

اس دعا میں جو کیفیت محسوس ہوئی وہ پھر دوبارہ محسوس نہ ہوسکی۔

چہ مبارک سحرے بودو چہ فرخندہ شبے
آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

ڈاکٹر احمد حسن عثمانی:

اس تاریخی شینے میں دلّی کے مشہور سماجی کارکن ڈاکٹر احمد حسن عثمانی مرحوم نے حسب عادت بڑا کام کیا۔ مہرولی میونسپل بورڈ سے پانی کی ٹنکیاں منگائیں، پولیس کا انتظام کرایا۔ کیوں کہ مسلمانوں میں اس وقت تک دہشت پھیلی ہوئی تھی، مرحوم ڈاکٹر صاحب ساری رات ادھر ادھر کھدر کا سوٹ اور سر پر اونچی باڑ کی گاندھی کیپ اور ہاتھ میں موٹی بید اور چہرے پر بھرواں بارعب داڑھی لیے ہوئے پھر رہے تھے۔

ایسے موقعوں پر مرحوم اپنے آپ کو ایم پی کہہ کر پولیس والوں اور سرکاری اہلکاروں سے کام لیتے تھے۔ حالاں کہ وہ ڈاکٹری ڈگری کے لحاظ سے ایم پی تھے۔

مرحوم بڑی جرأت کے آدمی تھے۔ پنجاب کے ایک مقام سے ایک ہلاک شدہ مسلمان عورت کی لاش دلّی لانی تھی، جمعیت علمائے ہند کی جیپ تھی، میں بھی ہم راہ تھا۔ اس ماحول میں پولیس کی منظوری کے بغیر ایک مسلمان عورت کی لاش کا دلّی لانا بڑے حوصلے کا کام تھا۔ گاڑی کا ڈرائیور محمد یونس تھا جو اپنے بلند حوصلے میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے لیے خدا کا خاص عطیہ تھا۔ مولانا کی جیپ پر ایم پی کی چٹ لگی ہوئی تھی۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے یہ کارِ خاص ڈاکٹر صاحب کے سپرد کی ہے، اسی لیے میں ساتھ ہولیا۔ موقعے پر یہ صورت حال سامنے آئی تو مجھ پر خوف طاری ہوگیا، لیکن پھنسنے کے بعد کیا کرسکتا تھا؟ ڈاکٹر صاحب نے اس مرحومہ کی لاش کو چادر میں لپیٹا اور جیپ کے اندر ڈال لیا، خود آگے بیٹھے، جیپ کے پرزے چھوڑ دیے۔

راستے میں جہاں کہیں پولیس نے ٹوکا، بڑے حوصلے سے کہا۔ آئی، ایم ایم، پی، دلّی اور ایم، پی چٹ کی طرف اشارہ کیا۔

پھر یونس کی طرف اشارہ کیا، یونس بھی ہوشیار تھا۔ گاڑی کو ہوا کردیا اور دلّی گیٹ کے قبرستان پہنچ کر سانس لیا، اور مرحومہ کو سپرد خاک کردیا۔

جمعیت علما کے کارکن ڈاکٹر صاحب کی مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے ہاں مقبولیت پر بڑا حسد کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے خلاف طرح طرح کی شکایات کرتے تھے، لیکن اس واقعے کے بعد مولانا مرحوم نے ان دفتری کارکنوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ''میں ڈاکٹر صاحب سے اس قسم کے کام لیتا ہوں جو آپ لوگوں کے بس کے نہیں۔ ڈاکٹر سرکاری دفتروں سے مسلمانوں کے کام کوڑیوں میں کرالاتا ہے، اور اکثر میرا نام لے کر ہی مسلمانوں کے کام نکلوا دیتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب قبرستان مہندیان میں احاطۂ مسجد کے اندر مدفون ہیں۔

ڈاکٹر صاحب حضرت مخدوم جلال الدینؒ کبیر الاولیاء پانی پتی عثمانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ مشہور مجاہد آزادی مولانا لقاء اللہ عثمانیؒ کے ساتھ عزیزداری تھی۔

ڈاکٹر صاحب کے ایک صاحب زادے دلّی کے مشہور شاعر مخدوم زادہ مختار حسن عثمانی ہیں جو قد وقامت اور چہرے مہرے میں اپنے والد کی شبیہ ہیں، فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر مجاہدانہ داڑھی تھی، مختار صاحب کے سر پر شاعرانہ زلفیں ہیں۔ مختار صاحب کی اقامت گاہ نیو پبلک پریس گلی قاسم جان ہے اور ان کی قدر دانی مسٹر محمد عتیق صاحب ایڈووکیٹ ناظم جمعیت علما، دلّی اسٹیٹ کرتے ہیں، اور ان کے والد مرحوم کی جو خدمات ہیں ان کا ہم سب دلّی والوں کی طرف سے حق ادا کرتے ہیں۔

سرمد حسن عثمانی:

ڈاکٹر صاحب کے بڑے لڑکے سرمد حسن عثمانی تھے جو اپنے والد کے مطب

(فراش خانے) میں بیٹھتے تھے۔

بڑے سرگرم سماجی کارکن تھے، ان کی بے باک طبیعت کی وجہ سے پولیس انھیں پسند نہیں کرتی تھی اور انھیں فساد کے سلسلے میں ایک قتل کے اندر گرفتار کر کے جیل بھیج دیا تھا، بعد میں باعزت بری ہوئے۔ بیمار رہتے تھے، جوانی میں وفات پا گئے۔

ڈاکٹر عثمانی بڑی معلومات کے آدمی تھے، انھی کی اطلاع پر ہم نے جھجر کے نوابوں کی اڑواڑ دیکھی۔

نواب عبدالرحمٰن خان آف جھجر:

جن میں سے ایک قبر نواب عبدالرحمٰن خاں (آخری نواب) کی ہے۔ اس غیور اور شجاع نواب کو انگریزوں نے بغاوت ۱۸۵۷ء کے جرم میں شہید کرادیا تھا۔ ہم نے شہید نواب صاحب کے مزار پر خاص طور پر فاتحہ پڑھی۔

نواب عبدالرحمٰن خاں کا واقعہ ہے کہ مرحوم نواب صاحب حضرت قطب صاحبؒ کی روح مبارک کے لیے ایصال ثواب کی محفل منعقد کرتے تھے اور نذر و نیاز کا کھانا اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے۔

ایک محفل میں ایسا ہوا کہ محفل نیاز میں درگاہ کے پڑوس میں رہنے والا ایک چمار آ کر بیٹھ گیا، نواب صاحب کو اس پر غصہ آ گیا اور اسے محفل سے اٹھا دیا۔

رات کو حضرت قطب صاحبؒ نواب صاحب کے خواب میں آئے اور فرمایا:

تم نے میرے پڑوسی کو غریب دیکھ کر مجلس سے اٹھا دیا، مجھے بڑی تکلیف پہنچی اور میں نے تمھاری نیاز کو قبول نہیں کیا۔

یہ خواب دیکھ کر نواب صاحب نے دوبارہ محفل منعقد کی اور اس چمار کو خود اس کے گھر سے لا کر محفل میں شریک کیا اور اس گستاخی پر معذرت چاہی۔

خدا کی عام مخلوق کے ساتھ ان اہل اللہ کو جو محبت تھی اس کا اس واقعے سے اظہار ہوتا ہے۔

زرسم و راہ شریعت نہ کردہ ام تحقیق
جز ایں کہ منکر عشق است کافر و زندیق

(اقبالؔ مرحوم)

انسانی محبت کے اسی جذبے نے ان حضرات اہل اللہ کے ذریعے ہندوستان کے قدیم صنم کدہ میں توحید کی روشنی پھیلائی۔ دوسری طرف اہل علم کا طبقہ ہو یا اہل ریاست کا طبقہ، دونوں طبقوں میں نسلی اور برادری واد کی زہریلی ہوائیں چل رہی تھیں۔

بھلا اس ذہن وظرف کے ساتھ خدا کا دین وحدت کس طرح پھیلتا۔

باب (۱۸)

موسیقار برادری اور نام ور مغنیات
(گلوکار)

دلّی کی یہ ماہر موسیقار برادری جسے میراثی کے لقب سے پکارا جاتا ہے، سوئی والان کے محلے میں آباد ہے۔

یہ برادری دراصل مرثیہ گوئی کے فن سے مشہور ہوئی ہے۔ مرثیہ کی جمع مراثی ہے۔ اسی لفظ نے لفظ میراثی کی شکل اختیار کرلی اور یہ لفظ گویّے (گانے بجانے والے) اور گلوکاری کے فن والوں کے لیے بولا جانے لگا۔

شیعہ فرقے میں مرثیہ گو افراد کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ مرثیہ گو ذاکر اور واعظ صاحب کے منبر پر بیٹھ کر مرثیہ پڑھا کرتے ہیں۔

مغلیہ عہد میں ایک گلوکار خاندان کا پتہ چلتا ہے جسے نواب وزیر الدولہ نے جو عہد بہادر شاہ میں یوپی کے گورنر تھے، اپنے تعمیر کردہ محفل بارہ دری نواب وزیر (پھاٹک حبش خاں) میں آباد کردیا تھا اور اپنی رہائش یوپی میں ہی رکھی تھی، یہ خاندان نواب وزیر الدولہ کا خاص موسیقی نواز خاندان تھا۔

یہ خاندان بارہ دری نواب وزیر سے دوسری جگہ کب منتقل ہوا؟ اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

دلّی میں مرثیہ گوئی:

دلّی میں تعزیوں کے جلوس (دسویں محرم) میں تعزیوں کے آگے آگے مرثیے پڑھنے کا رواج تھا اور دلّی میں چند مقام ایسے تھے جہاں اہل تشیع کے علاوہ اہل سنت کے شرفا بھی شرکت کرتے تھے۔

دلی میں شیعہ صاحبان کی بڑی آبادی موری گیٹ کے علاقے میں تھی۔ اور اس وجہ سے شیعہ جامع مسجد کشمیری گیٹ میں واقع ہے اور اسی علاقے میں ان لوگوں کا بڑا امام باڑہ ہے۔

پرانے شہر میں فراش خانہ گلی نواب مرزا میں شیعہ صاحبان کا ایک معزز خاندان آباد ہے، یہیں دلی کالج کے پروفیسر موسوی صاحب رہتے تھے۔ اب مسٹر حسنین (دلی کارپوریشن کے چیف انجینئر) رہتے ہیں۔

یہ مکان محرم کی مرثیہ گوئی اور ماتم سرائی کا مرکز تھا اور اب بھی ہے۔ اگرچہ وہ پہلی سی بات نہیں ہے۔

گلی قاسم جان میں گلی مرغان کے نکڑ پر نواب ہادی حسن خاں کا ایک امام باڑہ تھا، جس میں مجالس محرم ہوتی تھیں۔

نواب ضمیر مرزا صاحب کا مدرسہ:

نواب صاحب کو میں نے نواب ضمیر مرزا صاحب کے پاس گلی کروڑ والی میں واقع مکان کی ڈیوڑھی میں مونڈھے پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے، یہ کوئی سرکاری افسر تھے جو ریٹائر ہو گئے تھے۔

نواب ضمیر مرزا صاحب اپنی وسیع ڈیوڑھی میں مونڈھوں پر درس حدیث دیتے تھے۔ نواب صاحب کی نشست ایک لوہے کے سہارے والی کرسی پر ہوتی تھی۔

الجمعیۃ کے ایڈیٹر مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیطؒ نے اسی درس گاہ سے حدیث کا درس لیا۔ فارقلیط صاحبؒ نواب صاحب کے مسلک اہل حدیث پر تھے۔

یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا، مدرسہ عالیہ فتح پوری میں پڑھتا تھا، اسی زمانے میں، میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ کربلا میں جن ظالموں نے اہل بیت پر ظلم وستم کیا، بہ ہر حال وہ مسلمان تھے، ان پر کافروں کی طرح لعنت بھیجنا جائز نہیں۔

یہ بات کسی نے ہادی حسن صاحب تک پہنچا دی، انھوں نے نواب ضمیر مرزا

صاحب سے شکایت کے طور پر میری بات نقل کی اور بخاری شریف کی اس حدیث کا حوالہ دیا جس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَلَحَ عَلَيْنَا فَلَيْسَ مِنَّا. (کتاب الدیات، جلد دوم)

''جو شخص ہم مسلمانوں پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

وہ نواب صاحب اس کے ظاہری معنی مراد لیتے تھے، اور یہ بیان کرتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ نواب ضمیر مرزا صاحب نے مجھے بلایا اور اپنے دوست نواب صاحب کا اعتراض نقل کیا۔ میں نے اس کی وہی تاویل کی جو محدثین کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیرایے میں ناراضگی کا اظہار کیا ہے، یہ حدیث بیان حکم کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ کفر کا تعلق عقیدے سے ہے عمل سے نہیں ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص مسلمانوں کا خون حلال ہونے کے عقیدے سے مسلمانوں کو قتل کرتا ہے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

اہل حدیث علما چوں کہ احادیث کے الفاظ کا ظاہری مفہوم مراد لیتے ہیں، تاویل کی راہ اختیار کرنے سے گریز کرتے ہیں، اس لیے نواب صاحب نے ایک عالم کی طرح میری تاویل کو سنا اور صرف یہ جملہ فرمایا:

جی ہاں مولوی صاحب! آپ لوگ تاویلات بہت کرتے ہیں، اس سے زائد کچھ نہیں کہا۔ کیوں کہ اس اصول کو تمام اہل علم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر حملہ آور یا قاتل کافر نہیں ہوتا، البتہ وہ سخت گناہ گار ہوتا ہے۔

اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پچھلے دور میں شیعہ سنی اختلافات میں وہ تشدد نہیں تھا جو آج کل نظر آ رہا ہے۔

دلّی کی مرثیہ گو خواتین:

دلّی میں جو خواتین (موسیقار) مرثیہ گوئی میں شہرت رکھتی تھیں اور ان کے ہاں

محرم کی مجالس با قاعدہ منعقد ہوتی تھیں، ان کے مکانات محلّہ رودگران، محلّہ سرکی والان اور جامع مسجد پر تھے۔

شہر کے بااثر لوگ ان خواتین کے ہاں مرثیہ گوئی سننے جاتے تھے۔ ہم نے اپنے بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ دلّی کی مغنیات (گانے والیاں) جنھیں ڈیرہ دار کہا جاتا ہے، بڑی مہذب اور شریف کردار کی مالک ہوتی تھیں اور دلّی کے شرفا اپنے بچوں کو تہذیب و شائستگی سکھانے کے لیے ان کے ہاں بھیجا کرتے تھے، یہ طبقہ طوائفوں سے ممتاز تھا۔

ان ہی گانے والیوں میں ایک گانے والی چاوڑی بازار کے ایک کمرے پر رہتی تھی۔ (یہ بازار اسی قسم کا تھا) جو مولانا محمد اسماعیل شہید کے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر اپنے شوق سے تائب ہوگئی تھی اور پھر اسے لوگوں نے بالاکوٹ کے مجاہدوں کے ساتھ دیکھا، اس حال میں کہ وہ مجاہدوں کے گھوڑوں کا دانہ ڈال رہی ہے۔

کہاں اس کی وہ نازو انداز کی زندگی کہاں یہ محنت و مشقت؟

یہ کرامت تھی مولانا شہید علیہ الرحمہ کی۔ ورنہ یہ وہ چاوڑی بازار تھا جس کے متعلق مولانا راسخ نے کہا تھا ؎

چاوڑی قاف ہے یا خلد بریں ہے راسخ
جمگھٹے حوروں کے پریوں کے پرے ملتے ہیں

اور یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ جامع مسجد جیسی عظیم عبادت گاہ کے زیر سایہ خرابات و خرافات ہوتی تھیں۔

اسی طرح لاہور کی جامع مسجد شاہی جانے والے عبادت گزروں کو اسی خرابات سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔

بدتہذیبی کا جس بازار میں بدترین مظاہرہ ہوتا تھا وہ کاٹھ بازار تھا، جو سرائے خلیل صدر بازار کے راستے میں پڑتا تھا، اب وہاں تجارتی مارکیٹ بن گئی ہے۔ رحمٰن مارکیٹ بھی یہیں ہے جو حاجی عبدالرحمٰن صاحب بالٹی والے (حافظ عبدالعزیز انصاری

کے رشتے دار) کے نام سے موسوم ہے۔

حاجی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم دینی، سماجی سرگرمیوں میں نمایاں ہوکر حصہ لیتے تھے اور اس دور کے صاحب حیثیت مسلمان صنعت کار تھے۔

اب یہ گندگی جی، بی روڈ پر قایم ہے اور پولیس کے گندہ ذہن عملے کے تعاون سے جاری ہے۔دن کے وقت گزرتے ہوئے بھی یہاں شیطانی مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ دلّی میں اس قسم کی بازاری عورتوں کو نٹیاں کہا جاتا ہے۔

نور بائی اور نادر شاہ:

یہ گانے والیاں علمی لیاقت کی خواتین ہوتی تھیں۔ان کا اندازہ محمد شاہ رنگیلے (عالم گیر کے پوتے) کی درباری مغنیہ نور بائی اور نادر شاہ درانی کے اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ نادر شاہ نے جب اس درباری گانے والی کا گانا سنا تو بہت خوش ہوا اور اسے انعام واکرم سے نوازا اور یہ خواہش کی:

نور بائی! روئے ہند سیاہ کن، بیا کہ بہ ایرانیت بریم۔

''نور بائی ہندوستان کا منہ کالا کر اور میرے ساتھ ایران چل۔''

نور بائی گھبرا گئی کہ اب میری جان کی خیر نہیں! کیا جواب دوں؟ اس نے فی البدیہہ فارسی کی یہ غزل شروع کردی، جس کے دو شعر یہ ہیں

من شمع جاں گدازم تو صبح دل کُشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیکت ایں چنیم دورآں چناں کہ گفتم
نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

''اے سلطان! میں ایک شمع جاں گداز کی مانند ہوں اور آپ صبح دل کشا کی مانند ہیں۔صبح سے دور ہوں تو جل رہی ہوں اور جب صبح کو دیکھوں گی تو مرجاؤں گی۔اے بادشاہ! مجھ میں نہ وصل کی طاقت ہے اور نہ جدائی کی

طاقت ہے۔"

نادر شاہ درانی اس کی قابلیت پر حیران ہو گیا اور اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

ایک تاریخی مغنیہ زینت النساء بیگم:

واقعات دارالحکومت کے مصنف نے ایک بیگم شمرو کا ذکر کیا ہے، اس کا نام نہیں لکھا۔ میرے لڑکے ڈاکٹر شریف حسین قاسمی نے بیگم شمرو کے حالات پر تحقیقی مقالہ شایع کیا ہے۔

اس تحقیق کے مطابق یہ ایک مغنیہ تھیں، میرٹھ کی رہنے والی تھیں۔ ۱۱۶۴ھ/ ۱۷۵۱ء کی پیدائش ہے، ان کا نام زینب النساء تھا۔ مصنف مذکور نے ایک برطانوی بشپ (ہیر) کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ ایک بہت چھوٹی سی عجیب وضع قطع کی بڑھیا عورت تھی، جس کی چمک دار آنکھوں میں شرارت بھری ہوئی تھی۔ بایں ہمہ حسن و جمال کی جھلک اب بھی موجود تھی۔ (دوم ۲۱۰)

لیکن اس خاتون کی جو تصویریں ملتی ہیں ان سے یہ ایک نہایت پر وقار اور بارعب چہرے مہرے کی خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ بڑے کلے، جبڑے کی بہادر خاتون۔

لکھنؤ کے ایک شیعہ عالم نے زینت التواریخ کے نام سے اس تاریخی عورت کی کہانی لکھی ہے۔ اس خاتون کو بہادر شاہ، بہن کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک انگریز سیاح جو شمرو کے نام سے مشہور تھا، اس کا اس خاتون سے تعلق قایم ہو گیا تھا اور اس خاتون نے عیسائی مذہب قبول کر کے اس سے شادی کر لی تھی۔

اس سیاح نے اپنی خدمات کی بہ دولت مغل حکومت سے ایک جاگیر حاصل کر لی تھی اور دوسرے جاگیرداروں کی طرح ایک فوجی دستہ تیار کر لیا تھا۔

اس دستے کو شمرو، مغلوں کی مدد کے لیے بھیجا کرتا تھا اور آخر میں اس فوج کو اس نے بہادر شاہ ظفر کے حوالے کر دیا تھا اور خود سردھنہ (میرٹھ) میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔

شمرو کا انتقال آگرہ میں ہوا اور وہیں اسے دفن کر دیا گیا۔ بیگم شمرو اپنے شوہر کے

بعد اس کی جاگیر کی مالکہ بن گئی اور سردھنہ کے قریب ایک بڑا گرجا تعمیر کرایا، جو آج بھی قایم ہے۔

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد ان کی جاگیر ضبط کر لی اور ان کے ترکے کا مال و متاع ان کی لے پالک (آغوشی لڑکی گود لی ہوئی) کے شوہر کو ان کی وصیت کے مطابق دے دیا گیا۔ دلّی میں بیگم شمرو کا محل جامع مسجد کے شمالی دروازے کے سامنے تھا، اب وہاں کھلونوں والوں کی دکانیں ہیں۔ یہ محل ایک بڑے وسیع رقبے میں واقع تھا، اس میں باغ اور نہریں تھیں اور اس کا دوسرا سرا چاندنی چوک کی سڑک پر تھا اور اس کے سامنے گرجا تھا، جو اب بھی ہے۔

اس بہادر خاتون نے مغل حکومت کی حمایت میں بڑی بہادری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ ان کا انتقال ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۶ء میں ہوا۔

درویش صفت نعت گو قاری فرید احمد مرحوم:

دلّی کی گلوکار برادری کے جس درویش مزاج نعت خواں اور قاری کا ذکر خاص طور پر مقصود ہے، وہ قاری فرید احمد مرحوم تھے۔

قاری فرید احمد بہترین قاری بھی تھے اور بے مثال نعت گو بھی تھے، انھیں پرسوز اور دل کش آواز ورثے میں ملی تھی۔ انھوں نے اپنا موروثی فن چھوڑ کر قرآن شریف کی مشق کی اور مختلف مصری قاریوں کے ریکارڈ سن کر کامیاب نقل اتاری۔

مصری قرأ جب دلّی آتے تھے تو قاری فرید کی تلاوت سن کر حیرت میں پڑ جاتے تھے اور ہندی قاری، ہندی قاری کہہ کر انھیں داد دیتے تھے۔

یہ شاعر نہیں تھے، لیکن مشہور نعت گو شعرا کی نعتیں بڑے بڑے جلسوں میں اس طرح پڑھتے تھے کہ سامعین مسحور ہو جاتے تھے۔

قاری فرید میں قناعت کا عنصر غالب تھا، یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے اس فن گادکاری سے پیسہ کمانا ہوتا تو میں اپنے موروثی فن کی لائن نہ چھوڑتا۔

اس شخص کی طبیعت میں، میں نے جو استغنیٰ دیکھا، وہ بڑے بڑے گدی نشین صوفیوں کے اندر نہیں دیکھ سکا۔

یہ گھنٹوں نعتیں پڑھتے تھے اور سامعین اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تھے۔ قاری فرید نے بڑی غربت میں زندگی گزاری اور بالآخر مسلسل اسفار اور ساری ساری رات نعتیں پڑھنے سے ان کے پھیپھڑے خراب ہو گئے اور تنفس کے مریض ہو کر خدا کو پیارے ہو گئے۔ میں ان کو آرام کا مشورہ دیتا، مگر وہ کہتے تھے کہ مولانا! میری اولاد اس قابل نہیں، میں آرام نہیں کر سکتا۔

قاری فرید کا اصلی ذریعۂ معاش خوش نویسی کا فن تھا۔ آستانہ دہلی کے مستقل کاتب تھے اور آستانہ کے مالک مستحسن فاروقی صاحب ان کی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ کیوں کہ فاروقی صاحب ان سے شیخ کلیم اللہ ولی جہاں آبادیؒ کے عرس کی محفلوں میں نعت گوئی کا کام بھی لیتے تھے اور ان کی نعت گوئی سے عرس کی تقریب کا رنگ جم جاتا تھا۔

قاری فرید نے قاری شفیق صاحب کو بھی نعت گوئی کی لائن پر لگایا اور یہ بھی اچھا پڑھنے والوں میں شامل ہو گئے۔

میں نے شفیق صاحب سے بھی ایک روز کہا تھا کہ تم سامعین کی خواہش پر گھنٹوں نعت گوئی کرتے ہو، یہ مشقت تمہیں ایک دن لے بیٹھے گی۔ چناں چہ وہ اب مستقل بیمار رہتے ہیں اور تھک کر بیٹھ گئے ہیں۔

قاری فرید کا لڑکا صغیر احمد اب جلسوں میں نعتیں پڑھتا ہے۔ اس حلقے میں ایک استاد نصیر خاں بھی نعت گوئی کرتے تھے اور انھیں بھی اہل جلسہ اور علمائے کرام بڑے شوق سے سنتے تھے۔ قاری فرید قبرستان مہندیان میں مدفون ہیں۔

استاد ہلال خاں:

گلوکار برادری کے ایک ممتاز صاحب فن استاد چاند خاں کے صاحب زادے

استاد ہلال خاں تھے، جو جامعہ ملیہ اسلامیہ اوکھلا میں میوزک استاد مقرر کردیئے گئے تھے۔

اس کمیونٹی میں آج بھی بڑے بڑے صاحب فن افراد موجود ہیں جو ریڈیو آرٹسٹ کہلاتے ہیں۔

بسم اللہ خاں شہنائی نواز:

ہندوستان کی مشترکہ تہذیب وثقافت میں ہندوستان کے مسلمانوں کی ثقافت کا رنگ ہندوستانی تہذیب کو حسن و جمال عطا کرتا ہے۔اس کا ایک نمونہ آزاد ہندوستان کے پہلے جشن آزادی (۱۵/اگست ۱۹۴۷ء) میں لال قلعے کے اوپر دیکھا گیا۔

مجھے ایک پاکستانی دوست نے بتایا کہ ۱۴/اگست کو پاکستان کا یوم آزادی منایا گیا اور اس کا افتتاح تلاوت قرآن کریم سے کرایا گیا۔

اس کے دوسرے دن دلی کے لال قلعے پر پنڈت نہرو نے ترنگا لہرایا۔اس تقریب کا آغاز کرتے ہوئے اسپیکر نے اعلان کیا:

''اب بسم اللہ خاں شہنائی پیش کریں گے۔'' ہم لوگوں نے آپس میں کہا کہ بسم اللہ ہی سے ہندوستان کی تقریب آزادی شروع ہوئی ہے، دیکھیے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان لکیر کھینچنے کا کیا نتیجہ نکلا۔

یہ ایک نیشنلسٹ مسلمان تھے، جو محض اپنے خاندان کی وجہ سے ترک وطن کر گئے تھے۔لیکن ان کے دل سے اپنے باپ دادا کے وطن کی محبت نہیں نکلتی تھی۔

صوفیا کا سماع:

حضرات صوفیا کے سماع کا مسئلہ اختلافی ہے۔اس ناچیز نے اپنی تالیف ''فوائد الفواد کا علمی مقام ❶'' میں حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہیؒ کے حوالے سے اس

❶ ''فوائد الفواد کا علمی مقام'' حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی مدظلہم کی تالیف ہے۔جو مکتبہ اسعدیہ کراچی نے خوب صورت انداز میں شایع کی ہے اور مکتبہ رشیدیہ کراچی سے مل سکتی ہے۔

مسئلے کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

وہ پوری بحث ایک الگ مضمون چاہتی ہے۔ حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ حضرات صوفیائے چشت کی اکثریت مزامیر اور آلات موسیقی کے ساتھ کلام حق سننے کی قائل نظر آتی ہے۔ البتہ جماعت چشت کے محدث وفقیہ صوفی حضرت سلطان المشائخؒ مزامیر کو جائز قرار نہیں دیتے اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' مشائخ چشت کا دستور العمل ہے۔

نظام راگی:

۱۹۴۸ء کے ہنگامے جب کچھ ٹھنڈے پڑ گئے اور حضرت قطب صاحب علیہ الرحمتہ کی درگاہ کی مرمت کرادی گئی تو ایک روز مولانا احمد سعید صاحبؒ، حاجی نسیم بٹن والے کی گاڑی میں اس کے مشہور قوال نظام راگی کو لے کر حضرت قطب صاحبؒ کی درگاہ پر گئے اور اس چھوٹے دالان میں بیٹھ گئے، جہاں اب ایک دینی مکتب قایم ہے۔ اور نظام راگی سے اس کا کلام سنا، لیکن مزامیر اور آلات سماع اس کے ساتھ نہیں تھے۔

مولانا پر ۴۸۔۱۹۴۷ء کے حالات کا بے حد اثر تھا۔ نظام راگی سے اس کا کلام سنتے رہے اور روتے رہے۔ یہ ناچیز اس وقت مولانا احمد سعید صاحبؒ کے ساتھ تھا۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں درگاہ معلّٰی حضرت قطب الاقطابؒ کو بڑا نقصان پہنچایا گیا تھا۔ گاندھی جی خود درگاہ شریف میں حاضر ہوئے تھے۔ مولانا احمد سعیدؒ اور ہلال قطبی مرحومین ہم راہ تھے۔ گاندھی جی نے افسران کو سخت ہدایت کی کہ وہ جلد از جلد درگاہ کو درست کرائیں۔

درگاہ حضرت قطب صاحبؒ میں سماع درگاہ کے احاطے میں نہیں ہوتا، باہر کے دالان میں ہوتا ہے۔ اندر عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے اور یہ پابندیاں حضرت قطب صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق لگائی گئی ہیں۔

مولانا احمد سعیدؒ فرماتے تھے حضرت قطب صاحبؒ کے ہاں جلال بہت ہے،

اس لیے قطب صاحبؒ کی روحانیت سے استفادہ کرنے کے لیے بڑی ریاضت کی ضرورت پڑتی ہے۔ البتہ حضرت سلطان جیؒ کے ہاں جمال کا غلبہ ہے، اس لیے آپ کی روحانیت سے استفادہ اتنا مشکل نہیں۔ تھوڑی سی ریاضت بھی کافی ہے۔

درگاہ کے موجودہ رسیور:

اس درگاہ کے خدام کا باہمی اختلاف درگاہ کی عظمت کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ ہلال قطبی صاحب میرے بھتیج داماد تھے اور حالات نے مرحوم کو درگاہ کے سیاہ وسفید کا ملک بنادیا تھا۔ کیوں کہ درگاہ کے قدیم خدام پاکستان چلے گئے تھے۔ لیکن مرحوم کے مزاج میں ضد بہت تھی، مرحوم اپنے عزیزوں کے ساتھ بھی مل کر نہ بیٹھ سکے اور حکومت نے بابو قمر احمد صاحب کو درگاہ کا رسیور مقرر کردیا۔ قمر صاحب درگاہ کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ قابل احترام ہیں۔ قمر صاحب میونسپل کارپوریشن کے ایک اعلیٰ عہدہ دار بھی رہے ہیں۔ قمر صاحب دلّی وقف بورڈ کے سیکریٹری بھی رہے اور ان کا دور بورڈ کے حق میں مفید ثابت ہوا۔

شیر کشمیر اور سورۂ رحمان:

شیر کشمیر شیخ عبداللہ مرحوم جب اپنے جگری دوست پنڈت جواہر لال نہرو کی قید سے رہا ہوئے تو مرحوم نے درگاہ حضرت قطب صاحبؒ میں فاتحہ پڑھنے کا پروگرام بنایا۔ حکومت کی طرف سے ہلال قطبی صاحب کو اطلاع دی گئی کہ شیخ صاحب کا استقبال کیا جائے۔ ہلال صاحب نے مولانا احمد سعید صاحبؒ کو فون کیا کہ اس موقع پر آپ تشریف لے آیئے تاکہ شیخ صاحب کا اچھا استقبال ہو جائے۔

شیخ صاحب جیل سے رہا ہوئے تھے، حکومت کی طرف سے ان کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا جارہا تھا۔ کیوں کہ شیخ صاحب کا حکومت سے اندرونی طور پر سمجھوتہ ہوگیا تھا۔

مولانا احمد سعید صاحبؒ نے یہ کام اپنے صاحب زادے مولانا محمد سعید صاحبؒ

اور میرے سپرد کر دیا۔ ہم دونوں صبح سویرے درگاہ پہنچ گئے، شیخ صاحب کو صبح کی نماز بھی درگاہ ہی میں پڑھنی تھی۔ درگاہ کے قدیم امام ہلال قطبی صاحب کے والد مرحوم تھے، امامت کے لیے مرحوم نے مجھ سے کہا۔ میں نے شیخ صاحب سے درخواست کی۔ شیخ ہنسنے لگے میں تو ایک گناہ گار آدمی ہوں۔ آپ لوگ عالم ہیں، آپ پڑھائیں۔ میں نے کہا، آپ بہترین قاری ہیں، آج آپ کے پیچھے سورۂ رحمان سے نماز پڑھیں گے۔ بارہ ربیع الاول کو سورۂ رحمٰن کشمیر میں آپ سے سنی تھی۔

غور سے میری طرف دیکھا، مسکرائے اور بولے: آپ کو خوب یاد رہا۔ اور مصلے پر کھڑے ہو کر سورۂ رحمٰن سے نماز پڑھائی۔

میں نے بارہ ربیع الاول کی فاتحہ میں شیخ کی کوٹھی پر ان سے سورۂ رحمٰن سنی تھی۔ میں سیرت کے ایک جلسے کے سلسلے میں سری نگر میں تھا، شیخ بھی اس میں شریک تھے، شیخ نے مجھے فاتحہ میں شرکت کی دعوت دی۔

شیخ کی کوٹھی پر سری نگر کے تمام علما و مشائخ اپنے مخصوص مذہبی لباس عمامے اور جبے میں ملبوس شریک تھے، شیخ بھی ایک کڑھی ہوئی ٹوپی سر پر رکھے موجود تھے۔ حسب دستور تلاوت شروع ہوئی، شیخ کی باری آئی، شیخ نے سورۂ رحمٰن کے ایک طویل حصے کی تلاوت کی۔ کشمیری لہجہ، کشمیری ترنم اور پھر علما و مشائخ کا بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنا۔ مجلس میں عجیب پر کیف سماں بندھ گیا، شیخ باقاعدہ قاری نہیں تھے، لیکن ان کی تلاوت میں ایک خاص قدرتی ترنم تھا۔

پھر سلام پڑھا گیا اور شیخ ہی نے حفیظ جالندھری کا سلام۔ سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوب سبحانی..... اپنے دل سوز کشمیری ترنم میں پڑھا۔

میں نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا اور شیخ کو یاد آ گیا تھا۔

نماز سے پہلے میں نے شیخ صاحب کی جوتی باہر سے اٹھا کر اندر رکھ دی تھی تاکہ کوئی ضرورت مند شیخ صاحب کی جوتی پر ہاتھ صاف نہ کر دے۔ نماز کے بعد شیخ صاحب نے اسی جگہ اپنی جوتی دیکھی تو جوتی غائب تھی۔ میں نے دیکھا اور اندر سے

جوتی لاکر شیخ کے حوالے کی۔

بولے، دلی والے جوتی چھپانے کا بھی مذاق کرتے ہیں، میں نے اپنے ایک دوست کے لڑکے کی شادی (چالے کی دعوت ہوگی) میں دولھا کی جوتی چھپانے کا مذاق کیا تھا۔

میں نے کہا! جی ہاں، آپ بھی آج کل نوشہ ہی ہیں، مگر میں نے تو حفاظت کی خاطر آپ کا جوتا اندر رکھ دیا تھا۔

شیخ صاحب درگاہ پر آئے، بڑے تاثر کے ساتھ دیر تک فاتحہ پڑھتے رہے۔ فاتحہ کے بعد بولے، میں نے تو یہ سنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے تاکید کی تھی کہ میرا مزار کچا رہے اور مزار پر کوئی عمارت گنبد وغیرہ نہ بنایا جائے؟

ہلال صاحب تو چپ رہے، مگر میں نے کہا:

جی ہاں! خواجہ صاحب کی تاکید کے مطابق آپ کا مزار کچا ہی ہے۔ لیکن یہ گنبد انگریزی حکومت میں ایک پنجابی مسلمان (قمرالدین کھلونے والے) نے بنوایا تھا۔

حضرت کے وصال کے بعد آپ کے جانشین حضرت بابا فرید صاحبؒ کا دور آیا۔ بابا صاحب کے بعد حضرت سلطان جیؒ کا دور آیا پھر حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلویؒ کا دور آیا، ان بزرگوں میں سے کسی کے دور میں گنبد نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ انگریزی عہد آ گیا اور اس عہد کے آخر میں یہ گنبد ایک سرمایہ دار مسلمان نے تعمیر کرایا۔ یہ ہمارے سامنے کی بات ہے۔

باب(۱۹)

دلّی کے کندلاکش اور دبکیے

کام دانی اور زردوزی دونوں شاہی صنعتیں ہیں۔ ان میں کام دانی کی صنعت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ زردوزی کی صنعت نئے رنگ و روپ کے ساتھ ترقی پر ہے۔ حالاں کہ کڑھائی کی مشینوں نے بڑا رنگ جما رکھا ہے اور نئے نئے دل آویز طریقوں نے زری کی اس صنعت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

زردوزی یعنی سونے اور چاندی کو کپڑے میں پیوست کرنے کی ان تمام صنعتوں کے لیے بنیادی صنعتیں تین تھیں۔

کندلاکشی سے ابتدا ہوتی تھی۔ سونے اور چاندی کی گلیوں کو جنتری میں کھینچ کر اس کے تار بنانا۔ کندلاکشی ہے، اس کے کارخانے گلی کندلاکشاں کٹرہ بڑیاں میں تھے۔

موٹے تاروں کو لکڑی کے دو پہیوں اور باریک جنتری کے ذریعے اور زیادہ باریک کرنا اور اس کا نام تارکشی تھا۔ یہ پہیے تپائی نما چوکی پر ہوتے تھے اور کاری گر کا ایک ہاتھ پہیے کے اوپر ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ تار کو چکنے کپڑے کے ساتھ پکڑے رہتا تھا۔

تارکشی کے کارخانے کوچہ پنڈت میں تھے۔ اس کام کے ایک بڑے کارخانے دار ہمارے خسر مرحوم حاجی اللہ نور خاں تھے، جو شہر میں بگھی کے اندر نکلنے والے چار رئیسوں میں سے ایک تھے۔

ایک بڑا کارخانہ حافظ نواب مرزا (والد مولانا احمد سعیدؒ) کا تھا جو گھٹا مسجد دریا گنج کے پاس تھا، مولانا مرحوم نے اپنی جوانی کے ابتدائی ایام میں اپنے والد کے کارخانے میں تارکشی کا کام کیا تھا۔

آخری منزل دبکیے کی تھی، یہ تاروں کو ہاتھ سے پھیلانے کا کام تھا جو نہایت مہارت، دیدہ ریزی اور محنت کا تھا۔ کاری گر اکڑو بیٹھ کر بڑے ضبط و نفس کے ساتھ ہتھوڑی کی چوٹ مار کر سامنے رکھی ہوئی نہائی پر تاروں کو پھیلاتا اور چوڑا کرتا تھا۔ یہ دبکیے ستارے بھی دبکتے تھے، جو بہت نازک کام تھا۔

مشینی دور:

ہندوستان میں جب مشینی دور شروع ہوا، تو پھر کندلا کشی، تارکشی اور دبکیے کے کام مشینوں پر ہونے لگے اور یہ تینوں دست کاریاں ختم ہو گئیں۔

مشین سے کلابتو بنانے کے دو کارخانے محلہ رودگران میں تھے۔ ایک کارخانہ گلی شعبان خاں میں تھا، جس کے مالک سلطان کلابتو والے تھے، لاہوری برادری سے ان کا تعلق تھا۔ ان ہی کے داماد عارف صاحب (بانی آزد فیکٹری گلی تہور خاں) تھے۔ دوسرا کارخانہ سردار محمد کا تھا، جن کے لڑکے محمد ادریس خاں (مٹھائی والے رودگران) ہیں۔

ادریس خاں مٹھائی والے:

ادریس خاں علاقے کی مقبول شخصیت ہیں، خدا تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے اس علاقے کی سب سے زیادہ آباد مسجد (مسجد سنوجی) کو کئی منزلہ عمارت میں تبدیل کرادیا اور محل وقوع اور نمازیوں کی کثرت کے لحاظ سے اس مسجد میں گنجائش پیدا کرنی ضروری تھی، جب کہ دلی میں دیکھا دیکھی بلا ضرورت مساجد کو کئی کئی منزلہ بلند کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دلی راج دھانی کے مسلم اسکولوں پر توجہ دی جائے اور مسلمان بچوں کی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔

کلابتو کا ایک کارخانہ اسی محلے میں یعقوب صاحب کا تھا۔ جن کے پوتے عزیز صاحب (حویلی اعظم خاں) میں ستارے بناتے ہیں اور اس صنعت کے نہایت

کامیاب صنعت کار ہیں۔عزیز ستارے والے مشہور ہیں۔
سلطان صاحب کے کارخانے میں ہندوکاری گر بھی تھے، اس کارخانے میں میرے والد آ کا جان (جن کا میں آغوشی بیٹا تھا) کی گائے بندھتی تھی۔
آ کا جان کا گھر چھوٹا تھا۔گائے پالنے کا شوق ہوا تو اس کارخانے میں گائے بندھوادی گئی، کارخانے میں ایک ہندوکاری گر (شمبھوناتھ) بڑے شوق سے اس گائے کی دیکھ بھال کرتے تھے۔
اس گائے کو بڑی قوی خوراک کھلائی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیلا (بانجھ) ہوگئی۔ اور والد نے میری گھوڑی چڑھانے کی تقریب میں اس کی بریانی پکوا کر عزیزوں کوکھلادی۔

گھوڑی چڑھانے کی رسم:

دلّی کے کارخانے دار طبقے میں ختنہ آرام ہونے کے بعد لڑکے کو غسل دیتے اور اسے گھوڑے پر بٹھا کر جامع مسجد کے آثار (موئے مبارک اور قدم شریف) پر سلام کراتے اور پھر دعوت طعام دی جاتی۔اس تقریب کا نام گھوڑی چڑھانا تھا۔
لالہ شمبھوناتھ کو جب اس حادثے کی خبر ہوئی تو انھیں بڑا صدمہ ہوا اور آ کا جان بھی کافی عرصے ان کے سامنے نہیں پڑے۔اور یہ واقعہ سنا کر کہتے تھے کہ لالہ جی نے میری گائے کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا، مگر میں کیا کرتا وہ چربا گئی اور بریانی میں پڑنے کے سوا اس کا کوئی مصرف نہ رہا۔
یہ کارخانہ داری کا ماحول تھا۔لیکن دلّی کے جس طبقے میں تعلیم کی روشنی آ گئی تھی وہ طبقہ اس قسم کی رسموں سے دور تھا۔

تعلیم کا اثر پڑا:

ہمارے ایک دادا (محمد ابراہیم خاں) خاندانی کام کی لائن سے ہٹ گئے تھے اور

تعلیم حاصل کر کے سرکاری ملازمت (تحصیل داری) اختیار کرلی تھی، ان کی اولاد میں سرکاری ملازمت کا سلسلہ جاری ہو گیا جواب بھی ہے۔

ابراہیم خاں ملازمت سے سبک دوش ہو کر آخر عمر میں میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کی خدمت میں حدیث شریف پڑھنے کے لیے جانے لگے اور میاں صاحب کے مسلک (اہل حدیث) سے متاثر ہو کر آمین اور رفع یدین کرنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب کا دلی کے تعلیم یافتہ طبقے میں بڑا اثر تھا، کیوں کہ میاں صاحب کے مسلک میں توہمات اور سماجی رسم و رواج کی تردید تھی۔

ابراہیم خاں صاحب کی اہلیہ پر کسی قسم کے دماغی دورے پڑتے تھے اور والد صاحب کہتے تھے کہ اس دورے کی حالت میں ان کے سر کے بال کھڑے ہو جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔ کچھ گھر والے کہتے تھے کہ ان کے سر پر کوئی جن، بھوت آتا ہے۔

ابراہیم خاں کو جب ان کی اہلیہ کا حال بتایا جاتا تو وہ غصے ہو کر لاحول پڑھتے اور کہتے "اسے گو کی دھونی دو، یہ شیطانی اثر ہے۔"

جن بھوت کے خیال کو وہ شیطانی اثر کہتے تھے۔ ہمارے خاندان میں کارخانے دار ماحول (رسم و رواج) کے اثرات، حضرت میاں سید نذیر حسینؒ ہی کی روحانی برکت سے ختم ہوئے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے حضرت میاں صاحبؒ کی روحانی قوت و تصرف کو تسلیم کیا ہے اور ان کی ایک کرامت بیان کی ہے، حالاں کہ مولانا آزادؒ اپنے والد مولانا خیر الدین صاحبؒ کی صوفیانہ زندگی کے بھی زیادہ قائل نہیں تھے۔

سید مہتاب علی (چائے والے):

ان کے دادا (رحمت علی) دلی کے پرانے کارخانے دار تارکشی تھے، مہتاب صاحب نے دودھ اور چائے کا کام کر رکھا ہے اور اسی معمولی آمدنی سے انھوں نے اپنے بڑے لڑکے کو کامرس کی تعلیم دلوائی ہے۔ سید ارشد علی جاوید ان کا لڑکا ہے جو اکاؤنٹنسی کی لائن

میں ایک کام یاب اکاؤنٹنٹ ہے اور پارٹیوں کے ساتھ بیرونی دورہ بھی کرتا ہے۔

کون کہتا ہے کہ ہندوستان کی زمین مسلمانوں کے لیے تنگ وتاریک ہے۔ البتہ ایک بڑی قوم کے ساتھ مقابلہ ہے۔ گھر بیٹھے صرف مسلمان کے نام سے کچھ ملنے والا نہیں ہے اور اس بڑی قوم کو تقسیم ملت (پاکستان) نے ایک بڑی قوم اور مسلمانوں کو ایک چھوٹی قوم بنادیا ہے۔

''خود کردہ را علاج نیست۔''

مہتاب علی صاحب علاقے کے سرگرم قومی ورکرز ہیں، قومی جدوجہد کی ہر تحریک میں آگے آگے رہتے ہیں۔

ایمان ویقین کیا چیز ہے:

آ کا جان ایک پڑھے لکھے گھرانے میں ان پڑھ آدمی تھے۔ لیکن آپ کے چچا ابا (ابراہیم خاں) کی صحبت سے ان کے اندر ایمان اور یقین کی بڑی پختہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

۱۹۴۸ء کی قیامت نے میرے تمام بھائی بہنوں کو دلی سے اکھاڑ دیا تھا۔ مگر آ کا جان کے چہرے پر یقین کی بشاشت نظر آتی تھی، وہ اپنی جگہ سے ہلے نہیں، یہاں تک کہ جس چھوٹے سے آبائی مکان میں رہتے تھے اسے چھوڑ کر محلے کے بڑے بڑے خالی مکانوں میں منتقل ہونا پسند نہیں کیا۔

آج میں ہندوستان میں ہوں اور میرے جو بھائی بہن کراچی میں ہیں اور جس پریشانی میں گرفتار ہیں اسے دیکھ کر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنی اس استقامت کو اسی مرد مومن کے ایمان کی کرامت سمجھتا ہوں۔

حاجی محمد یٰسین سوڈے والے:

دوسرے وہ مرد مومن جن کے پاس بیٹھ کر ان کی صحبت سے میں اپنے دل میں

یقین واعتماد کی قوت لے کر اٹھتا تھا وہ پنجابی برادری کے حاجی محمد یٰسین سوڈے والے تھے۔

حاجی جی، مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے بیعت تھے اور اپنے پیر کے عاشق تھے، میں ان کے پاس سوڈے برف کی دکان (مقابل گلی قاسم جان) پر آتے جاتے چند منٹ بیٹھتا۔ مرحوم دلّی کے ہنگامی حالات کے اندر بھی اپنی ایمانی فراست کے ذریعے یہ دیکھ رہے تھے کہ دلّی کے اوپر سے یہ سیاہ بادل چھٹ جائیں گے اور یہ براوقت نہیں رہے گا۔ میں ان کی باتوں سے اپنے دل کی گھبراہٹ کا علاج کرتا تھا۔

دنیا بھاگ رہی تھی اور حاجی جی دکانیں خرید کر اپنے ملازمین کے ذریعے چلا رہے تھے۔ حاجی جی دعا کرتے تھے کہ اے خدا! آخر میں دلّی کے اندر جو چند مسلمان رہ جائیں، ان میں ایک میں بھی ہوں۔

ان کے پیرومرشد مولانا مدنیؒ ان کے غریب خانے (فراش خانہ گلی چھتہ چوہیا) میں کئی بار تشریف لے گئے۔ شیخ کے وصال کے بعد کہتے تھے کہ میں اپنے کپڑے پھاڑ دوں، اب جینے کا مزا نہیں رہا۔

اب ان کے صاحب زادے حاجی محمد نسیم صاحب کٹڑہ بڑیان کے نکڑ پر اپنے والد کی جمائی ہوئی دکان پر کاروبار کر رہے ہیں۔

گوٹا- ٹھپہ- کام دانی:

ہمارے خاندان میں یہ دونوں کام تھے، زری کے باریک تاروں سے گوٹا۔ ٹھپہ۔ پیمک اور گوکھرو بنائے جاتے تھے، یہ کام اکثر گھروں کی عورتیں کرتی تھیں۔

ہماری پھوپھی گھر میں گوٹہ بنتی تھیں، ہمارے دادا علی حسن صاحب کا بڑا کارخانہ (گوٹہ۔ ٹھپہ) لال کنویں کی حسن منزل میں تھا۔

میری پھوپھی زاد بہن سراج الحق صاحب گوٹے والے (فتح پوری) سے منسوب تھیں۔ فرم کے ایک حصے دار شیخ شجاع الحق صاحب دلّی مسلم لیگ کے صدر تھے، یہ

پورا خاندان پاکستان ہجرت کر گیا اور کراچی کے حالات سے تنگ آ کر امریکہ چلا گیا۔
میں نے اس خاندان کے حالات میں ایک انقلاب یہ دیکھا کہ انصاری برادری کی وہ خواتین جو اس فرم کا گوٹہ۔ ٹھپہ اور پیمک بنتی تھیں اور ان کی نظر میں وہ گھٹیا طبقہ شمار ہوتا تھا، اسی طبقے کے ایک نوجوان کے ساتھ اس خاندان کی ایک لڑکی منسوب ہوئی، یہ انصاری لڑکا پاکستانی فوج کا میجر تھا۔
وہ لڑکی میری بھانجی تھی۔ اس کی کوٹھی کے ویٹنگ روم میں بیٹھا ایک طرف اس انصاری میجر کا فوٹو دیکھ رہا تھا اور دوسری طرف اپنی بھانجی کو دیکھ رہا تھا اور اسلام کے تصور مساوات کی فتح مندی کو تسلیم کر رہا تھا۔
وہ پاکستانی میجر اس وقت بھی انصاری تھا، مگر تعلیم نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا کہ وہ دلی کے سراج الحق گوٹے والے کا داماد بن گیا تھا۔

ہندو کاری گرنیاں:

میرے والد (آ کا شرف الدین) کی دکان کام دانی کی تھی۔ آ کا جان کام دانی والے مشہور تھے۔ مرحوم کو پہلوانی کا شوق بھی تھا، ان کے دنوں بھائی عزیز الدین، علاء الدین بھی پہلوان تھے۔ مگر پہلوانی ان کا ذریعۂ معاش نہیں تھی، ذریعۂ معاش تینوں بھائیوں کا اپنا خاندانی کام، کام دانی کا تھا۔ ان کے والد فخر الدین خاں بھی یہ کام کرتے تھے۔
ہماری دکان لال کنویں بازار میں تھی۔ اب اسی دکان پر میرے لڑکے اسٹیکرز اور پلاسٹک کے لفافوں کا کام کرتے ہیں۔
قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد میں نے اپنی دکان پر بیٹھنا شروع کر دیا تھا اور اپنے چچا سے کام سیکھنے لگا تھا۔ والد اس کے خلاف تھے، کیوں کہ وہ آگے پڑھانا چاہتے تھے۔
والد جب نہ ہوتے تو چچا مجھے کام سکھاتے اور یہ کہتے، بیٹا! یہ تمہارے گھر کا کام

ہے، تمہارے ہاتھ میں پڑا رہے گا تو کسی وقت کام آئے گا۔

پھر مجھے جلد ہی مدرسہ فتح پوری میں داخل کر دیا گیا۔

کام دانی کے کام میں ستارے بنانے کا کام ہندو خواتین کرتی تھیں۔اس کام کی خاتون کاری گرنیوں کے دو محلے تھے۔ایک گلی کھاتیان رودگران اور دوسرا حولی حیدر قلی چاندنی چوک۔

گلی کھاتیان:

اس گلی میں نہایت اونچے درجے کے کھاتی (بڑھئی) آباد تھے جو عمدہ فرنیچر ڈھلیے کے سانچے اور کھلونے بنایا کرتے تھے،ان کی عورتوں کو کھترانیاں کہتے تھے۔

میں ان کھترانیوں کو ستارے بنانے کے لیے دوپٹے دینے اور تیار دوپٹے لینے کے لیے جایا کرتا تھا اور دیکھتا تھا کہ یہ خواتین عونے میں پیلی ہو رہی ہیں۔مگر کھانے پکانے سے فارغ ہو کر ستارے بناتی ہیں۔

لال کنویں پر ہماری دکان کے علاوہ کالے خاں کام دانی والے، رودگران میں مظفر علی اور کٹڑہ بڑیان میں محبوب بخش صاحب کام دانی والے تھے۔ان سب دکانوں کا کام ہندو عورتیں کرتی تھیں۔کام دانی کے بیل بوٹے مسلمان کاری گر بناتے تھے اور ستارے ہندو عورتیں بناتی تھیں، ستارے بنانے کی مزدوری کم تھی، بیل بوٹے بنانے کی مزدوری زیادہ تھی۔

کام دانی کے نفیس اور باریک کام میں لکھنو مشہور تھا، یہاں کے کاری گر سوئی میں تاگے کا پودا لگا کر اس میں کام دانی کا تار پرویا کرتے تھے اور دلی والے اس تکلیف سے آزاد تھے۔یہ لوگ سب سونے چاندی، گلٹ اور تانبے، پیتل کے ملمع شدہ تاروں کو براہ راست سوئی میں پرو دیا کرتے تھے۔اور دلی کا کام لکھنو سے سستا ہوتا تھا۔البتہ نفاست میں لکھنو کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

زردوزی:

دلّی میں زردوزی کے بڑے بڑے کارخانے ہیں اور یہ کام زیادہ تر انصاری برادری کے ہاتھ میں ہے۔

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی کارچوب پر زردوزی کرتی ہیں، مشینی کام کا رواج بڑھ جانے کے باوجود کارچوب کی زردوزی پر زیادہ اثر نہیں پڑا۔

زردوزی کی لائن کے زیادہ کارخانے کوچہ پنڈت اور شاہ گنج کے محلوں میں واقع ہیں اور اب یہ کام زنانہ کپڑوں سے آگے بڑھ کر، زنانہ پرس، بٹوے اور فوج اور پولیس کے نشانات اور سرکاری تمغوں تک وسیع ہوگیا ہے۔

باب (۲۰)

اسلام کا نظریۂ تفریح اور پتنگ بازی

پتنگ کو گڈی بھی کہا جاتا ہے اور اس کی ایک شکل کو تُکل بھی کہتے ہیں۔ بعض اہل فن یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں پتنگ چین سے آئی، بعض کے خیال میں جاپان سے آئی۔

یہ شوق دلی کے شوقین مزاج بے فکروں کا تھا، جواب بھی ہے۔ ضروریات زندگی محدود تھیں، اس لیے تھوڑی کمائی بھی کافی ہوتی تھی اور پتنگ بازی اور شطرنج بازی اور دوسرے تفریحی کھیلوں کے لیے وقت نکل آتا تھا۔

اسلام نے اس قسم کے کھیلوں کو لغو سے تعبیر کیا ہے، اور فلاح یاب بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ فضول اور بے مقصد کاموں سے دور رہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ. (مومنون:۳)

وہ تفریحات جن سے صحت جسمانی کو مدد ملتی ہے یا ان کا تعلق فنون جنگ سے ہو، اسلام نے ان کی اجازت دی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں تیرنا سیکھا، اپنی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی، موسم بہار آیا تو آپ باغ میں چلے گئے اور کنویں کی مینڈ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گئے۔

مسجد نبوی کے سامنے حبشی لوگ نیزہ بازی کے فن کا مظاہرہ کرنے لگے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے جنگی کرتب دیکھنے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر انھیں پردے میں کیا اور وہ کرتب دیکھتی رہیں۔

آپ نے ایک دیہاتی مسلمان کی اونٹنی سے اپنی اونٹنی کا دوڑ لگانے میں مقابلہ کیا، جس میں پہلے آپ کی اونٹنی ہار گئی اور دوبارہ جیت گئی۔

ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظّمہ کے مشہور پہلوان رکانہ کے ساتھ کشتی کے مقابلے کا ذکر آیا ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کو پچھاڑ دیا تھا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ رکانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے دار تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی (حضرت) جریر ابن عبداللہؓ تھے، جو نہایت خوب صورت ہونے کے علاوہ نہایت قوی الجثہ، لمبے تڑنگے آدمی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے۔

''جریرؓ میری امت کے یوسف ہیں۔''

حضرت جریرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نفل نماز پڑھ رہے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دیکھ کر مسکراتے رہتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی قوت کی فضیلت بیان کی اور کم زور صحت انسان کے مقابلے میں صحت مند انسان کو پسند کیا۔

اَلْمُؤمِنُ الْقَوِیُّ اَفْضَلُ مِنَ الْمُؤمِنِ الضَّعِیْف.

(حدیث مشکوٰۃ ۴۵۲)

اس ارشادِ عالی کی روشنی میں جسمانی صحت اور جسمانی قوت حاصل کرنے کے تمام جائز وسائل شریعت کی نظر میں پسندیدہ ٹھہرتے ہیں، اور ہر وہ عمل کھانے پینے کا ہو یا پہننے اور جنسی تعلق کا ہو، جس سے ایک مسلمان مرد و عورت کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے، وہ عمل شرعاً ناپسندیدہ قرار پاتا ہے۔

ایک عالم دین صاحب کو زیادہ اولاد پیدا کرنے کا بہت شوق تھا اور وہ اپنی اس جنسی ہوس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق نیک عمل قرار دیتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

تَزَوَّجُو الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَم.

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

''مسلمانو! تم زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں کے ساتھ شادی کیا کرو کیوں کہ میں اپنی امت کی کثرت پر دوسری قوموں کے مقابلے میں فخر کروں گا۔''

میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک ہی حدیث یاد ہے، دوسری وہ حدیث یاد نہیں جس میں آپ نے ایک طاقت ور مسلمان کے کم زور مسلمان کے مقابلہ میں افضل ہونے کا اعلان کیا ہے اور کثرت اولاد کے شوق سے تمہاری آنکھیں اندر کو دھنس رہی ہیں۔ چہرہ بے روپ اور پیلا پڑ گیا ہے اور تم بچوں کو پڑھانے کی ذمے داری پوری کرنے میں کوتاہی کرنے لگے ہو؟ مدرسے میں دیر سے آتے ہو اور جلدی چلے جاتے ہو اور مدرسے کے اہل انتظام کو تم سے شکایت پیدا ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمہیں مدرست سے الگ کرنے کے بارے میں سوچنے لگے ہیں۔ کیا تمہاری یہ حالتِ غیر، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہوگی؟ مولانا صاحب میری باتیں سن کر خاموش ہو گئے۔

خیر امت کہا کثیر امت نہیں کہا:

قرآن کریم نے مسلمانوں کے گروہ کو خیر امت کے لقب سے یاد کیا ہے، کثیر امت کے لقب سے نہیں پکارا۔ یعنی کوالٹی کو اہمیت دی ہے، کثرت کو اہمیت نہیں دی۔ اور آج موجودہ جمہوری دور میں لوگوں کے سر گنے جاتے ہیں، تولے نہیں جاتے اور تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ عددی کثرت کو عقل مند اقلیت جس طرح چاہتی ہے اس طرح نچاتی ہے۔

ہندوستان کے شیڈول کاسٹ لیڈر یہ کہتے ہیں کہ ملک میں اکثریت ہماری ہے، ہمیں حکومت ملنی چاہیے۔ لیکن یہ مٹھی بھر بنیے، برہمن اور کائستھ اس شیڈول کاسٹ اکثریت کو جس طرح نچا رہے ہیں وہ افسوس ناک منظر پچاس سال سے آنکھوں کے سامنے ہے۔

مسلمانوں کی بات لیجیے، ہندوستان کے مسلمانوں کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ ان کے ووٹ بیلنس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر عقل مند برہمنوں نے ان بیلنس ووٹوں کو کس طرح سے بکھیرا ہے؟ کہ مسلم ووٹ کوڑے کرکٹ سے زیادہ بے حیثیت ہو کر رہ گئے ہیں اور مسلمانوں کو اس بات کا احساس تک نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ وہ تفریحی کھیل کود جس سے جسمانی صحت پر اچھا اثر پڑے یا دماغی فرحت حاصل ہو، اس کے جواز میں کلام نہیں۔ لیکن بے مقصد اور لا حاصل کھیل کود وقت کا ضایع کرنا ہے، اور یہ ضیاع وقت شرعی طور پر برا ہے اور عقل سلیم بھی اسے برا سمجھتی ہے۔

قرآن کریم نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور تقوے کے معنی پرہیز گاری اختیار کرنا ہے۔ یعنی گناہ اور معصیت سے بچنا، تقویٰ ہے اور گناہ کہتے ہیں ہر اس کام کو جس کو اللہ اور اس کا رسول ناپسند کرے۔

روح اور جسم یعنی انسانی وجود کے دونوں حصوں کو تندرست و توانا رکھنا، خدا اور اس کے رسول کا حکم ہے.....اور ان دونوں حصوں کو کم زور کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔

بعض صوفی لوگ چلہ کشی کر کے جسم کو لاغر کرنے کا عمل کرتے ہیں۔ اکابر صوفیا نے اس قسم کی جسمانی ریاضت کو رہبانیت کہا ہے جو اسلام میں ممنوع ہے۔

اکابر صوفیا نے نفس کشی کی ریاضت کو روزے کی عبادت تک محدود رکھا ہے اور حضرت سلطان جی خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا ہے کہ میرے شیخ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو کثرت سے نفلی روزے رکھنے کا شوق تھا۔ صرف بیماری میں روزہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا ذوق یہ تھا کہ آپ روزے بہت کم رکھتے، البتہ دوسری عبادات میں مشغول رہتے تھے۔ (فوائد الفواد۔ جلد ۴ مجلس ۴۱)

پتنگ سازی کی دکانیں:

دلی میں پتنگ سازی کی دو پرانی دکانیں تھیں۔ سنہری مسجد چاندنی چوک کے

نیچے امام جامع مسجد کے ماموں مجید عالم صاحب کی دکان تھی، اور لال کنواں پر مزار یعقوب بیگ (چچا مرزا احمد بیگ دلّی کالج) کی دکان تھی، اس دکان پر رام پور کا ایک اچھا کاریگر سانولیا نامی پتنگیں بناتا تھا۔

دلّی کے مشہور پتنگ باز یہ تھے:

میر حسام الدین عرف لارڈ صاحب کتب فروش اردو بازار جامع مسجد، ان کے بھائی عربی کے مشہور خوشنویس استاد میر صلاح الدین (مالک مطبع نعمانی) تھے، جن کی ساری زندگی ہر سائز کے عربی قرآن کریم لکھنے میں گزری، انھی کے لکھے ہوئے قرآن کریم میر حسام الدین صاحب نہایت اعلیٰ طباعت کے ساتھ طبع کرتے تھے۔ یہ کتب خانہ اردو بازار میں قایم ہے۔

ڈاکٹر آفاق صاحب، جامع مسجد کے مشہور ڈاکٹر تھے، کبوتر پالنے اور پتنگ لڑانے کے دونوں شوق تھے۔

ان لوگوں نے ایک یونین کائٹ فلائنگ ایسوسی ایشن بنا رکھی تھی اور دریائے جمنا کے کنارے ناؤوالی پر پتنگ بازی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔

مشہور شاعر استاد وحید الدین بیخو د دہلوی کو بھی پتنگ اڑانے کا بہت شوق تھا۔ حویلی اعظم خاں میں اس فن کے استاد ابھی موجود ہیں، جو سرکار کی طرف سے ابھی حال میں خلیجی ملکوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے گئے تھے۔

پتنگ سازی کی صنعت:

ہندوستان کی مالی خوش حالی کی ساتھ اس صنعت نے ملک گیر تفریح کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور ملک کے مختلف حصوں میں پتنگ کے مختلف حصے تیار ہونے لگے ہیں۔

پتنگ کا رنگین باریک کاغذ بنگال اور آگرہ میں تیار ہوتا ہے۔ پتنگ کے کانپ

ٹھڈے بنگال کے مختلف علاقوں میں تیار ہوتے ہیں۔اس کا بانس آسام سے آتا ہے، بنگال کی گڈیاں سستی ہوتی ہیں، بریلی، رام پور، اور جے پور کی مہنگی اور عمدہ ہوتی ہیں۔ ہر سائز کی چرخیاں اکثر امروہہ میں تیار ہوتی ہیں۔ گجرات والی چرخی کو بچکا اور لٹائی (لپیٹنے سے) کہتے ہیں۔ مانجھا بریلی میں تیار ہوتا ہے۔ بریلی کے گھر گھر میں عورتیں، بچے اور بڑے مانجھے کے مختلف اجزا بناتے ہیں، شیشہ پیسا جاتا ہے، بچے ڈور تانتے ہیں، بڑے ڈور پر مسالہ چڑھاتے ہیں۔

پتنگوں کے مختلف ڈیزائن ہوتے ہیں اور ہر ڈیزائن کا الگ نام ہے۔

چاند تارا، پنیل، گلاس، پان، چڑاچپ، پری، آنکھ دار، پڑیل، مانگ دار بھیڑیل، گڈیوں کے نام ہیں۔ چھوٹی گڈی کو دمڑ چل کہا جاتا ہے، یہ بچوں کے کھیلنے کی چیز ہے۔

اب پنی کی چمک دار گڈیاں بننے لگی ہیں، لیکن یہ گڈیاں اڑانے کے قابل نہیں ہوتیں صرف چمک دار ہوتی ہیں۔

گڈیاں اڑانے کے مختلف علاقوں میں مختلف موسم ہیں۔

بسنت پنچمی کے موقع پر پنجاب میں پتنگ اڑائی جاتی ہے۔ جنوری کی سردیوں میں راجستھان اور گجرات میں گڈیاں اڑائی جاتی ہیں۔ ہر مرے ہوئے بزرگ کے نام پر گڈیاں اڑائی جاتی ہیں۔

ہندوؤں کے مشہور تہوار سکرانت کے موقعے پر احمد آباد میں پتنگ بازی ایک مذہبی تہوار کے طور پر کی جاتی ہے۔

یہاں تک کہ بوڑھوں کی طرف سے بھی اور بچوں کی طرف سے بھی گڈیاں اڑائی جاتی ہیں، اور ایک خاص دن ہر شخص چھت پر چڑھا ہوا نظر آتا ہے، اور مونگ کی دال کی کھچڑی پکا کر تقسیم کی جاتی ہے۔

دلی میں ۱۵ راگست یوم آزادی کا دن پتنگ بازی کا میلا بن گیا ہے۔

آج کل لال کنواں بازار گڈیوں کی بڑی منڈی بن گیا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد بھی پاکستانی پنجاب میں بسنت پنچمی کے موقعے پر پتنگ بازی ہوتی ہے اور اس سال تو لاہور کے اندر لاہور کے زندہ دلوں نے پتنگ بازی کرنے میں تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے ہیں اور پاکستان کے مشہور مذہبی رہنما نے اپنے خطبۂ جمعہ (جناح باغ) میں لاہور کے مسلمانوں کی بڑی خبر لی۔ یہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر تنظیم اسلامی پاکستان ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر پاکستانی مسلمانوں کو وہ تمام رواج زندہ رکھنے تھے جو ہندوستان میں ہوتے ہیں تو پھر دو قوموں کی تھیوری کا نعرہ کیوں لگایا گیا۔

ڈانس، پاکستانی ثقافت:

اس وقت پاکستان کے سیاسی لیڈروں اور علمائے اسلام کے درمیان یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ پاکستانی ثقافت کیا ہے اور اسلامی ثقافت کسے کہتے ہیں؟

پاکستان کے (سابق) وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات خالد احمد کھرل صاحب یہ اعلان کررہے ہیں۔

> ''ملکی ثقافت اور تہذیب کی ترجمانی کرنے والے میلے ٹھیلے اور موسیقی کے پروگرام جاری رہیں گے۔ ثقافتی پروگرام صرف اشرافیہ (بڑے لوگ) کا حق نہیں ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ عوام بھی نہ صرف ان پروگراموں سے لطف اندوز ہوں، بلکہ ان میں شرکت بھی کریں۔''

ایک اور موقع پر انھوں نے کہا:

> ''پاکستان میں جو لوگ ناچ، گانے دیکھنا پسند نہیں کرتے انھیں اپنے ٹی وی بند کردینے چاہئیں۔ کیوں کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو انھیں دیکھنا پسند کرتا ہے۔''

وزیر موصوف نے ایک موقعے پر پاکستانی اسمبلی میں یہ کہا:

> ''ڈانس ہماری ثقافت کا حصہ ہے۔'' (ندائے خلافت لاہور ۹/اپریل ۱۹۹۶ء)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس لڑائی میں پاکستان کے سیاسی لیڈروں کی فتح ہوتی ہے یا علمائے کرام کی لاج رہتی ہے۔

پچھلے پچاس سال کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ سیاسی لیڈر ہی فتح یاب ہوں گے۔ کیوں کہ پاکستانی باشندوں کی اکثریت انھی کے ساتھ ہے۔

جماعت اسلامی کے امیر مولانا مودودی صاحبؒ ہوں یا جمعیت علمائے اسلام کے امیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ ہوں۔ یا سنی جمعیت علما کے صدر مولانا نورانی میاں ہوں، یہ تمام حضرات پچاس ساٹھ سال کی تبلیغی جدوجہد سے صرف مٹھی بھر مسلمانوں کو اسلام کا مکمل تابع دار بنا سکے ہیں۔

یہی حال پاکستان کی تبلیغی جماعت کے اثرات کا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علمائے دین کی محنت کا بڑا حصہ حرب عقائد اور فروعی مسائل کی جنگ جویانہ بحث میں گزرتا ہے، اصول دین کی تبلیغ میں نہیں گزرتا۔ علامہ اقبال کہہ گئے ہیں ؎

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائلِ نظری میں الجھ گئے ہیں خطیب

ناریل پھوڑا:

دلی کے مسلمانوں میں بھی شادی بیاہ کی شاہی رسمیں منائی جاتی ہیں، لیکن پاکستان جا کر دلی کے مسلمانوں نے پنجاب کے ہندوؤں کی رسمیں بھی منانی شروع کردی ہیں، جس کے ساتھ گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔

یہ رسم ہندوؤں کی تھی جو مسلمانوں نے اپنالی ہے، اس کے علاوہ وہ کون سی ہندووانی رسم ہے جو کراچی کے بارات گھروں میں انجام نہیں دی جاتی۔

میرے ایک عزیز کی بارات کراچی سے آئی، لڑکے والوں نے کراچی کی تمام ہندووانی رسمیں ادا کیں، میرے ایک عزیز کو کیا سوجھی کہ جب دولہا بارات کے پنڈال میں داخل ہوا تو اس نے زور سے ایک ناریل دولہا کے آگے پھوڑ دیا۔

لوگوں نے پوچھا یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ جب تمام رسمیں ہندوانی ادا کی گئیں تو پھر یہ ایک رسم ہی کیوں باقی رہے۔ اس نے کیا بگاڑا ہے؟

نازانصاری مرحوم:

مرحوم نازانصاری صاحب کو میں نے کراچی کے مسلمانوں کی ان تمام رسموں کی تفصیل بتائی اور مرحوم نے پاکستانی مسلمانوں کی اس گنگا جمنی تہذیب کے مظاہرے پر بڑا طنز آمیز آرٹیکل الجمعیۃ میں لکھا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ نازانصاری صاحب مظاہر العلوم سہارنپور کے ایک بڑے مفتی صاحب کے لڑکے تھے اور اسی اعتقادی نسبت کا اثر تھا کہ مرحوم نے بیت اللہ شریف کے سائے میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی اور اسی جنت کی سرزمین میں ہمیشہ کی نیند سو گئے۔

ذکر اللہ کرتے رہے:

ناز صاحب کے اندر جو اعتقادی رسوخ تھا جو میں نے ایک خاص موقعے پر بہت قریب سے دیکھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ۱۹۴۵ء میں مجلس احرار دلی کی طرف سے بازار بلی ماران، بارہ دری شیر افگن کے قریب ایک جلسے کا اعلان کیا گیا اور اس میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمہ کی تقریر کا اعلان ہوا۔

مسلم لیگی صاحبان نے ڈپٹی کمشنر (مسٹر ٹیل انگریز) پر زور ڈالا کہ جلسے کی اجازت نہ دی جائے ورنہ شہر میں فساد ہو جائے گا۔ کیوں کہ عطا اللہ شاہ بخاریؒ مسلم لیگ کے خلاف نہایت اشتعال انگیز تقریر کریں گے۔

چناں چہ ڈی سی نے اجازت نہیں دی۔ شاہ جی نے اصرار کیا کہ جلسہ ضرور ہوگا اور میں اس میں تقریر کروں گا، کچھ بھی ہو۔ جلسے کا اسٹیج بارہ دری کے سامنے بنایا گیا تھا، مسلمانوں کی زبردست بھیڑ جمع ہوگئی۔ شاہ جی اسٹیج پر آ گئے، مسٹر ٹیل جلسے کو درہم برہم کرنے کے لیے پولیس فورس کے ساتھ خود موقعے پر پہنچ گیا اور مسلمانوں کا زبردست

ہجوم دیکھ کر اس نے آنسو گیس چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔ مجمع میں بھگدڑ مچ گئی، شاہ جی اور دوسرے لیڈروں کو مسلمان بارہ دری کے اندر لے گئے۔ میں اور میرے ساتھ ناز انصاری اور مولانا انور صابری صاحب مرحوم اسٹیج سے اتر کر پیچھے کے گودام میں اتر گئے۔

مسٹر ٹیل جوش کے عالم میں اسٹیج کے اوپر چڑھ آیا تھا اور اس نے بیدیں برسانی شروع کر دی تھیں۔ ہم سب ہی پر اس کی بیدیں پڑیں۔ میری کمر پر نیل کا نشان کافی عرصے رہا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ جب اس حادثے کا ذکر کرتے تو مجھ سے فرماتے:

''مولوی صاحب، تمہیں تو ٹیل کی وہ ایک بید ہی جنت میں لے جائے گی، فکر نہ کرو۔''

ہم لوگ جس پچھلے گودام میں گھسے اس میں گیس بھر گیا، ہم سب کا دم گھٹنے لگا۔ انور صابری صاحب سگریٹ کثرت سے پیتے تھے، سانس کے مریض ہو گئے تھے، بھاری ڈیل ڈول تھا، حالت خراب ہونے لگی۔

وہ ہائے ہائے کرنے لگے اس وقت میرے پاس ناز صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری تھا، جس کی آواز میرے کانوں میں آ رہی تھی۔

ایک پتنگ باز کی شرارت:

دلی کے کارخانے دار طبقے کے لیے عید کے بعد حضرت نظام الدینؒ کی سترہویں کا میلہ بڑی اہمیت رکھتا تھا، کاری گر لوگ عید کے بعد سترہویں منا کر اپنے اپنے کاموں پر بیٹھتے تھے، اس سے پہلے نہیں۔ یہ میلہ اب بھی ہوتا ہے مگر وہ پرانی باتیں کہاں؟

دلی میں ایک نابینا سارنگی نواز تھے جو سارنگی پر شاہ ظفر کی یہ مشہور غزل بڑے دل سوز انداز میں گایا کرتے تھے۔

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ
نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں
میرا غم سے سینہ فگار ہے

دلّی والے بڑے شوق سے غزل سنتے، راہ چلتے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ ستر ہویں کے موقعے پر ہمایوں کے مقبرے کے پیچھے (دوپہر کے حصے میں) یہ سارنگی نواز بڑی محویت کے ساتھ یہ غزل گا رہے تھے اور لوگ چاروں طرف سے انھیں گھیرے ہوئے غزل سن رہے تھے، لوگوں پر بے خودی طاری تھی۔
مقبرہ ہماریوں میں پتنگ بازی خوب ہوتی تھی، استادان فن اس میلے کا انتظار کرتے تھے، پتنگ لوٹنے والے ہاتھوں میں بانس لیے ادھر ادھر دوڑتے پھرتے تھے۔

ظفر کی غزل سننے والوں کا یہ مجمع ان لوٹنے والوں کے راستے میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ چناں چہ ایک پتنگ باز نے یہ شرارت کی کہ شہد کی مہال (چھتے) پر پتھر مار دیا۔
مقبرے کے دروازے کی محراب میں شہد کی بڑی بڑی مہالیں لگی ہوئی تھیں۔
پتھر لگتے ہی شہد کی مکھیاں بکھر گئیں اور مجمع پر ٹوٹ پڑیں۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، ایک کے اوپر ایک گرنے لگا، لوگوں کے منہ سوجھ گئے، نابینا سرنگی نواز اپنی سرنگی پر اوندھے پڑ گئے۔

اور ہم نے یہ سارا تکلیف دہ تماشا نیچے پارک میں کھڑے دیکھا۔

باب (۲۱)

سلمانی برادری

اور

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

بال کاٹنے کا کام کرنے والی برادی کو سلمانی برادری کے نام سے منظم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دلی میں اس پیشے کے افراد کو نائی، بار براور حجام کہا جاتا ہے۔

حجام۔ حجامت سے ہے جس کے معنی ہیں پچھنے (سینگھی) لگانے والا۔ نائی اصل میں ناعی تھا، جس کے معنی موت کی خبر دینے والا، اسے نائی کر دیا گیا۔ پہلے گھر گھر موت کی اطلاع یہی لوگ دیتے تھے، پھر یہ دونوں نام ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہونے لگے۔ باربر فارسی لفظ ہے، یعنی بوجھ (بال) دور کرنے والا۔

دلی میں اس تنظیم کے سربراہ مشہور کانگریسی لیڈر بابو خاں ہیں، اس تنظیم کا زیادہ اثر بمبئی میں ہے کیوں کہ وہاں باربر کی دکانوں کے بڑے بڑے شان دار سیلون ہیں۔ جن کے مالک رئیس ہیں۔

بمبئی، قلابہ میں شمشاد صاحب اس تنظیم کا کوئی اخبار بھی نکالتے ہیں۔ باربر اور حجامت کے کام نے ایک جدید فیشن یافتہ صورت اختیار کرلی ہے اور دلی کی خانہ نشین خواتین نے بیوٹی پیلس (خوب صورتی گھر) قایم کرلیے ہیں، جہاں خواتین کی حجامت بنائی جاتی ہے۔

حجامت بنانا دلی کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب کسی کو دھوکہ دے کر اس کی جیب خالی کرانا ہے۔

''بیوٹی پیلس'' اس معنی میں حجامت گھر ہیں اور فیشن پرستی کا یہ زور فلمی دنیا کی

ریا کاری اور بے بنیاد نمایشی حسن کاری کے مظاہرے سے قایم ہے۔

اس طبقے کے بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ سلمانی کی نسبت مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف ہے اوران کے خیال میں حضرت سلمان فارسیؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کاٹے تھے، حالاں کہ یہ بات تاریخ سے ثابت نہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ کھجوروں کی چٹائیاں بنا کراپنی روزی کا انتظام کرتے۔

(اسوۂ صحابہؓ)

ایران کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے سلمانؓ کی خدمات کے صلے میں اور انھوں نے ایرانی معرکوں میں جس کارگزاری کا شان دار مظاہرہ کیا تھا اس سے خوش ہو کر ایران کے شہر مدائن کا گورنر بنا دیا تھا۔

گورنری کے دور میں بھی ان کی سادگی اور جفاکشی کی عادت برقرار رہی۔

چناں چہ ایک روز (حضرت) سلمانؓ مدائن کے بازار میں پھر رہے تھے کہ ایک ترکی تاجر نے انھیں مزدور (حمال) سمجھ کران کے سر پہ بوجھ رکھ دیا اور انھوں نے بلا تکلف وہ بوجھ اٹھالیا۔

چند قدم چل کر مسلمانوں نے اپنے گورنر کو اس حالت میں دیکھا تو اس تاجر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، حضرت سلمان فارسیؓ نے ان سے کہا:

”میں نے جس عمل خیر (خدمت خلق) کا ارادہ کرلیا ہے میں اسے پورا کروں گا اور یہ سامان اس تاجر کے مکان تک پہنچاؤں گا۔“

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصول تھا اور آپ اسی اصول کی تلقین کرتے تھے کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے خود کرو۔ صحابہ فرماتے تھے:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُدَّامُ أَنْفُسَنَا. (اسوۂ صحابہ ۳۲۲)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم لوگ اپنے خادم ہوتے تھے۔“

”رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بڑھی ہوئی لبیں اپنے ہاتھ سے کاٹتے

تھے۔'' (رواہ ابن عباس مشکوٰۃ ۳۸۱)

''اپنی ریش مبارک کو ہر طرف سے کاٹ کر اس کی اصلاح خود کرتے تھے۔''

(رواہ عمرو ابن شعیبؓ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کے بالوں میں کثرت سے تیل ڈالتے تھے اور کنگھی سے اپنی داڑھی کو سنوارتے تھے۔

مکۂ معظّمہ کے قیام کے وقت حضرت ام ہانیؓ نے آپ کے سر پر چار گیسو دیکھے۔

مدینۂ منورہ میں حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پٹھے تھے۔

فَوْقَ الْجُمَّرِ وَدُوْنَ الْوَفْرَۃِ.

''یعنی پٹھے بال کانوں سے کچھ نیچے اور کندھے سے کچھ اوپر تھے۔''

محدثین نے لکھا ہے کہ یہ مقدار مختلف حالات کے لحاظ سے رہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اگر بڑھ جاتے تو کانوں سے نیچے، کندھوں سے اوپر تک ہو جاتے، ورنہ عام حالات میں کانوں سے کچھ نیچے تک رہتے۔ (مشکوٰۃ ۳۸۲)

مدینۂ منورہ میں بال کاٹنے والے پیشہ ور افراد صحابہ کرامؓ میں موجود تھے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت) جعفر طیارؓ (چچا زاد بھائی) کی شہادت کے بعد ان کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے گئے، ان کی بیوی کو تسلی دی، ان کے بچوں کو بلایا تو دیکھا کہ ان کے بال بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ حلّاق (بال مونڈنے والے) کو بلا کر لاؤ، حلّاق لایا گیا، آپ نے اسے حکم دیا کہ ان دونوں بچوں کے بال مونڈ دو، انھوں نے بال مونڈ دیئے۔ (ایضاً۔۳۸۲)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے (حضرت) امیر معاویہؓ نے بتایا کہ میں نے عمرۂ جعرانہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال (مِشقص) کاٹے۔

مشقص عربی میں استرے اور قینچی دونوں معنی میں آتا ہے، اس لیے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے آپ کے سر کے بال مونڈے۔ (مشکوٰۃ ۲۳۲)

اسی موقع پر (حضرت) امیر معاویہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اور ناخن تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھ لیے اور وصال کے وقت یہ وصیت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک، آپ کے بال اور ناخن میرے سر پر رکھ دیئے جائیں، میری ناک اور آنکھوں اور سجدہ کرنے کے مقامات پر رکھ دیئے جائیں۔ اور

خَلُّوْ ابَیْنِیْ وَبَیْنَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ.

''مجھے میرے رحم کرنے والے آقا کے سپرد کر دیا جائے۔''

ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں بال کاٹنے (قصر یا حلق) کا پیشہ ناپسندیدہ اور حقیر نہیں سمجھا جاتا!

اور یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کاٹنے کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

پیشہ اور کسب بالید (ہاتھ سے کام کرنا) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑا پسندیدہ عمل تھا، آپ سے سوال کیا گیا کہ

اَیُّ الْکَسْبِ اَفْضَلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسب اور کمانے کی کون سی صورت افضل ہے؟''

تو آپ نے فرمایا:

''عَمَلٌ بِالْیَدِ ہاتھ سے کام کرنا بہترین کمائی ہے۔''

حضرت عثمان غنیؓ کس قدر صاحب ثروت صحابی تھے، مگر آپ اپنے اونٹوں کے لیے اپنے ہاتھ سے جنگل میں جا کر درختوں کی پتیاں جھاڑا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے داماد حضرت زبیرؓ بہت غریب تھے، ان کی اہلیہ حضرت اسماءؓ گھوڑے کے لیے جنگل سے گھانس کاٹ کر خود لایا کرتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ صاحب حیثیت تاجر تھے، آپؓ نے اپنے داماد کے یہاں ایک ملازم بھیجا، تب حضرت اسماءؓ کو اس کام سے نجات ملی۔ (اسوۂ صحابہؓ)

دلّی کا ایک باربر:

دلّی کے پرانے باربروں اور حجاموں کی دکانیں صرف خط بنانے کی دکانیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ یہ تفریح کے کلب ہوتے تھے۔

ہمارے بازار میں امروہہ کے ایک پرانے باربر کی دکان تھی، انھیں حِدّا نائی کہا جاتا تھا، یہ بڑے کردار کے آدمی تھے، ساری جوانی انھوں نے دلّی میں گزار دی تھی، یہ استاد حِدّا تھے، خط بنانے کا کام ان کے شاگرد کرتے تھے، کچھ خاص لوگوں کے خط یہ اپنے ہاتھ سے بناتے تھے۔

بڑی نزاکت کے ساتھ قینچی اور استرا چلاتے تھے۔ بڑے قرینے سے ناخن کاٹتے اور خط بناتے اور ناخن کاٹنے میں دہانی جانب سے کام شروع کرتے اور کہتے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے۔

مرغ لڑانے کا بڑا شوق تھا۔ دکان ہی پر بڑے اصیل لڑاکو مرغ رہتے تھے۔ ان مرغوں کی دیکھ بھال کرتے، مرغوں کی کشتی کے حالات بیان کرتے تھے۔

دکان پر ایک بڑا حقہ رکھا رہتا تھا، خود بھی وہ کش لگاتے رہتے تھے اور آنے جانے والے بھی کش لگاتے رہتے تھے۔

دکان میں نہانے کے حمام تھے، نہانے والے نہاتے تھے اور اپنی باری کا انتظار کرتے تھے۔ یہ دکان لال کنویں کے سامنے تھی۔

ہماری گلی (شیخ چاند لال کنواں) میں ایک پرانے رئیس نواب لطیف احمد تھے اور ایک بگڑے نواب، نواب کترن تھے۔ کترن کپڑے کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ خدا جانے انھیں کیوں کترن کہا جاتا تھا۔ ان کا تعلق گاڑی بان برادری سے تھا۔ ان کے بڑے بھائی حافظ طوطی کے نام سے مشہور تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن کریم کو خوش آوازی سے پڑھتے ہوں، اس لیے حافظ طوطی مشہور ہو گئے ہوں، صدر بازار میں ان کا سوت کا کارخانہ تھا۔ صاحب حیثیت آدمی تھے۔

لاہوری برادری کے ایک سادہ کار نواب گھنگھرو کے نام سے مشہور تھے، ان کے

متعلق ان کے دوست یہ کہتے تھے کہ یہ نواب صاحب گانا سننے کا بہت شوق رکھتے تھے اوران کی طوائف ان کے ساتھ یہ مذاق کرتی تھی کہ ان کے پیروں میں گھنگھرو باندھ کر انھیں نچاتی تھی اوراپنے شائقین کو محظوظ کرتی تھی۔

نواب لطیف احمد واقعی نواب تھے، ان کا مکان محل سرائے کہلاتا تھا۔ جواب مشینیں رنگنے کا ایک کارخانہ ہے۔

انھیں کبوتر بازی کا شوق تھا۔ جائیداد کا کرایہ آتا تھا، اسی پر قناعت تھی۔ بہترین حافظ قرآن تھے، آخر عمر تک محلے کی مسجد میں تراویح میں قرآن سنایا۔ بڑی کڑک دار آواز میں جھٹکے کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے۔

رمضان آتے ہی تمام شوق ختم کردیا کرتے تھے، صرف ایک شوق پورا کرتے تھے کہ تراویح میں قرآن سنایا جائے۔

یہ نواب لوگ استاد جِدّا کے خاص گاہک تھے اور استاد اس قسم کے لوگوں کا بڑی نزاکت سے خط بنایا کرتے تھے۔ خط بناتے ہوئے حقہ کا کش ضرور لگایا کرتے تھے۔

شاعر نے دلّی کے انھی بگڑے ہوئے نوابوں کے بارے میں کہا ہے۔ شیخ بے چارے کے کندھے پر بندوق ضرور رکھی ہے

دو خواہشوں پر شیخ کا دارومدار ہے
ہو خاص دان پانوں کا آگے بھرا ہوا
خالی دماغ کرنے کو ہر لحظہ تازہ دم
رکھا ہوا ہو سامنے حقہ بھرا ہوا

باربر کی دوسری دکان ہمدم دواخانہ کے سامنے زکریا نائی کی تھی۔ یہ دکان ماڈرن تھی، جدید آرائش سے آراستہ تھی۔

زکریا صاحب دلّی کے تھے۔ بڑے خوب صورت آدمی تھے، سر پہ زلفیں تھیں، کبھی کبھی جوگیا رنگ کی ساڑھی باندھ کر دکان کے باہر کرسی بچھا کر بیٹھ جاتے تھے۔ بڑے زندہ دل آدمی تھے۔ ان کے لڑکوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔

حجام کا مقبرہ:

ہمایوں کے مقبرے (نظام الدین) سے ملحق ایک وسیع باغ ہے جس کے جنوب مشرقی گوشے میں ایک گنبد نہایت ہی شان دار تعمیر کا نمونہ ہے اور اس میں دو مزار ہیں۔

مولانا بشیر الدین احمد نے اس گنبد کے بارے میں موقع پر جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک حجام اور اس کی بیوی کی قبریں ہیں۔

اس کا سال تعمیر ۵۲۷ھ/۱۱۳۱ء ہے۔ مولانا نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ کسی بہشتی کا مزار ہے۔

بہ ہر حال یہ ظاہر ہے کہ عہد ہمایوں کے کسی شاہی ملازم کا (ہوسکتا ہے کہ وہ سقہ ہو یا حجام ہو) یہ مزار ہے۔ جس کا گنبد اتنا شان دار ہے اور اسے ہمایوں کے پہلو ہی میں دفن کیا گیا ہے۔

ہمایوں کے موچی کا مقبرہ:

مقبرہ ہمایوں کے جنوبی دروازے کے سامنے یہ ایک مقبرہ ہے جسے ہمایوں کے موچی کا مقبرہ کہا جاتا ہے، یہ گنبد عوام میں چماری والا گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت یہ گنبد منہدم عمارت کی صورت میں ہے۔ کبھی ایک شان دار گنبد ہوگا۔ اسی کے آس پاس ایک منہدم گنبد ہے جو نھو والی کا گنبد کہلاتا ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ بھی کوئی شاہی دربار سے وابستہ خاتون رہی ہوگی۔ اگر شاہی خاندان کی کوئی عورت ہوتی تو وہ شاہی اڑواڑ میں مدفون ہوتی۔

باب (۲۲)

گھونسی برادری
اور
مدینۂ منورہ کی دودھ والی

گھونسی اور گدی دونوں ہندی کے الفاظ ہیں۔ گھونسی گھونسا مارنے والا، گدی گدگدانے سے بنا ہے۔
زمین دار طبقے کی گائے بھینسوں کا دودھ نکالنے والے مزدوروں کو ان لفظوں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ کیوں کہ دودھ نکالنے والا جانوروں کے تھنوں کو کبھی گدگداتا ہے اور کبھی تھنوں پر ہاتھ مارتا ہے، تاکہ جانور کا دودھ نیچے اترے۔ اس عمل کی طرف نسبت کرکے ان لوگوں کے یہ نام پڑ گئے، ورنہ گھونسی اور گدی کوئی نسبی اور نسلی نسبت نہیں ہے، یہ برادری اپنے پیشے سے منسوب ہے۔
ہندوستان میں اسی طرح مختلف پیشوں پر برادریاں بنتی رہی ہیں۔ حجامت کے کام کرنے والے کاری گر حجام کہلانے لگے اور گوشت کاٹنے والے قصاب کہے جانے لگے۔
عربی میں دودھ کو حلیب اور لبن اور دودھ نکالنے والے کو حالب اور دودھ فروخت کرنے والے کو لبان کہا جاتا ہے۔
دودھ فروش جو مختلف صورتوں سے دودھ فروخت کرتے ہیں، انھیں حلوائی کا نام دے دیا گیا ہے۔ کیوں کہ وہ دودھ کو میٹھا (حلو، مٹھاس) کرکے فروخت کرتے ہیں، دہی بناتے ہیں، ربڑی بناتے ہیں۔ دودھ بھون کر کھویا بناتے ہیں اور کھوئے سے

قلاقند، برفی اور پیڑے بناتے ہیں۔ یہ برادری اپنی ذاتی گائیں، بھینسیں بھی رکھتی ہے۔

دلّی میں اس برادری کے گھر مختلف محلوں میں تھے، اب انھیں پرانی دلّی سے جمنا پار بھیج دیا گیا ہے۔

کمرہ بنگش میں اس برادری کے چودھری خلیفہ عیوض تھے، جو مولانا احمد سعید صاحبؒ کی مجلس کے حاضر باش تھے۔

گلی شاہ تارا (اجمیری گیٹ) میں آخر وقت تک بھینسوں کا وجود برقرار تھا۔ اب اس برادری کے مشہور آدمی چینا پہلوان ہیں اور ان کا پریوار ہے، جس کی علاقے میں بڑی ہوا ہے۔ چینا پہلوان کے بھائی رمضانی پہلوان کا ایک جدید ترین پریس ہے، جس میں مشہور رسالہ شمع کی طباعت ہوتی ہے۔

شرف الدین چینا پہلوان مسلم گھونسی ایسوسی ایشن کے سیکریٹری ہیں۔

گھونسیوں کی مسجدیں:

دلّی میں گھونسی برادری کی دو تاریخی مسجدیں ملتی ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس برادری کو شہر کی آبادی میں عظمت حاصل تھی۔

اس طبقے کے نام سے ایک مسجد۔ مسجد گدیان، دلّی گیٹ کے متصل جٹ واڑہ میں واقع ہے اور ایک مسجد سدھو گھوسن کے نام سے چرخے والان میں واقع ہے۔

مسجد پر یہ فارسی قطعہ کندہ ہے:

مسجد و مدرسہ و مکان و مسکن!
ہمہ ہا وقف شدہ از عاجزہ سدھو گھوسن

۱۲۵۴ھ/ ۱۸۳۸ء اس کی تعمیر کا سال ہے، یہ بہادر شاہ ظفر کا دور ہے۔ ''غدر'' ۱۸۵۷ء سے ۱۹ سال پہلے کا۔ یہ دو منزلہ مسجد ہے، نیچے دکانیں ہیں۔ اس میں (کبھی) مدرسہ بھی ہوگا۔ ۱۹۴۸ء کے بعد یہ محلہ مسلم آبادی سے خالی ہوگیا، گزشتہ سال (بابری

مسجد تحریک کے دوران) اس مسجد کو برباد کر دیا گیا تھا۔ اب اسے دوبارہ شان دار طریقے پر تعمیر کیا گیا ہے، قطعہ تاریخ کسی عالم فاضل نے کہا ہے۔ اس سے اس مسجد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اردن ہسپتال کے پیچھے ایک قدیم عمارت چونسٹھ کھمبے کے نام سے ہے۔ واقعات دارالحکومت نے اس عمارت کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ اس عمارت کا طرز تعمیر عہد افاغنہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ایک شان دار مسجد ہے۔ اس کے پیچھے گھونسیوں کی آج بھی بھینسیں بندھی ہوئی ہیں۔

اس مسجد کے صحن میں مفتی ضیاء الحق صاحب نے بیت المال کی کھڈیاں لگائی تھیں جن میں رومال بنے جاتے تھے۔

اس مسجد کے چاروں طرف مزارات ہیں جن میں مولانا احمد سعید صاحبؒ کے کچھ بزرگوں کے مزارات بھی ہیں، مولانا مرحوم یہاں فاتحہ پڑھنے آتے تھے۔ یہاں بسنت کا میلہ بھی لگتا تھا، جس کی سرپرستی سرسید احمد خاں کے نانا کرتے تھے۔ سرسید نے آثار الصنادید میں اپنے نانا کے حوالے سے اس ''بسنت'' کا حال لکھا ہے۔

عبدالستار ملک یونین:

مٹیا محل، جامع مسجد میں دودھ والوں کی ایک یونین تھی جس کے سیکریٹری عبدالستار تھے۔ ان پڑھ آدمی تھے، مگر انتظامی صلاحیت کے مالک تھے۔ مٹیا محل بازار میں یونین کا دفتر تھا، جس میں وہ دلی کے بڑے بڑے افسران کو بلاتے تھے۔ کانگریس کے لیڈروں، مولانا احمد سعیدؒ اور میر مشتاق صاحب سے گہرے تعلقات تھے۔

قومی کاموں کے لیے یونین کے فنڈ سے باقاعدہ بڑی بڑی امدادیں پیش کرتے تھے۔ پیتل کی نقشین موٹھ والی لکڑی اور پانوں کی ڈبیا ہاتھ میں ان کی شناخت بن گئی تھی۔

افسران میں اتنا تعارف تھا کہ جب چاہتے بڑے سے بڑے افسر کے پاس بے

روک ٹوک چلے جاتے۔ مولانا احمد سعید صاحبؒ کی خصوصی مجلس کے حاضر باش تھے۔

دعویٰ اسلام کا، تقلید کفر کی:

عبدالستار صاحب بڑے خوددار آدمی تھے، ایمان دار آدمی مزاج کا کڑوا ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں میٹھا آدمی معاملات کا کم زور نکلتا ہے۔

مسلمان آج بھی ہندوستان کے معاشی اور سماجی اداروں میں ایمان داری کا مظاہرہ کرے تو اسے غیر مسلم دنیا آنکھوں پر بٹھائے۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ مذہبی قائد ہوں یا سیاسی رہنما، دانش ور ہوں یا اہل ہنر، یہ سب (چند کے سوا) بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لیے دوڑ لگانے میں مصروف ہیں اور غیر مسلم طبقے کو (جو اپنے آپ کو ہندوستان کا راج کمار سمجھ رہا ہے) اپنے سامنے نمونے کے طور پر رکھنے کی غلطی کر رہے ہیں۔

حالاں کہ مسلمان، اسلام کے نام پر دنیا سے خراج تحسین وصول کرنے کا اپنے آپ کو مستحق سمجھ رہے ہیں اور نمونہ قرار دیتے ہیں غیر مسلم کردار کو.....؟

اسی تضاد نے مسلم دنیا کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے۔

کوثر ڈیری:

اس وقت کوثر ڈیری کے نام سے دودھ سپلائی کرنے والی ایک بڑی دکان حاجی عبدالرحمٰن صاحب کی جامع مسجد بازار مٹیا محل میں ہے، حاجی صاحب تبلیغی سلسلے کے بڑے سرگرم آدمی ہیں، بیرونی ممالک میں وہ تبلیغی دورے کر چکے ہیں۔

مدینے کی دودھ والی:

مدینۂ منورہ میں ایک دودھ والی عورت تھی۔ اس کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک دن مدینۂ منورہ کا گشت کر رہے تھے کہ اس دودھ والی کے مکان سے گزرے،

مکان کے اندر سے آواز آئی۔ دودھ والی اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ

"دودھ میں کچھ پانی ملادے، آج بکریوں نے کچھ کم دودھ دیا ہے، امیر المومنین عمرؓ کو اس بات کی کیا خبر ہوگی؟"

بیٹی نے جواب دیا کہ:

"امیر المومنینؓ کو خبر ہو یا نہ ہو، امیر المومنینؓ کے خدا کو تو ہر بات کی خبر ہے۔"

امیر المومنینؓ گھر واپس آئے اور پنی اہلیہ کو یہ واقعہ سنایا اور فرمایا:

"میں اس لڑکی کو اپنے بیٹے سے بیاہ کر لانے کا ارادہ کر رہا ہوں، تم اس کے گھر جا کر بات کرو۔"

حضرت عمرؓ کی اسی بہو کے بطن سے جو آپ کی اولاد کا سلسلہ چلا، اسی سلسلے کی لڑکی کے بطن سے بنو امیہ کے عدل پرور خلیفہ (حضرت) عمر ابن عبدالعزیزؒ تھے، جن کی عدل پروری اور نیکی نے انھیں پانچویں خلیفۂ راشد کے مقام پر فایز کیا۔

اصحاب روحانیت کہتے ہیں کہ لقمۂ حرام جس معدے میں جاتا ہے اس سے برے اثرات جنم لیتے ہیں، روحانیت لقمۂ حلال سے پیدا ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ناپاک کمائی کھا کر کی جانے والی عبادت اور صدقہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں باریابی حاصل نہیں کرتا۔

خالص دودھ امانت ہے:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر تجارت کو امانت فرمایا ہے اور امانت دار تاجر کو آخرت میں رسولوں اور شہیدوں کی رفاقت کی بشارت دی ہے۔

امانت کا مطلب یہ ہے کہ تاجر اور سوداگر تجارت کا مال خدا کے بندوں تک اسی طرح پہنچانے کا ذمے دار ہے جس طرح ایک امین امانت رکھنے والے تک اس کی امانت پہنچانے کا ذمے دار ہے۔

وہ تاجر جو امانت میں خیانت کرتا ہے گاہک کو دھوکہ دیتا ہے، اصلی میں نقلی کی

ملاوٹ کرتا ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید کے مطابق وہ امت رسول کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔

ایک صحابی بہت سید ھے اور بھولے تھے، دکان دار انھیں آسانی سے دھوکہ دے دیا کرتے تھے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ نے ان سے فرمایا:

''تم جب کسی دکان دار سے معاملہ کیا کرو تو پہلے میرا یہ فرمان سنا دیا کرو۔''

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا.

''جو شخص ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

یہ وعید شدید ہے۔ قرآن کریم نے دودھ کو خاص طور پر خدا کی نعمت قرار دیتے ہوئے کہا:

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ. (نحل ٦٦)

''مویشیوں میں تمہارے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ ہم تمہیں ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے وہ خالص دودھ پلاتے ہیں جو اسی غذا سے بنتا ہے جس غذا سے اس کا گوبر اور خون بنتا ہے۔ وہ دودھ خالص پینے والوں کے لیے نہایت خوش گوار مشروب ہے۔''

قدرت اپنے معجزے کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ وہی ایک غذا ہے جس کا کچھ حصہ گوبر اور فضلہ بن جاتا ہے اور کچھ حصہ خون میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس غذا کے کچھ حصے سفید رنگ، خوش ذائقہ اور مکمل غذا کی صورت میں دودھ بن جاتے ہیں۔

ماہرین اغذیہ نے دودھ کو مکمل غذا قرار دیا ہے جو غذا کے علاوہ دوا بھی ہے۔ جوانوں کے علاوہ بچوں اور بوڑھوں کے لیے حیات جسمانی کا مکمل سامان ہے۔

آج دودھ میں ملاوٹ ایک عام جرم ہے، پانی کی ملاوٹ، مکھن نکال کر سپر یٹا

دودھ بنانا، دودھ میں پاؤڈر ملانا۔

یہی وہ ناپاک کمائی ہے جس کے ذریعے کی گئی عبادت کو خدا تعالیٰ قبول نہیں کرتا، حج پر حج کرو یا مذہبی دورے کرو سب بے اثر ہیں۔

کسب حلال سے کی گئی عبادت ہی آخرت میں کام آئے گی۔ اس کے علاوہ سب نفس کا دھوکہ ہے۔

آج خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو جس گناہ کی سزا مل رہی ہے وہ گناہ ترک صلوٰۃ، ترک صوم اور ترک تہجد کا گناہ نہیں ہے۔ بلکہ حقوق العباد میں دھوکہ دھڑی کا گناہ ہے

اے ظفر جو کچھ کیے ہم نے زبردستی میں کام
بدلے ان کے مل رہے ہیں زیردستی میں ہمیں

(بہادر شاہ ظفر)

ایک آوارہ گھوسن:

کلاں محل کے علاقے میں ایک آوارہ عورت تھی جو گائیں، بھینسیں چرایا کرتی تھی اور ان کا دودھ فروخت کیا کرتی تھی اور اس کی آوارہ مزاجی کا تذکرہ مسجد کھجور والی کی مجلس تفسیر میں شریک ہونے والے سامعین کیا کرتے تھے۔ اس محلے میں بھی اس برادری کے لوگ رہتے تھے۔

خلیفہ چندو، خلیفہ شدو دونوں بھائی اس برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ عورت جوان لڑکوں کو گھیر کر لے جاتی تھی۔

ایک میواتی نوجوان کو بھی یہ گھیر کر لے گئی۔ یہ جوان (عبدالرشید) محنت مزدوری کرتا تھا، دین دار تھا۔ میوات میں دین داری کی فضا تبلیغی جماعت کی وجہ سے قائم ہے۔ یہ شخص نہایت طویل القامت اور قوی الجثہ اور بہ رنگ سیاہ سوڈانی قسم کا خوف ناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔

صبح کی تفسیر (مسجد قاسم جان) میں پابندی سے میں اسے دیکھتا تھا، ایک روز میں نے اس سے پوچھا تم کیا سمجھتے ہو۔ تمہیں کچھ یاد بھی رہتا ہے؟

یہ بولا۔ جی ہاں! صرف ایک ہی بات یاد ہے، اسی کو میں یاد رکھتا ہوں اور کافی سمجھتا ہوں۔ آپ نے ایک دن کہا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ.

''تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔''

یہ ایک ہی آیت میرے دل میں اتر گئی ہے اور اسی کا یہ کرشمہ تھا جو میں آپ کو سناتا ہوں۔

پھر اس نے مجھے اپنا واقعہ سنایا۔ یہ اسی بھینسوں والی کا واقعہ تھا، وہ عورت اسے اپنے مکان میں لے گئی۔ خوب دودھ پلایا اور پھر اس کے ساتھ دست درازی شروع کردی۔ اس نے دھکا دے کر اسے گرادیا اور وہاں سے بھاگ آیا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ آیت پاک میرے کام آ گئی اور اسی کی برکت سے میں اس گندے کام سے بچا۔ یہ میواتی پہلے فوج میں بھرتی ہوا، پھر ہمدرد دواخانہ میں لیبر (ملازم) بن گیا۔ اب وہ لال کنویں میں کباڑ لگاتا ہے۔ بیوی مرچکی ہے، بہو کے ہاتھ کی روٹی نہیں کھاتا، کیوں کہ وہ نماز نہیں پڑھتی۔ اپنے ہاتھ سے دو روٹیاں پکا کر کھاتا ہے۔ اسی کمائی سے حج بیت اللہ کر چکا ہے۔

باب (۲۳)

منہیار برادری

حسنینؓ کے کنگن اتروادیئے

سنسکرت میں ہار کا لفظ والا اور والے کے معنی میں بولا جاتا ہے، جیسے لوہار لوہے والا، منہیار کے لفظ میں بھی ہار اسی معنی میں ہے، یعنی من (خواہش اور شوق) کے سامان والا، چوڑیاں عورتوں کا پسندیدہ زیور ہے۔

اس برادری کے بعض گھروں کی عورتیں ٹوکری میں چوڑیاں رکھ کر خاص خاص گھروں کی مستورات کو شادی بیاہ اور تہوار کے موقعوں پر پہنانے جاتی تھیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب شرفا کے گھروں میں اجنبی عورتوں کے داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ہر خاندان کی لگی بندھی عورتیں، دھوبنیں، دائیاں، بھنگنیں اور چوڑیاں پہنانے والی تھیں، وہی آتی جاتی تھیں۔

ہمارے گھروں میں چوڑیاں پہنانے والی خاتون کو ہم لوگ دادی کہتے تھے۔ یہ دادا نور کی اہلیہ تھیں۔ دادا نور استاد ماہ رخ بیگ کے شاگردوں میں سب سے پرانے شاگرد تھے، انھیں اس حلقے کے شاگرد دادا کہہ کر پکارتے تھے، ان کی دکان کٹڑہ بابر بیگ کے باہر تھی۔

دادا نور کے بڑے لڑکے حفیظ الرحمٰن تھے، جنھیں محلے والے بھیا کہتے تھے۔ بھیا حفیظ نے چھپائی کا کام شروع کر دیا تھا۔

اسی برادری میں چوڑیوں کے تھوک تاجر بھی ہیں، جن کی دکانیں بلی ماران دلی میں ہیں۔

عورتوں کو چوڑیاں پہنانے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ کیوں کہ آزادی کے بعد

عورت بھی آزاد ہوگئی ہے اور اب وہ چوڑیوں کی دکانوں پر کھلے منہ بیٹھ کر مردوں سے اپنی پسند کی چوڑیاں پہنتی ہے۔

جامع مسجد کے علاقے چتلی قبر میں چوڑیاں پہنانے کی بڑی بڑی شان دار دکانیں ہیں۔

حافظ احمد دین صاحب:

المونیم کی رنگین میناکاری چوڑیوں کی ایک فرم حافظ احمد دین صاحب کی گلی خان خاناں اردو بازار میں ہے۔ حافظ صاحب صوفی مزاج آدمی ہیں، شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے صابری سلسلے میں بیعت ہیں، اس سلسلے کے آخری شیخ حکیم قریش میاں کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ قریش میاں سے میری ملاقات دہرہ دون میں ان کے مطب میں ہوئی۔

مرحوم عام صوفیا سے ممتاز و منفرد نظر آتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ خالی ہوگیا۔ دلّی کے مشہور سیاسی لیڈر عبدالودود خاں سابق ایم، ایل، سی، اتر پردیش بھی حکیم صاحب ہی کے مرید ہیں۔ حافظ احمد دین صاحب کے ایک بھائی قاری محمد میاں مظہری ہیں، جو ان سے بالکل مختلف ہیں اور جیسا موقع دیکھتے ہیں ویسا ہی سیاسی چولہ بدل لیتے ہیں۔

فیروز آباد:

شیشے کی چوڑیوں کی بہترین صنعت فیروز آباد میں ہے اور ہندوستان کی بہترین نازک چوڑیاں یہیں سے دوسرے ملکوں میں جاتی ہیں۔

سونے اور چاندی کی چوڑیاں سادہ کار اور سنار بناتے ہیں اور اب ایلومینیم کی چوڑیاں، بہترین میناکاری والی تیار ہونے لگی ہیں۔ جو نہ ٹوٹتی ہیں اور نہ جلد خراب ہوتی ہیں۔ ان کی کھپت دلّی سے باہر ہے۔

چوڑی والوں کی آبادی کا بڑا محلہ کٹڑہ بابر بیگ لال کنواں ہے۔ کچھ گھر بارہ دری شیر افگن میں بھی ہیں۔

دلّی کے بعض نام ور ہوٹل اس برادری کے نہایت کامیاب افراد چلا رہے ہیں۔ جن میں دلّی کا کریم ہوٹل اور نظام الدین کا نعمت کدہ بہت مشہور ہیں۔

شاہی منہیار کا مقبرہ:

ہمایوں کے مقبرے کی شرقی دیوار کے باہر ایک خستہ حال نیل گوں گنبد ہے۔ اس گنبد کے بارے میں مصنف واقعات دارالحکومت کو لوگوں نے یہ بتایا کہ جو شخص ہمایوں کی بیگم کو چوڑیاں پہناتا تھا اس میں اس کی قبر تھی جو منہدم ہو چکی ہے۔

دلّی میں چوڑی والوں کے نام سے ایک بڑا محلّہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کبھی چوڑی والے رہتے ہوں۔ اب تو اس میں جوتے والے اور دوسرے مختلف لوگ رہتے ہیں۔ یہیں ایک گلی منہیاری والی ہے۔

دلّی کی کالی نخیں:

دلّی میں باریک شیشے کی کالی چوڑیوں کو کالی نخیں کہا جاتا ہے۔ اردو والوں نے مختلف چیزوں کے نام رکھنے میں کمال دکھایا ہے۔

عربی میں نخوت کے معنی غرور کے ہیں، کالی چوڑیاں پہن کر عورتیں اتراتی تھیں، غرور کرتی تھیں، اس لیے اردو والوں نے نخوت سے (نخیں) بنایا ہے۔ اب وہ ذوق پرانا ہو گیا۔

کانوں کا ایک زیور بالی پتوں جیسا ہوتا ہے، انھیں سبزے کہا جاتا ہے۔ سبزوں میں سبز رنگ کا پنا خاص طور لگایا جاتا ہے۔ رئیسوں میں اس زیور کا رواج تھا، اب رئیس گھر کی عورتیں بھی رولڈ گولڈ کا زیور استعمال کرتی ہیں۔ دلّی کے ایک شاعر نے کتنی خوب صورت تشبیہ میں اسے استعمال کیا ہے

سبزے ہیں اس کے کانوں میں اس آب وتاب کے
جیسے کی برگ سبز ہوں نیچے گلاب کے
(رضا دہلوی)

سندھ کے چیف جسٹس:

میری ایک بھانجی (سراج الحق گوٹے والی کی صاحب زادی) ان کے ایک عزیز ظہور الحق صاحب کی بیگم تھیں۔ ظہور الحق دلّی مسلم لیگ کے صدر شجاع الحق کے لڑکے تھے۔ یہ ایک وکیل تھے، ترقی کر کے چیف جسٹس ہو گئے تھے۔

محمود صاحب پاکستان اسکاؤٹ کے چیئر مین بھی تھے۔ ظہور صاحب، صدر ضیاء الحق کے دور میں ایک انٹرنیشنل اسکاؤٹ کی ریلی میں ہندوستان آئے، ان کی بیگم ان کے ساتھ تھیں۔

رخصت ہوتے ہوئے ان کی بیگم (مبینہ بیگم) نے فرمائش کی کہ مجھے دلّی کی نخیں خریدنی ہیں، گھر والوں نے فرمائش کی تھی۔

میں نے کہا، کراچی میں کیا چیز نہیں ہے۔ محمود صاحب بولے، جی ہاں ماموں جان! سب کچھ ہے۔ مگر دلّی کی کالی نخیں اور خستہ گزک نہیں ہے۔

یہ میری وہ بھانجی تھی جو اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ مولانا آزادؒ کی متحدہ قومیت کے بارے میں مجھ سے بحث کرتی تھی اور عابد صاحب اور مجیب صاحب (جامعہ ملیہ) کے تصور قومیت سے مولانا آزادؒ کی متحدہ قومیت کو ملاتی تھی۔

یہ پڑھی لکھی لڑکیاں تھیں، ایک روز بحث میں یہ لڑکیاں اس قدر جوش میں آئیں کہ الماری میں سے مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا پہلا حصہ (الفاتحہ) نکال کر لائیں اور اس میں سے نشان زدہ عبارتیں مجھے دکھانے لگیں۔ میں نے ان کی تشریح کی لیکن بھلا وہ اس زہریلے ماحول میں کیسے مطمئن ہو سکتی تھیں۔ انھوں نے وہ تفسیر میرے حوالے کر کے کہا لیجیے، یہ آپ ہی لے جائیے۔ یہ ہمارے کام کی نہیں ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ خاندان پاکستان بننے کے بعد پاکستان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

آج میں جب مولانا آزادؒ کی تفسیر کی وہ جلد دیکھتا ہوں تو مجھے اس منافرت انگیز دور کی باتیں یاد آ جاتی ہیں۔

یہ انقلاب ہے کہ یہ خاندان کراچی کے حالات سے تنگ آ کر امریکہ ہجرت کر گیا ہے۔ یقیناً اب وہ لوگ مولانا آزادؒ کی بصیرت کو تسلیم کر کے انھیں یاد کرتے ہوں گے!

عہدِ رسالت کے زیور:

عرب میں عورتوں کے زیورات (حلیہ) میں بھی سادگی کا پتہ چلتا ہے، ہاتھوں کے زیورات میں سوار (کنگن، کڑہ) تھا، پاؤں کے زیورات میں چاندی کی پازیب تھی، کنگن سونے چاندی دونوں ہاتھوں کے ہوتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ نے حضور علیہ السلام سے اپنی چاندی کی پازیب کے بارے میں مسئلہ پوچھا تھا۔ پازیب کو عربی میں (اوضاح) کہا جاتا ہے (مشکوٰۃ ۱۶۰)۔ خلخال بھی عربی لفظ ہے بہ معنی پازیب۔

بعض عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سونے کے کنگنوں (سواران من ذہب) کے بارے میں مسئلہ پوچھا تھا۔ (ایضاً)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کے ہاتھ میں دو کنگن (قلبین) دیکھے، عربی میں کنگن کے لیے (قُلب) کا لفظ بھی آتا ہے۔

عرب میں بچوں کو زیور پہنانے کا رواج تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے (خواہ بڑے ہوں یا بچے) زینت کا سامان، زیور، ریشم، مہندی استعمال کرنے کی ممانعت کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کے ہاتھوں میں سے یہ کنگن اتروا کر

انھیں فروخت کرادیا اور ایک ضرورت مند خاتون کو اس کی قیمت بھیج دی۔

(مشکوٰۃ ۳۸۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کے کنگن فروخت کرا کر ان کی قیمت کے کچھ حصے میں اپنی صاحب زادی اور حسنینؓ کی ماں (حضرت) فاطمہؓ کے لیے ایک گلے کا ہار جو عصب (پٹھے) کا بنا ہوا تھا اور دو کنگن جو اونٹ کی ہڈی (عاج) سے بنے ہوئے تھے، منگا کر دے دیئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں جانوروں خاص کر اونٹ کے پٹھوں سے زیورات تیار ہوتے تھے اور اونٹ کی ہڈیوں سے زیورات بنائے جاتے تھے۔

عربی میں (عاج) ہاتھی کے دانت کو بھی کہتے ہیں اور کچھوے کی بالائی ہڈی کو بھی کہتے ہیں، ہاتھی دانت قیمتی شے ہے، ہڈیاں اور پٹھے سستی چیزیں ہیں۔

زینت اور سنگار:

مذکورہ زیورات کے علاوہ صحابی خواتین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ وہ ہاتھ پیروں میں مہندی لگایا کریں، ہاتھ پیر کورے نہ رکھا کریں۔

یہ خواتین بال بچہ (زچگی) سے فارغ ہو کر اپنے چہروں پر ورس ملتی تھیں، جس سے چہرے کے نشانات مٹ جاتے تھے۔ ورس ایک قسم کی سرخ گھانس ہے، مُشک بھی ایک قسم کی خوش بو ہے۔ اسے صحابیات اپنی پیشانی پر ملتی تھیں۔ (اسوۂ صحابہ ۳۱۷)

زیور، شاہی شان وشوکت:

قرآن کریم نے مصری حکم راں (فرعون) کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ جڑاؤ زیورات کنگن وغیرہ پہنتا تھا۔ اور یہ اس کے نزدیک شاہانہ شان وشوکت کی علامت تھی۔

مسلم حکم راں میں صرف ہندوستان کے مغل حکم راں سونے، چاندی اور

جواہرات کے زیورات پہنتے تھے اور یہ رواج ان کے اندر ہندوستانی راجگان سے آیا تھا، ہندو راجہ، مہاراجہ اور ہندو دیوی، دیوتا زیورات استعمال کرتے تھے۔

اور ہندوستان میں زیورات سے مزین ہونے کا رواج مصری حکم رانوں (فرعون) سے آیا۔

مولانا آزادؒ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں گئو سالہ پرستی کا رواج مصر سے آیا۔ مصر کے اندر یہ رواج قدیم سے قدیم دور میں پایا جاتا ہے، اس لیے قرین قیاس ہے کہ یہ زیورات کا رواج بھی ہندوستان میں مصری فرعون سے منتقل ہوا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا کہ اگر موسیٰ خدا کی طرف سے رسول بن کر آیا ہے تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کنگن کیوں نہیں ہیں؟

(زخرف ۵۳)

جنت میں زیورات:

خدا تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کا تعارف دنیا میں استعمال ہونے والی نعمتوں کے ذریعے کرایا ہے۔

گھنے باغات، دریا، نہریں، سونے چاندی کے محلات، ریشمی لباس۔ یہ قرآن کریم کا انداز تفہیم ہے۔ کیوں کہ اہل دنیا جن نعمتوں کو جانتے ہیں انھی نعمتوں کے ناموں کے ذریعے وہ ان دیکھی جنت کی نعمتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دو کنگن دیکھے:

سیاسی حکم رانوں کے تعلق سے ہاتھوں کے کنگن سیاسی قوت کے اظہار کی باطل علامت ہے۔ قدیم حکم راں اپنی باطل شان و شوکت کا اظہار کرنے کی غرض سے سونے کے جڑاؤ کنگن پہنتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ آپ کے دونوں

ہاتھوں پر دو کنگن لاکر رکھ دیئے گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ کنگن دیکھ کر گھبرا گئے، خواب میں ہی آواز آئی کہ ان پر پھونک مارو، آپ نے پھونک ماری جس سے وہ کنگن اڑ گئے۔

آپ نے اپنا یہ خواب بیان کر کے اس کی یہ تعبیر بیان کی کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار ظاہر ہوں گے اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ چناں چہ آپ کی زندگی کے اخری دنوں میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نام کے دو جھوٹے دعویدار کھڑے ہوئے۔

اسود عنسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے ہلاک کرایا اور مسیلمہ کذاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ گفتگو کر کے مدینہ سے چلا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسے قتل کرایا۔ (سیرۃ المصطفیٰ، جلد۲، صفحہ۲۷۲)

مرزا غلام احمد ملعون:

عہد رسالت کے ان دو جھوٹے نبیوں کے بعد پندرہ سو برس کے اندر کسی کو جھوٹے دعویٰ نبوت کی ہمت نہیں ہوئی — البتہ انگریزوں نے اپنے دور اقتدار میں مرزا غلام احمد ملعون کو کھڑا کیا اور اس سے نبوت کا دعویٰ کرایا۔

خدا تعالیٰ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے علما کو کھڑا کیا، اس طبقے میں مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجلس احرار اسلام کے دوسرے سرفروش مجاہد شامل تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی حیثیت اس فتنے کی سرکوبی کے لیے مامور من اللہ کی تھی، جس سے ان کے اندر غیر معمولی غیرت وحمیت پیدا ہوئی تھی۔ غیرت نبوت کا یہ جذبہ اب ان کی اولاد میں کام کر رہا ہے اور ملتان (دار بنی ہاشم) سے اس فتنے کا تعاقب کر رہا ہے۔

پاکستان کا یہ کارنامہ تاریخ اسلام میں سنہرے حرفوں میں لکھا جائے گا کہ پاکستان نے اس فرقے کو ملت اسلامیہ سے الگ ایک فرقہ قرار دے دیا اور یہ خط

ناک قسم کی گمراہی جو اندر ہی اندر امت کو کھوکھلا کر رہی تھی اس سے امت مسلمہ محفوظ ہوگئی ❶۔

یہ گمراہ فرقہ ہندوستان کے اندر پوری آزادی سے گمراہی پھیلانے کھڑا ہوگیا ہے۔ کیوں کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور یہاں مذہبی آزادی کا اصول کار فرما ہے۔

دارالعلوم دیوبند اس کے مقابلے کے لیے کھڑا ہوگیا ہے۔ خدا تعالیٰ مدد فرمائے۔ آمین

❶ تحریکِ ختم نبوت کے سلسلے میں مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کی خدمات بھی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ساتھ تھیں۔

ان حضرات کے بعد خواجہ خان محمد کندیاں شریف والے، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، اور مفتی محمد جمیل خان شہید نے اس تحریک کی غرض و غایت کو زندہ رکھا اور مؤخر الذکر مرشد و مسترشد اسی راہ میں شہید کر دیے گئے۔ (شریفی)

باب (۴۴)

دلّی کی صباغ (رنگ ریز) برادری

عربی میں صباغ کپڑا رنگنے والے کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ صبغ و صباغ (بہ معنی رنگ) سے مشتق ہے۔ رنگنا مصدر ہے اور اس کا مادہ سنسکرت کا لفظ رنج جیم سے ہے۔ ج مصدر میں گ سے بدل گئی۔

فارسی والوں نے رنگین اور رنگینی کے الفاظ بنائے اور کپڑا رنگنے والے کے لیے رنگ ریز اور سامان رنگنے والے کے لیے رنگ ساز بنایا۔ اب یہ الفاظ اردو میں داخل ہیں۔

صباغ کے عربی لفظ سے اہل علم تو خوب واقف ہیں کیوں کہ فقہائے احناف میں ایک امام فقہ امام صباغ" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ امام علم فقہ کی تعلیم و تالیف کے ساتھ کپڑے رنگ کر اپنی روزی پیدا کرتے تھے۔

دلّی میں ۱۸۵۷ء سے پہلے یہ برادری بازار سیتارام مقابل چوراسی گھنٹہ گلی جمن رنگ ریز میں آباد تھی۔ پھر یہ گلی ۱۹۴۷ء کے بعد مسلمانوں سے مکمل طور پر خالی ہو گئی۔ اس سے پہلے ۱۸۵۷ء کے غدر میں اس برادری کے لوگ یہاں سے نکل کر مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔ پھر امن و امان بحال ہونے کے بعد مسلمان اپنے مکانوں میں واپس آ گئے۔ اس برادری کی دکانین چاندنی چوک کٹرہ نیل میں واقع تھیں۔ کٹرہ نیل انھی کے نام سے موسوم ہے۔ رنگ ریز کو نیل گر بھی کہا جاتا ہے۔ اس برادری کے پاس جو قدیم دستاویزات ہیں ان میں ذات شیخ اور پیشہ رنگ ریزی لکھا ہوا ہے۔

صباغی کی صنعت کا تعلق قلعۂ معلی سے تھا۔ شاہی ریشمی کپڑے یہ برادری رنگتی

تھی۔ کسم (ایک قسم کا پھول) سے یہ ریشمی کپڑا رنگا جاتا ہے، اس لیے اس برادری کو کسم والے بھی کہا جاتا تھا۔ اس برادری کے نام سے ایک مسجد ہندوراؤ میں (مسجد رنگ ریزان) موجود ہے۔

کپڑا رنگنے کی صنعت ایک عام ضرورت ہے اور ملک کے ہر حصے میں اس کام کے کرنے والے ملتے ہیں۔ دلی میں اس برادری کی مشہور شخصیت عبدالعزیز قادری صاحب کی ہے جن کا کارخانہ رنگائی (ریشم) کوچۂ پنڈت میں اپنے آبائی مکان کے اندر واقع ہے۔

عبدالعزیز صاحب صوفی مزاج آدمی ہیں اور دلی کے مشہور صوفی حافظ عبدالقدیر قادری ابوالعلائی کے خلیفہ ہیں۔ عزیز صاحب ایک محنت کش برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور محنت کی روٹی (کسب حلال) کا یہ اثر ہے کہ انھوں نے پیری مریدی کا دھندہ اختیار نہیں کیا اور یہ ان کے پیر کا اثر بھی ہے۔

مرحوم شاہ حافظ عبدالقدیر صاحبؒ ہندوستانی دواخانے کے منیجر تھے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ سے مرحوم کا عقیدت مندانہ تعلق تھا۔ بہت صاف ستھرے مذاق کے بزرگ تھے۔ اپنے مریدوں کو نماز کی تلقین کرتے تھے۔ یہی ان کا سلوک تھا۔ لال کنویں کے علاقے میں سر پر چاند تارے کی ٹوپی پہنے کچھ لوگ نظر آتے ہیں، یہ انھی کے سلسلے کے لوگ ہیں۔

ان کے بڑے صاحب زادے حافظ عبدالرحمٰن صاحب (سوئیوالان) اس ناچیز کے بہنوئی ہیں۔ انیس الرحمٰن صاحب (ایڈیٹر کارواں) حافظ صاحب کے بڑے داماد ہیں۔

برادری کی تنظیم کے سلسلے میں ۱۹۸۰ء میں ایک اجتماع جیون بخش ہال فتح پوری میں منعقد ہوا تھا، جس میں ملک بھر کے لوگ شریک ہوئے تھے اور آل انڈیا جماعت صباغ کے نام سے برادری کی تنظیم قایم کی گئی تھی جو ملک بھر کی رنگ ریز برادری کو منظم کرنے میں سرگرم ہے۔ اس جماعت کے سیکریٹری محمد عتیق صدیقی (ایڈوکیٹ) مدیر

الیوم گلی قاسم جان دہلی ہیں۔

تحریکِ خلافت کے مشہور شعلۂ بار صاحبِ قلم مولانا مظہر الدین مرحوم شیر کوٹی (جو عتیق صاحب کے والد کے چچا تھے) کا تعلق بھی اسی برادری سے تھا۔ مرحوم الامان دہلی کے ایڈیٹر تھے۔

مسلمانوں کی ملی اجتماعیت تحلیل ہوچکی ہے۔ اگر برادرانہ تنظیموں کے ذریعے معاشرتی اور تعلیمی حالت سدھر جائے تو یہ بھی غنیمت ہے بشرطے کہ برادری تنظیمیں آپس میں متصادم نہ ہوں۔ سب اپنے اپنے دائروں میں کام کریں۔

چھیپی برادری:

اس برادری کا ایک طبقہ کپڑوں کی چھپائی سے بھی وابستہ ہے۔ دلّی میں اس طبقے کے افراد کیرانہ ضلع مظفر نگر سے آکر آباد ہوئے اور اس صنعت کو انھوں نے فروغ دیا۔ اس وقت لحاف کے ابرے اور پلنگ کی چادروں کی چھپائی کا بڑا مرکز پلکھوہ ضلع ہاپوڑ ہے۔

یہ قانونِ قدرت ہے کہ محنت کش اور مشقت پسند حلقوں ہی سے بڑے بڑے کام کے لوگ پیدا ہوئے۔ ہندوستان کا بھی یہی حال ہوا۔ شاہی دور کے جاگیردار اور زمین دار طبقے کو انگریزوں نے قایم رکھا اور ان سے اپنا کام لیا اور انھیں اپنی خدمت میں رکھا۔ آزادی کے بعد پدرم سلطان بود کا دور ختم ہوا اور خود کرو اور کھاؤ کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں محنت کشوں کے اندر ابھار کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔ اس قدرتی اصول کی ایک مثال حکیم عبدالحمید صاحب متولی ہمدرد دواخانے کی ذات گرامی ہے۔

قدرت کے اس اصول کو سمجھنے کے لیے شریف خانیوں اور شریف منزل کو سامنے رکھیے اور پھر ہمدرد کی تعمیری سرگرمیوں کو دیکھیے۔ قرآن کریم نے سچ کہا ہے۔ **لیس للانسان الا ما سعی** انسان کو اس کی محنت ہی کام دیتی ہے۔ باپ دادا کی کمائی کتنے دن؟ شاعر اس عروج و زوال کو اشراف گردی کہہ رہا ہے۔

غضب اشراف گردی ہے الٰہی اس زمانے میں
انھی پر ہیں زیادہ مشکلیں جو خاندانی ہیں
(رونق دہلوی)

حالاں کہ سب سے بڑے خاندانی آدمی شاہ ظفر مرحوم کانٹے کی بات کہہ گئے تھے

اے ظفر! جو کچھ کیے ہم نے زبردستی میں کام
بدلے ان کے مل رہے ہیں زیردستی میں ہمیں

محترم حکیم عبدالحمید صاحبؒ متولی ہمدرد دواخانے کا تعلق اسی محنت کش برادری سے ہے۔ جمعیت علماء دلی اسٹیٹ کے ناظم مالیات مولانا محمد رفیق صاحب دہلویؒ بھی اسی برادری کے فرد تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی حکیم محمد عظیم صاحب (اجمیری گیٹ) طبی کانفرنس کے سیکریٹری تھے۔ حکیم عبدالحمیدؒ صاحبؒ نے ان کی تنظیمی صلاحیت کو دیکھ کر انھیں اس عہدے پر فایز کیا تھا۔ مولانا محمد رفیق صاحبؒ بے حد زاہد اور محتاط آدمی تھے۔ دونوں بھائی لاولد تھے۔ بڑی درویشانہ زندگی تھی۔ رفیق صاحب کی ایک واشنگ فیکٹری جی بی روڈ پر قایم تھی۔ مرحوم اپنے ہاتھ سے کپڑوں پر استری کرتے تھے۔

قاری شریف احمد صاحب:

اسی برادری ❶ کے ایک لائق فرزند مولانا قاری شریف احمد صاحب ہیں۔ انھوں نے اس ناچیز کے ساتھ مدرسہ عالیہ فتح پوری میں چھ سال پڑھا۔ مشہور قاری،

---

❶ چھیپی برادری کے اکابر کے تعارف میں حضرت مصنف مدظلہم نے میرے جدامجد دامت برکاتہم کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ ذکر چھپائی (طباعت) کے پیشے کے حساب سے کیا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر حضرت مصنف مدظلہم نے برادری ازم کے مطابق حضرت قاری صاحب مدظلہم کا شمار اور تعلق نسبی چھیپی برادری سے سمجھا ہے تو سہو ہوا ہے۔ اس لیے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہم کا تعلق ◄

قاری حامد حسینؒ سے تجوید پڑھی۔ ۱۹۴۷ء (سے پہلے اور اس کے) کے بعد دہلی میں رہے۔ نئی سڑک کی مسجد میں مکتب قایم کیا۔ پھر انھیں دلی والوں نے کراچی بلا لیا۔ کراچی پاکستان چوک میں ان کا ادارہ حفظ قرآن قایم ہے، جس سے اب تک سیکڑوں کی تعداد میں حفاظ قرآن نکل چکے ہیں۔

قاری صاحب کے بڑے لڑکے رشید احمد کا ایک بڑا پریس بھی ہے۔ قاری صاحب اس پریس سے مولانا ابوالکلام آزادؒ پر کتابیں شایع کرتے ہیں۔ ابوسلمان شاہ جہاں پوری، قاری صاحب کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

یہ دونوں صنعتیں جدید ترقی کے ساتھ ترقی کر گئی ہیں۔ پہلے ایک رنگ ریز تانبے کے کونڈے میں کپڑا رنگتا تھا اور ایک لکڑی سے کپڑے کو الٹتا پلٹتا رہتا تھا۔ اب بڑے بڑے خودکار پلانٹوں پر یہ کام ہو رہا ہے۔

اسی طرح پہلے لکڑی کے بنے ہوئے چھاپوں سے کپڑے چھاپے جاتے تھے۔ اب یہ سارا کام مشینوں پر ہو رہا ہے۔

دوسری صنعت کار برادریوں کی طرح اس برادری کے افراد بھی صنعت اور تجارت میں وقت کے ساتھ ترقی کرتے ہیں اور صاحب استطاعت افراد اپنے بچوں اور بچیوں کو تعلیم سے آراستہ کر کے ترقی کی راہ پر چل رہے ہیں۔

میں ایک روز مرحوم جناب حکیم عبدالحمیدؒ صاحب متولی ہمدرد دواخانہ دلّی سے ملنے گیا، حکیم صاحبؒ کے سامنے کچھ چھوٹے بڑے اخبارات رکھے تھے۔ مرحوم نے ایک اخبار میری طرف سرکا کے کہا:

دیکھیے! لوگ کس طرح مجھے بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ مجھے خوشامد پسند

➤ کیرانہ، ضلع مظفر نگر (یوپی) کے ایک قصبے سے ہے اور نسبی اعتبار سے ہمارے بڑوں نے ''صدیقی'' کا لاحقہ لگایا ہے۔ تقسیم سے پہلے قاری صاحب دہلی آگئے تھے اور تعلیم وہیں حاصل کی۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم کے حالات زندگی راقم نے مرتب کر دیئے ہیں۔ شایقین مکتبۂ رشیدیہ کراچی سے ''تذکرۃ الشریف'' خرید کر مطالعہ کر سکتے ہیں۔ (شاہ غنی)

سمجھتے ہیں۔اس قسم کی مبالغہ انگیز تعریف سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

بات صرف اتنی ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ میں ایک محنت کش طبقہ سے تعلق رکھتا ہوں، قدرت نے میری محنت کو قبول کر کے اس مقام پر پہنچایا۔

حکیم صاحبؒ میری اس کتاب (دلّی کی برادریاں) کو پڑھ چکے تھے۔(اب اس کتاب کا یہ پاکستانی ایڈیشن اضافہ شدہ ہے)۔(۱۹؍ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

باب (۲۵)

زینت، زیور اور عورت

جسمانی جمال کی خواہش عورت کی فطرت ہے، اسی معنی میں یہ عورت کی کم زوری ہے۔

قرآن کریم نے فرشتوں کے بارے میں مشرکین عرب کے اس تصور کی تردید کی کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور کہا:

اَوَمَنْ يُّنَشَّـاءُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ.

(زخرف ۱۸)

یعنی وہ صنف نازک جو زیورات کے اندر پلتی ہے اور ناز و نعم میں پروان چڑھتی ہے اور بحث و مباحثے میں جذباتی ہو جاتی ہے، جھگڑے میں اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھتی، اس مخلوق (عورت) کو یہ خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور لڑکے اپنے لیے پسند کرتے ہیں کیوں کہ لڑکے بہادر ہوتے ہیں اور لڑائیوں میں ان کے کام آتے ہیں۔

اس تشبیہ میں عورت اور مرد کے درمیان نفسیاتی فرق بیان کیا گیا ہے۔

بعض علمائے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں عورت کی طرف جسمانی اور باطنی (عقلی) نقصان اور کمی کو منسوب کیا ہے اور اس آیت کے ساتھ عرب جاہلیت کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔

عرب شاعر کہتا ہے:

وما للحلي الا زينة من نقيصه

يتمم من حسن اذا الحسن قصرا

وامـا اذا کـان الـجـمـال مـوفـرا
کـحـسـنـك لـم یـحـتـج الـی ان یـزورا

"عورت کے حسن و جمال کی کمی کو زیور سے دور کیا جاتا ہے، لیکن اے میری محبوبہ! تیرا حسن و جمال تو مکمل ہے، تجھے زیور کی ضرورت نہیں۔"

ظاہر ہے کہ شاعر اپنی محبوبہ کے بارے میں کہہ رہا ہے، کوئی کلیہ اور عام اصول بیان نہیں کر رہا، لیکن مفسر (ابن کثیرؒ) نے شاعر کے اس قول کو ایک کلی اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔

پھر مشاہدہ فطرت یہ بتاتا ہے کہ نوع انسانی میں مرد کے مقابلے میں مجموعی طور پر عورت زیادہ صاحب حسن و جمال ہے اور اس کا جمال زیور کا محتاج نہیں ہے، البتہ زیور سے اس کے حسن و جمال کی افزائش کا تعلق ہے۔

ابن کثیرؒ نے ایک عربی مقولہ یہ نقل کیا ہے۔

قَدْ بُشِّرَ بِبِنْتٍ مَاهِیَ بِنِعْمِ الْوَلَدِ، نَصْرُ هَابُکَاءٌ وَبِرٌّ هَاسَرِقَةٌ. (جلد ۴، صفحہ ۱۲۵)

"اسے بیٹی کی خوش خبری دی گئی اور بیٹی کوئی اچھی اولاد نہیں ہے، لڑکی کی مدد کرنا زندگی بھر کا رونا ہے اور اس کے ساتھ احسان کرنا قوم کی چوری کرنا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ لڑکی کو پالنا پوسنا اور پھر اس کی شادی کرنا زندگی بھر رونے کا سبب ہے اور قومی رواج (زندہ دفن کرنا) کے خلاف اس کو زندہ رکھنا اور اس پر احسان کرنا یہ قوم کی چوری ہے۔

یہ عرب جاہلیت کا تصور ہے..... اسلام کا تصور یہ ہے۔

خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃ.

"دین کا بہترین مال و متاع وہ عورت ہے جو نیک چلن ہو۔"

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ، اَلطِّیْبُ وَالنِّسَآءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ.

''میرے نزدیک تمہاری دنیا کی صرف تین چیزیں محبوب و پسندیدہ ہیں، ایک خوش بو، دوسری چیز عورتیں جو بہت مظلوم ہیں اور تیسری چیز نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔''

وہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے ناقصات عقل و دین کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث (بخاری جلد اول کتاب الاستحاضہ) میں عورتوں کو ناقصات عقل و دین قرار دیا ہے۔ یعنی ان کی عقل اور ان کا دین ناقص ہے۔ پھر آپ نے اس کی دلیل میں فرمایا:

ایک عورت کی گواہی ایک مرد کی گواہی سے آدھی ہے۔ یعنی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوتی ہے۔ یہ ہے نقصان عقل......اور حالت حیض میں عورت پر نماز معاف ہے اور نہ روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ البتہ روزے کی قضا ضروری ہے، یہ نقصان دین ہے۔

نقصان دین یعنی بعض عبادات کی کمی چوں کہ عورت کے فطری حالات سے تعلق رکھتی ہے، عورت کے قصد و ارادے سے تعلق نہیں رکھتی اس لیے عبادات کے اجر و ثواب میں مجموعی حیثیت سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کیوں کہ بعض عبادات عورت کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ عبادات ہیں، ایک بچے کی پرورش (حمل سے لے کر رضاعت تک) اور اس کی تربیت کے تمام مراحل.....قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کیا:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصَالُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ، اِلَیَّ الْمَصِیْرُ. (لقمان ۱۴)

''اور ہم نے انسان کو تاکید کی ہے ان کے ماں باپ کے بارے میں.....
اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا، تھک تھک کر کم زوریاں برداشت
کرکے.....اور دو سال دودھ پلایا.....تاکید اس بات کی کہ وہ میرا اور اپنے
ماں باپ کا شکریہ ادا کرے۔ اسے میری ہی طرف واپس آنا ہے۔''

اس آیت میں ان کے احسانات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں ماں کی مشقت ظاہر کی گئی ہے، اس مشقت میں باپ شامل نہیں ہے۔

چوں کہ باپ اس دور میں خاص طور پر اپنی بیوی کے کھانے پینے کا خیال کرتا ہے، نان نفقہ تو ہر حال میں واجب ہوتا ہے، لیکن اس حال میں فطری طور پر بیوی کو اپنے بچے کا امین سمجھتا ہے اس لیے اس پر خصوصی توجہ کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کو شامل کیا، کیوں کہ خدا ہی حقیقت میں اس خاص حالت میں عورت کی نگرانی فرماتا ہے اور حقیقی احسان خدا ہی کا احسان ہے۔

حاصل یہ کہ حدیث میں نقصان دین (عبادت) کہا.....نقصان اجر وثواب نہیں کہا۔

نقصان عقل کیا ہے؟

عقل کے نقصان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بہ حیثیت مجموعی عورت کے اندر فہم و دانش کی مرد کے مقابلے میں کمی ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت کے اندر قوت برداشت کی کمی ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں عقل کے معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں، سمجھ اور فہم کے معنی نہیں ہیں۔ عربی میں عقال اور عقلہ کے معنی رسی جس سے اونٹ کے پیر باندھے جاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عورت میں ضبط اور برداشت کی قوت کم ہوتی ہے، یہ جذبات سے جلد مغلوب ہوجاتی ہے۔

جذباتی ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ اپنی گواہی میں عدل پر قایم نہ رہ سکے،

اس لیے دوسری عورت کو بھی اس ایک عورت کے ساتھ لگا دیا گیا..... تا کہ اگر ایک عورت اظہار حق میں کم زوری دکھائے تو دوسری عورت اس کی اصلاح کر دے۔

ظاہر ہے کہ صحیح صحیح گواہی دینے کا تعلق عقل وفہم کے مقابلے میں اظہار حق کے جذبے کے ساتھ زیادہ ہے۔

قرآن کریم نے مرد کی صفت قوام بیان کی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (۳۱)

''مرد عورتوں پر نگران ہیں۔''

یعنی خاندان کے حالات میں کنٹرول کرنے والے، قوام کی جگہ حاکموں اور حاکم کے الفاظ استعمال نہیں کیے، اس لفظ کا ترجمہ اہل فارس کارفرما کرتے ہیں جو اس کا صحیح مفہوم ہے۔

مولانا آزاد علیہ الرحمہ نے کارفرما کے ساتھ کارپرداز کا ایک لفظ تشریحی طور پر بڑھا دیا ہے۔

مرد کا حاکمانہ تصور:

اسلام میں دور دور بھی یہ تصور نہیں ملتا کہ مرد عورت پر حاکم مطلق ہے اور عورت مرد کی محکوم اور غلام ہے۔ اور حاکم بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہیں بلکہ فرعون ونمرود جیسا حاکم ہے۔ مرد کے اندر فرعونی حاکمیت کا تصور شیطان کی پیداوار ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیل کے طور پر فرمایا۔

ابلیس مسلمانوں کو کسی گناہ کے اندر مبتلا کر کے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا وہ میاں بیوی کے اندر جھگڑا کرا کر خوشی محسوس کرتا ہے، کیوں کہ میاں بیوی کا جھگڑا سارے خاندان بلکہ سارے معاشرے کے اندر شر وفساد پیدا کر دیتا ہے۔ (مشکوۃ ۲۸۰)

مثل مشہور ہے کہ جس کی بیٹی سکھی اس کا سارا خاندان سکھی اور جس کی بیٹی دکھی اس کا سارا خاندان دکھی۔

قرآن کریم نے عورت کے لیے رفیقۂ حیات (زوجہ) اور جوڑی کا تصور پیدا کیا، عورت نسل انسانی کی بنیاد ہے۔ بیوی مرد کے آدھے ایمان اور آدھے دین کو مکمل کرتی ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ نکاح محبت ومودۃ کا رشتہ ہے، دو افراد ہی کے درمیان نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان باہمی ہمدردی اور رفاقت کا رشتہ ہے۔ (روم ۲۱)

نکاح صرف حیوانی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ نہیں ہے، صرف نسل انسانی کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مقدس اخلاقی اور روحانی رشتہ ہے، محترم رشتہ ہے۔

لڑکے والے جب کسی کی لڑکی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھیک مانگنے آئے ہیں، ہمیں خالی نہ بھیجنا۔ آپ کی لڑکی، ہماری ملکہ بن کر رہے گی، ہم اسے بیٹی کی طرح رکھیں گے۔ مگر جیسے ہی نکاح کے دو بول پڑھا دیئے جاتے ہیں اس وقت لڑکے والوں کی نظریں دوسری ہو جاتی ہیں۔

معاشرے نے محبت میں لڑکے کو نوشاہ (نیا بادشاہ) کہا، اس کے سر پر شاہانہ تاج رکھا، اسے گھوڑے پر بٹھا کر لایا گیا، یہ اس کے مرتبے کا اعزاز ہے۔ مگر اس رسمی اعزاز نے اس کے اندر فرعونی نخوت پیدا کر دی۔

لڑکی کو دلہن بنا کر ضرور لے جایا گیا، مگر لڑکے اور لڑکے والوں کے دلوں میں بہت جلد وہ ایک باندی بن گئی۔

ماں باپ نے جو کچھ دیا وہ سب خاک ہے، جو کچھ کھلایا پلایا وہ لڑکے والوں کے قابل نہیں تھا، یہ خیالات عام ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سمدھیوں کی عزت نہیں کی گئی، یہ دو چہرے کیوں؟

ایک بھلا آدمی ہر حیثیت سے، بھائی کی حیثیت ہو، دوست کی حیثیت ہو، کسی کے بہنوئی ہونے کی حیثیت ہو، بھلا آدمی معلوم ہوتا ہے، لیکن وہ ایک داماد کی حیثیت سے، اس کا باپ ایک خسر کی حیثیت سے، اس کی ماں ساس کی حیثیت سے فرعونی

صفت کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔

آخر ایک انسان کے یہ دو چہرے کیوں ہیں؟ ایک ہی شخص داماد ہونے کی حیثیت سے اذیت رساں ہے، وہی شخص اپنے داماد کا خسر ہونے کی حیثیت سے بڑا بھلا آدمی نظر آتا ہے۔ یہ کیوں ہے؟

یہ اسی تصور کا نتیجہ ہے کہ عورت ایک باندی ہے، جب وہ بہو ہے تو گھر کی نوکرانی ہے اور جب وہ بیٹی ہے گھر کی رانی ہے۔

لیکن انسان بھول جاتا ہے کہ میری بیٹی کسی دوسرے گھر کی بہو بن کر جائے گی اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہوسکتا ہے جو میرے گھر میں بہو کے ساتھ ہورہا ہے۔

حاصل یہ کہ مرد کی فرعونی صفت کو عورت کی تقدیر قرار دے کر مرد کے گناہوں پر پردہ کیوں ڈالا جاتا ہے؟

یہ تقدیر، عورت کے ساتھ ہی کیوں ہے؟ کیا مرد کی تقدیر نہیں ہے؟ کیا مرد بے تقدیر پیدا ہوا ہے؟

عورت کے لیے روحانی سعادت:

عورت..... روحانی سعادت اور تقرب الی اللہ کے لحاظ سے مرد کے مقابلے میں کسی طرح کم نہیں ہے، عورتوں میں نبوت کا مرتبہ رہا ہے۔ اہل تحقیق علما کے نزدیک حضرت مریم (والدہ حضرت عیسیٰؑ) اور حضرت لوخا (والدہ حضرت موسیٰؑ) یہ دو خواتین نبی (صاحب وحی) تھیں۔

البتہ عورت رسول نہیں ہوسکتی تھی۔ کیوں کہ رسالت اور دعوت و تبلیغ کی ذمے داری ایک پردہ نشین خاتون انجام نہیں دے سکتی [1]۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے ان خواتین پر اپنی بات القا فرمائی جس کو "وحی" کے لفظ سے قرآن میں ذکر فرمایا۔ یہ مصنف مدظلہم کی رائے ہے کہ یہ نبی ہوئی ہیں۔ ورنہ ہمارے محقق اکابر کے نزدیک کوئی عورت نبی و رسول نہیں بنی۔ البتہ یہ برگزیدہ خواتین بہترین ولیہ تھیں۔ (شریفی)

نبوت ختم ہوگئی، لیکن ولایت قیامت تک جاری رہے گی اور نیک عورتوں میں اولیا اور اہل اللہ درجے کی عورتیں ہوتی رہیں گی۔

حضرت شیخ المشائخ سلطان نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا ہے کہ اولیائے کبار جب خدا کے مقبول بندوں کے وسیلے سے دعا کرتے تو ان نیک بندوں میں عورتوں کو مقدم رکھتے، کیوں کہ اخلاص اور اخفا (چھپا کر عبادت کرنے) میں عورتیں مردوں سے بلند درجہ رکھتی ہیں۔ (فوائد الفواد، صفحہ ۲۵۸)

تو پھر جس معاشرے میں بلا وجہ اور بلا سبب صرف اظہار برتری کے لیے عورتوں پر زیادتی کی جاتی ہے۔ کیا وہ گھر اور خاندان خدا کے غصے سے محفوظ رہتا ہوگا؟

گردوں کی قسم تیری جفا سے نہیں ڈرتا
ڈرتا ہوں اس سے جو خدا سے نہیں ڈرتا

عورتوں پر زیادتی کی دو صورتیں ہیں، ایک براہ راست اور بلا واسطہ زیادتی اور دوسری بالواسطہ زیادتی ..... یہ دوسری صورت اس طرح ہے کہ لڑکی کے ماں باپ اور بھائی بہنوں کو بلا وجہ برا بھلا کہا جائے اور ان کی توہین کی جائے۔ صرف اس قصور پر کہ وہ لڑکی کے ماں باپ ہیں۔ لڑکی کے ماں باپ بن کر انھوں نے بڑا گناہ کیا ہے، بس توبہ کا مقام ہے۔

مسلم معاشرے مین طلاق کی لعنت اور معاشرتی جھگڑوں کی وبا اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ ایک غیرت مند مسلمان شرم سے سر جھکا لیتا ہے۔ اکبر الہ آبادیؒ نے کہا ہے۔

جس کو خدا سے شرم ہے وہ بزرگِ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہے، مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے، مرد کثیف ہے

عورت کے لیے صبر وشرافت:

شریعت نے عورت کا حقیقی حسن و جمال صبر وشرافت کی صفات کو قرار دیا ہے۔ صبر اور شرافت اور خدمت وقناعت اختیار کر کے عورت برے سے برے حالات کو بدل دیتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے۔ بے صبری اور جلد بازی اس کے حالات کا علاج نہیں، قدرت نے وعدہ کیا ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّ الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ. (زمر:۱۰)

''صبر و برداشت کی راہ اختیار کرنے والوں (مرد ہوں یا عورتیں) کو خدا تعالیٰ بے حساب فضل وکرم سے نوازتا ہے۔''

قرآن کریم نے یہی ہدایت مردوں کو کی ہے کہ اگر ان کی رفیقۂ حیات میں کوئی کمزوری (ظاہری یا اخلاقی نقص) ہے تو وہ صبر سے کام لیں، خدا تعالیٰ ان کے صبر کا بدلہ انھیں کسی نہ کسی صورت میں عطا کرے گا۔

مثلاً انھیں نیک اولاد دے گا جو بڑھاپے میں ان کے کام آئے گی، یا انھیں مالی خوش حالی عطا کرے گا جس سے وہ سارے غم بھول جائیں گے۔ خدانخواستہ اگر کبھی برا وقت آجائے گا تو یہ بیوی اس برے وقت میں اس کے کام آئے گی۔

تکلیفوں اور پریشانیوں میں صبر کرنے کا بدلہ خدا تعالیٰ ایسی ایسی شکلوں اور ایسے ایسے طریقوں سے عطا کرتا ہے کہ انسان اس کا وہم وگمان بھی نہیں کرسکتا۔

مہر فاطمیؓ کی حیثیت:

دین دار لوگ تبرک کے طور پر مہر فاطمی پر نکاح باندھتے ہیں۔ مہر فاطمی ۱۳۲ر تولہ چاندی (۵۰۰ درہم) یعنی سکہ رائج الوقت کے لحاظ سے (۱۱۶۴۵) رُپے ہوتے ہیں۔ (۱۹۹۶ء میں یہ حساب بنتا تھا)۔

اس سلسلے میں عہد حاضر کے دو مشہور عالم وشیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے درمیان مہر فاطمی کے بارے میں

اختلاف رونما ہوا۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے اپنے شیخ حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں لکھا کہ میں نے اپنی صاحب زادی کا نکاح مہر فاطمی پر خود پڑھایا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ دو سنتوں پر عمل ہو گیا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے جواب میں لکھا کہ سلیمان کی حکومت میں رعایا کی حق تلفی کیوں کی گئی اور مہر مثل جو عروسہ (دلہن) کا شرعی حق تھا اس سے اسے محروم رکھا گیا۔

مولانا تھانویؒ نے نہایت حکیمانہ پیرائے میں اشارہ کیا کہ شریعت میں اگر عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو بلکہ اس کی نفی کر دی گئی ہو تب بھی اس کا مہر واجب ہو جائے گا۔ اس مقدار کے مطابق جو اس کے خاندان کی دوسری لڑکیوں کا مقرر ہوتا رہا ہے۔ یہ مہر مثل کہلاتا ہے۔ تو اگر کسی لڑکی کا مہر مثل بیس ہزار ہے مثلاً، تو مہر فاطمی کے گیارہ ہزار کے تقرر سے اس کی حق تلفی ہوئی۔

حضرت تھانویؒ کی یہ رائے مولانا مدنیؒ کے سامنے رکھی گئی تو مولانا نے اس کا مفصل جواب لکھا۔ جس کا انداز روحانی نوعیت کا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے جو بات کہی اس کی نوعیت قانونی ہے اور عورت کے شرعی حقوق سے اس کا تعلق ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: مکتوبات شیخ الاسلام، جلد نمبر ۲، ص ۱۰)

سامانِ زینت صرف عورت کے لیے:

اسلام میں عورت کے لیے سونے چاندی کے زیورات، سچا گوٹہ ٹھپا وغیرہ جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی (ساڑھے چار ماشے تک) جائز قرار دی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی زیور نہیں۔ اس حکم میں بڑے اور بچے دونوں شامل ہیں۔ مردوں کے لیے چادروں اور دوسرے لباس میں گوٹا ٹھپا لگانے اور زری کی گوٹ لگانے کی اجازت دی ہے لیکن وہ چار انگل سے زیادہ چوڑی نہ ہو۔

سونے چاندی کے برتن، سرمہ دانی وغیرہ نہ عورتوں کے لیے جائز ہے اور نہ مردوں کے لیے جائز ہے۔

عورتوں کے لیے زیورات کی اجازت کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ ضرورت کی حد تک زیورات رکھے جائیں، مال دار عورتیں ایک ایک قسم کی زیورات کے کئی کئی سیٹ رکھتی ہیں، اسے شریعت اسراف قرار دیتی ہے۔

شیشے کے برتن:

اسلام میں شیشے اور کانچ کے برتنوں کی اجازت ہے۔ مشہور بزرگ حضرت جنید بغدادیؒ (المتوفی ۲۱۶ھ/ ۸۳۱ء) کے والد محمد ابن جنید بغداد میں شیشے کے برتنوں کی تجارت کرتے تھے۔ ان کے والد نے اپنے لڑکے کا نام اپنے والد کے نام پر رکھا تھا۔ (حضرت) جنید بغدادیؒ ابتدا میں اپنے والد کی دکان پر بیٹھتے تھے، اس تجارت کے تعلق سے لوگ انھیں قواریری (کانچ کے برتن والے) اور زجاج (شیشہ گر) کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ (نفحات الانس، صفحہ ۸۱)

چینی کے برتن اور چینی کا دوسرا سامان زینت بھی مباح ہے۔

باب (۲۶)

ایک مسلم برادری ہے

کچھ اپنے بارے میں

ایک کرم فرمانے برادری ازم کے بارے میں مضامین سے خفا ہو کر یہ مطالبہ کیا کہ تم بتاؤ کون ہو اور کس کھیت کی مولی ہو، تمہیں سید کیوں لکھا جاتا ہے؟

یہ مطالبہ حق بہ جانب ہے اور چوں کہ ابتدائی سیاسی زندگی میں ولدیت کا مسئلہ پوسٹروں کے ذریعے دلی کی دیواروں پر چسپاں ہوتا رہا ہے، اس لیے مکتوب نگار کا الجھن میں گرفتار ہونا ایک قدرتی امر ہے اور اس الجھن سے نکالنا میرا فریضہ ہے۔

میرے والد میر عنایت حسین ابن میر علی حسن تھے۔ یہ خاندان سادات کا تھا اور چھتہ جاں نثار خاں، باغ دیوار میں آباد تھا، چھتہ جاں نثار خاں کی مسجد میرے دادا نے بنوائی تھی۔ جس کا تذکرہ وقف بورڈ کے کاغذات میں موجود ہے۔

میرے دادا کا کارخانہ (گوٹہ پیمک) لال کنویں حسن منزل میں تھا۔ حسن منزل انھی کے نام سے موسوم تھی جو ۱۹۴۷ء کے بعد ہنومان بلڈنگ ہوگئی۔

میرے نانا سید نواب علی نگینہ ساز تھے، یہ خاندان کٹرہ شیخ چاند میں آباد تھا، جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کر گیا، میرے والد کے ماموں آغا شرف الدین لاولد تھے، انھوں نے مجھے گود لے کر پرورش کیا۔ ابتدا میں ولدیت کے خانے میں آغا جان کا نام تھا جو انھوں نے خود لکھوا رکھا تھا۔ پھر جب میں نے خود اپنی ولدیت لکھوائی تو اصلی ولدیت لکھوائی۔ چناں چہ اسکول کے داخلے اور مدرسہ عالیہ فتح پوری کے داخلے میں اصلی ولدیت ہے۔

میں نے ۱۹۶۰ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر علاقہ کوچہ پنڈت سے کارپوریشن کا

الیکشن لڑا اور یہ الیکشن ووٹر لسٹ کے اندراج کے مطابق ہوا۔ جس میں ولدیت کے خانے میں شرف الدین لکھا ہوا تھا۔ یہ الیکشن بڑے معرکے کا ہوا، اس علاقے میں ڈاکٹر مرزا احمد علی مرحوم کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور دو کانگریسی امیدوار (عبدالواحد خاں اور مرزا محمد عثمان) الیکشن ہار چکے تھے، میں تیسرا امیدوار تھا۔ میرے مقابلے میں ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحب زادے مرزا محمد عثمان تھے۔ مقابلہ سخت تھا، ووٹ شماری میں ہر پولنگ پر مرزا عثمان صاحب مجھ سے آگے تھے، اور صرف ایک پولنگ جی بی روڈ کا باقی رہ گیا تھا۔ میں اور میرے ساتھی واپس آنے شروع ہو گئے، رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ میں چند ساتھیوں کے ساتھ تیس ہزاری کے پارک میں نماز کے لیے ٹھہر گیا۔

عثمان صاحب کے ساتھیوں نے تیس ہزاری کے درختوں پر حملہ کر کے ان کی ٹہنیاں توڑنی شروع کر دیں۔ عثمان صاحب کا انتخابی نشان درخت تھا۔ نعرے بلند ہو گئے۔ ہم نماز میں ان بلند نعروں کو سن رہے تھے، اور خوف زدہ ہو رہے تھے کہ اس بھیڑ میں سے نکل کر کس طرح بہ خیریت گھر پہنچیں گے؟

اچانک آوازیں آئیں کہ مولانا جیت گئے۔ ہوا یہ کہ جی بی روڈ کے پولنگ نے ساری کمی پوری کر دی۔ جی بی روڈ پر مجھے استقبالیہ دیا گیا اور حافظ عبدالعزیز صاحب (سرائے خلیل والے) جو کانگریس کی طرف سے میرے الیکشن کی نگرانی کر رہے تھے مجھے مجبور کر کے استقبالیے میں لے گئے۔

جی بی روڈ کی لیڈر رمایا دیوی تھی، اس نے اپنی تقریر میں یہ راز کھولا کہ اس الیکشن میں ایک مولانا کو تمام ووٹ کیوں ملے؟

اس نے کہا کہ جی بی روڈ کے ووٹر (بازاری عورتیں) اس سابق کونسلروں سے تنگ تھے، ان کونسلروں کے آنے جانے اور کھانے پینے سے تنگ تھے، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کانگریسی امیدوار ایک مولوی صاحب ہیں، یہ انتخاب جیت کر پھر ادھر کا رخ نہیں کریں گے اور چار پانچ سال تک ہماری جانیں بچی رہیں گی، اس لیے کانگریس

کے مولوی صاحب کو ووٹ دیے جائیں۔
اس نیک جذبے سے مولوی صاحب جیت گئے ورنہ یہ علاقہ فلاں ممبر کا ریزرو علاقہ تھا۔ پھر واقعی میری ہمت تو جی بی روڈ جانے کی نہیں ہوئی۔ مرزا عثمان صاحب آزاد اور اکرم قادری صاحب نے اس علاقے کے میونسپل کاموں کی دیکھ بھال رکھی۔ یہ دونوں دلّی کانگریس کے سرگرم کارکن تھے۔

الیکشن کے خلاف رٹ:

مرزا محمد عثمان صاحب نے الیکشن کے خلاف رٹ دائر کرادی اور اس مسئلے کو بنیاد بنایا کہ یہ الیکشن غلط ولدیت پر ہوا ہے۔ کانگریسی امیدوار کے والد کا نام عنایت حسین ہے اور الیکشن شرف الدین کی ولدیت پر لڑا گیا ہے۔
اسی دور میں میرے خلاف پوسٹر بازی ہوتی تھی اور فتوے شائع کیے جاتے تھے کہ جو شخص اپنی ولدیت غلط لکھوائے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ میں مدرسہ حسین بخش جامع مسجد میں جمعہ کی امامت اور خطابت کرتا تھا، (جو ابھی تک الحمدللہ جاری ہے)۔
کانگریس کی طرف سے مسٹر اہلو والیہ (حوض قاضی) وکیل تھے اور عثمان صاحب کی طرف سے ایک جن سنگھی وکیل تھے جو چاوڑی بازار میں رہتے تھے۔ (نام بھول رہا ہوں)
مقدمے کی کارروائی چلتی رہی اور جب عدالت نے میرا بیان لیا اور میں نے اپنی ولدیت بتائی تو اہلو والیہ صاحب نے اپنا سر پکڑ لیا اور کہا کہ کانگریس مقدمہ ہار گئی۔
نور الدین صاحب بیرسٹر کارپوریشن کے میئر تھے، جب انھیں ان کے شاگرد اہلو والیہ صاحب نے مقدمے کی کارروائی سنائی تو انھوں نے میئر روم میں مجھے بلایا اور میرے سچ بولنے کی تعریف کی اور پھر اہلو والیہ صاحب کو کوئی قانونی نکتہ سمجھایا اور انھوں نے عدالت میں درخواست دے کر دوبارہ شہادتوں اور دستاویزات پیش کرنے کی اجازت حاصل کرلی، اور اب یہ بحث ہوئی کہ مسلمانوں میں گود لینے کا رواج ہندو سماج

کی طرح موجود ہے۔ البتہ مسلمانوں میں لے پالک کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا، لیکن ولدیت کے خانے میں گود لینے والے کا نام لکھا جاتا ہے۔ اس پر عدالتوں کے فیصلے پیش ہوئے اور بڑی مشکل سے یہ رٹ خارج ہوئی۔

کانگریس بے کردار ادارہ:

یہی عثمان صاحب ہیں جو کانگریس کی موقع پرست اور بے کردار سیاست کی بہ دولت دلّی کانگریس کے نائب صدر نامزد کیے گئے ہیں۔

ماضی قریب میں ان کے برادر خورد مرزا صدیق علی صاحب نے اسی علاقے سے پارلیمنٹ کا الیکشن کانگریس کے امیدوار جے پرکاش اگروال کے مقابلے میں لڑا اور اس کے نتیجے میں بھاجپا کا امیدوار جیت گیا۔

مسٹر راؤ کی کانگریس اپنے اس بے کردار سیاسی رویّے سے کانگریس کے بااصول طبقے کو کانگریس سے دور کررہی ہے۔ اور اب یہ سوال بڑا اہم ہے کہ موجودہ کانگریس اس قسم کے گھٹیا پن کے ساتھ آنے والے جنرل الیکشن میں کامیابی حاصل کرلے گی؟

اس کا جواب اگر حالات نے نفی میں دیا تو یہ ملک کے حق میں نیک فال نہ ہوگی۔

کانگریس ۱۹۹۶ء کا الیکشن ہار گئی:

اوپر والا مضمون مارچ ۱۹۹۶ء میں لکھا گیا تھا اور اس الیکشن نے اس وقت کے خطرے کو حقیقت بنا کر سامنے کردیا کہ کانگریس الیکشن ہار گئی اور اب سیکولر پارٹیوں کی مشترکہ وزارت قایم ہونے والی ہے۔ آج (۲۷ مئی ۱۹۹۶ء) کو بھاجپا کی عارضی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور ہوجائے گی۔

موقع پرستی رنگ لائی:

کانگریس کی یہ موقع پرست سیاست شروع ہی سے کانگریس کو اندر ہی اندر گھن

کی طرح کھا رہی ہے۔

۱۹۶۰ء میں مرزا محمد عثمان صاحب نے کانگریس کے خلاف الیکشن لڑا اور اس کے بعد والے الیکشن میں اسی علاقے سے عثمان صاحب کو کانگریس کا ٹکٹ دے دیا گیا۔

اس وقت سکندر بخت کانگریس کے سیکریٹری تھی۔ ان ہی کی سرتوڑ کوشش نے کانگریس کو اس موقعے پرستی پر مجبور کیا۔ مجھے دیس راج جی چودھری (دریا گنج) نے بتایا کہ برج موہن تمہارے لیے ٹکٹ چاہتے تھے کیوں کہ تم عثمان صاحب سے الیکشن جیت کر آئے تھے۔ مگر سکندر بخت کے اصرار پر ایسا نہیں ہوا۔

بہ ہر حال دوبارہ اس علاقے سے کانگریس کا ٹکٹ نہ ملنا میرے حق میں قدرت کا بڑا احسان وکرم ثابت ہوا اور سیاست سے میرا پیچھا چھوٹ گیا۔

میرے سید ہونے کی بات:

رہا میرے سید کا لفظ لکھنے کا معاملہ تو میں احتیاط کے طور پر اپنے نام کے ساتھ سید ہونے کا لفظ نہیں لکھتا۔ میری تقریباً بیس بائیس کتابیں چھپ چکی ہیں۔ کسی پر میرے نام کے ساتھ سید کا لفظ نہیں ہے۔ البتہ لاہور کے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب میرے خاندان سے واقف ہیں اور پاکستان میں میرے بھائی وغیرہ سید کا لفظ لکھتے ہیں، اس لیے ڈاکٹر صاحب اپنے رسالوں ''حکمت قرآن'' اور میثاق میں میرے مضامین پر سید اخلاق حسین قاسمی تحریر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے ان رسالوں اور ''ندائے خلافت'' ہفتہ وار لاہور سے میرے نام کے ساتھ سید کا لفظ ہندوستان آیا اور اب وہ لفظ سید لکھا جا رہا ہے۔

کیا میں اس کی تردید کروں؟ یہ بے تکی بات ہے، میں اپنی نالائقی کی وجہ سے اس مقدس نسبت کے ساتھ اپنے قلم سے اپنے آپ کو متصف نہیں کرتا۔

میرا بڑا لڑکا پروفیسر ڈاکٹر شریف حسین قاسمی صدر شعبۂ فارسی دلی یونی ورسٹی بھی سید کے لفظ کو استعمال نہیں کرتا اور نہ میرا دوسرا کوئی لڑکا کرتا ہے۔ لیکن میں اس کی

تردید کروں؟ کس طرح کروں، جب کہ یہ نسبت صحیح ہے۔

میرے سیاسی مضامین کا ایک مجموعہ ''جمہوری دور میں اسلام کی کامیابی'' کے نام سے شائع ہوا ہے اس پر میں نے سید کا لفظ خود لکھا ہے کیوں کہ میں نے وہ کتاب پاکستان کے احباب اور اہل علم کے پاس بھیجی ہے اور وہاں میں سید اخلاق ہی کے نام سے متعارف ہوں۔

قابل فخر نسبت:

حسب نسب پر فخر کرنے کی اگر گنجایش اور فضیلت ہے تو وہ نسب نبوت (آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پر فخر کرنا ہے جو دراصل ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کرنے کی صورت ہے۔ لیکن اس میں بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

بے اعتدالی کا نمونہ فرقۂ امامیہ کے تصورات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس فرقے نے ائمہ اہل بیت کے ساتھ عقیدت کے غلو میں تاریخی حقائق کو بگاڑ دیا ہے۔ ابھی (۲۵/دسمبر) کوتال کٹورہ گارڈن کے جلسۂ سیرت میں ایک امامیہ مقرر صاحب نے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ فتح مکہ کے موقعے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذباتی نعرہ (الیوم یوم الملحمہ) لگانے پر ان کے ہاتھ سے پرچم لے کر حضرت علیؓ کو دے دیا۔ حالاں کہ یہ مسلمہ تاریخ ہے کہ پرچم نوجوان بیٹے سے لے کر ان کے بوڑھے باپ حضرت سعد ابن معاذؓ کو دیا گیا تھا۔ حضرت علیؓ کا اسم گرامی محض عقیدت کے غلو میں داخل کر دیا گیا ہے۔

شیعہ علما میں یہ مقرر صاحب نہایت سنجیدہ مقرر کہے جاتے ہیں، لیکن اس غلط عقیدت کا کیا علاج کہ انسان جان بوجھ کر ایک خلاف واقعہ فضیلت حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر دے۔

کیا حضرت علیؓ کے حقیقی فضائل کچھ کم ہیں؟ جو ہم ان کی طرف غیر واقعی فضائل منسوب کر کے ان کے ساتھ غیر سنجیدہ حرکت کا ارتکاب کریں۔

اہلِ بیت کی انکساری:

اہلِ بیتِ کرام کے اعلیٰ اخلاق کا تو یہ حال ہے کہ وہ حضرات اپنے حقیقی فضائل سے بھی صرف نظر کرلیا کرتے تھے اور ایک عام بندے کی طرح خدا کے حضور میں پیش ہوتے تھے۔

حضرت امام زین العابدینؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ ایک روز بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر زار وقطار رو رہے تھے، عرب کا ایک مشہور شاعر اصمعی اس موقعے پر آ گیا، اس نے حضرت امام کو پیچھے سے دبوچ لیا اور ان سے لپٹ کر بولا:

حضرت! آپؓ سے تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ اہل بیت کرامؓ کو پاک صاف اور پاک باز رکھے گا، پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ (احزاب ۳۲)

حضرت امامؓ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

اصمعی! تجھے آیت تطہیر یاد ہے، تو نے سورہ مومنون ۱۰۱ کی تلاوت نہیں کی جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

> ”جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو تمام نسب کے رشتے ٹوٹ جائیں گے اور کوئی رشتے دار کسی رشتے دار کو نہیں پوچھے گا۔“

اصمعی نے حضرت امامؓ کی عاجزانہ حالت کے سامنے سر جھکا لیا، حضرت امامؓ اس وقت خوف وخشیت کے غلبے کی حالت میں تھے، ورنہ ایک حدیث صحیح میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”قیامت کے دن تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے صرف ایک میرے نسب کا رشتہ قایم رہے گا۔“ (ابن کثیر سورہ احزاب)

قاسمی تعلیمی نسبت:

ایک کرم فرما نے لکھا ہے کہ آپ مختلف نسبتوں کی اس قدر چھان بین کر رہے ہیں۔ کیا آپ بتائیں گے کہ آپ ائمہ اہل بیت میں سے امام قاسم کی اولاد ہیں؟

میں نے ان کو لکھا ہے کہ قاسمی میری تعلیمی نسبت ہے، دارالعلوم دیوبند سے تعلیمی تعلق رکھنے والے قاسمی لکھتے ہیں کیوں کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم علیہ الرحمہ ہیں۔ دارالعلوم کے فضلا نے مولانا علیہ الرحمہ کے اسم گرامی کی نسبت کو اپنی شناخت بنالیا ہے، جس طرح علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے فضلا علیگ لکھتے ہیں اور ندوۃ العلما کے فضلا ندوی لکھتے ہیں۔

قاسمی کی نسبت میں نسب کی نسبت کا شبہ نہیں ہوتا، کیوں کہ ائمہ اہل بیت کی نسب کے سلسلوں میں قاسمی کوئی سلسلہ نہیں ہے۔

زیدی، جعفری، حسنی، حسینی، رضوی وغیرہ نسبی نسبتیں مشہور ہیں، ان میں قاسمی کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ کیوں کہ مشہور ائمہ اہل بیت میں قاسم نام کے کوئی امام نہیں گزرے۔ شہدائے کربلا میں حضرت قاسمؓ شامل ہیں جو حضرت امام حسنؓ کے صاحب زادے تھے۔

میرے بڑے لڑکے شریف حسین بھی قاسمی لکھتے ہیں کیوں کہ انھوں نے مجھ سے پڑھا ہے اور اس طرح بالواسطہ دارالعلوم دیوبند سے ان کا تعلیمی رشتہ قایم ہو جاتا ہے۔

باب (۲۷)

دلّی کے نام ور علما جو دلّی سے باہر آرام فرما ہیں

دلّی کے علما و مشائخ کی تاریخ میں عام طور پر انھی حضرات کا تذکرہ ملتا ہے جو دہلی کی سرزمین میں آرام فرما ہیں۔ حالاں کہ دلّی کی خاک پاک سے اٹھنے والی بعض اہم شخصیتیں دلّی سے باہر آرام فرما ہیں۔ کیوں کہ ان کی علمی اور روحانی خدمات کا تعلق ملک کے دوسرے حصوں سے رہا ہے۔ مصنف فقہائے ہند (لاہور) نے ان ہستیوں سے ہمیں متعارف کرایا ہے۔ ذیل میں ان کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔

شیخ جلال الدین جمالی دہلویؒ:

شیخ جلال الدین ابن فضل اللہ دہلوی عہد ہمایوں کے عظیم المرتبت عالم فقیہ ہیں۔ ہمایوں کی درخواست پر بھی عہدہ قضا قبول نہیں کیا، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ۹۲۴ھ/ ۱۵۱۸ء میں وفات پائی۔ مدفن نامعلوم۔

مولانا درویش محمد دہلویؒ:

ماوراء النہر کے اصلی باشندے تھے۔ لیکن تمام عمر دلّی میں وعظ و تذکیر کی مسند پر فائز رہے اور دہلوی مشہور ہوئے۔ ۹۹۵ھ/ ۱۵۸۷ء میں وفات پائی، مدفن نامعلوم۔

مولانا شعیب واعظ دہلویؒ:

لاہور کے اصل باشندے تھے، مگر تمام زندگی دلّی میں درس و وعظ میں گزاری۔ آپ دہلوی مشہور ہوئے، سکندر لودھی کے عہد میں دلّی کے مفتی تھے۔ ۹۳۶ھ/

۱۵۳۰ء میں وفات پائی اور مہرولی میں حوض شمسی کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ عبدالعزیز دہلویؒ:

جون پور میں پیدا ہوئے مگر ساری عمر دلّی میں علوم اسلامی کی خدمت میں گزاری، اس لیے دہلوی مشہور ہوئے۔ اکبر کا ابتدائی عہد تھا۔ امرائے حکومت ان کے معتقد تھے۔ ۹۷۵/ ۱۵۶۷ء میں وفات پائی۔ مدفن نامعلوم۔

قاضی عبدالرشید دہلویؒ:

یہ گیارہویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ مشہور وحدۃ الوجودی صوفی شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ سے تصوف میں فیض حاصل کیا۔ پھر سنبھل کے قاضی مقرر ہوئے اور وہیں تمام عمر گزاری۔

شیخ تاج الدین دہلوی:

یہ عہد اکبری کے بڑے عالم اور صوفی تھے اور ملّا عبدالقادر بدایونیؒ نے لکھا ہے کہ اکبر کے دل میں الحاد و زندقہ کی تخم ریزی میں ان کا بھی ہاتھ رہا۔ تاریخ وفات و مدفن نامعلوم۔

میر محمد افضل دہلویؒ:

بارہویں صدی ہجری کے مشہور عالم تھے۔ حدیث، فقہ و تصوف میں بلند رتبہ رکھتے تھے۔ دلّی سے الہ آباد منتقل ہو گئے اور وہیں تمام زندگی گزاری۔

قاضی محمد اکرم دہلویؒ:

کبار احناف میں ان کا شمار تھا۔ عہد عالم گیری میں دلّی کے قاضی رہے، پھر عالم گیر انھیں اپنے ساتھ اورنگ آباد لے گیا اور وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ عالم گیر کی وفات

سے دو سال پہلے وفات پائی اور وہیں آسودۂ رحمت ہوئے۔ تاریخ وفات ۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۴ء ہے۔

منشی شیخ جمال الدین صدیقی دہلویؒ:

ان کی پیدائش قصبۂ کوتاہ (ہریانہ) کی ہے، وہاں سے دلی منتقل ہوئے۔ یہ دور خاندان ولی اللّٰہی کے علم و فضل کا تھا، منشی جی نے ان بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ پھر دلی سے اندور اور پھر بھوپال پہنچے اور ملکہ بھوپال سکندر بیگم نے شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ کی سفارش پر انھیں ملازم رکھ لیا۔

پھر قسمت نے یاوری کی اور نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال نے ان کے ساتھ عقد ثانی کرلیا اور ریاست کا مدار المہام مقرر کر دیا۔

اسی منصب کے تعلق سے منشی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ بھوپال میں علم نوازی اور علما پروری کا ماحول انھی کے دم سے قایم ہوا۔ انھوں نے اپنی بیوہ لڑکی زکیہ بیگم کا عقد ثانی مولانا صدیق حسن خاںؒ کے ساتھ کر دیا۔

اسی طرح دلی کی ایک نام ور علمی شخصیت نے بھوپال کو ایک اسلامی ریاست بنانے میں نہایت موثر رول ادا کیا۔ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا احمد سعید مجددی دہلویؒ:

مجددی خاندان کے مشہور عالم مولانا ابوسعید مجددیؒ کے صاحب زادے ہیں، اپنے والد کے بعد ان کی مسند حدیث کو رونق بخشی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے الگ رہے، لیکن انگریزوں کے خلاف فتویٰ میں شریک تھے۔

اپنے بال بچوں کے ساتھ حجاز مقدس ہجرت فرمائی اور مدینۂ منورہ میں درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں وفات پائی اور جنت البقیع میں

آسودہ راحت ہوئے۔

مولانا حافظ اکرام الدین دہلویؒ:

دہلی کے قدیم باشندے تھے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ آپ نے شاہ صاحب سے دو دفعہ پورے قرآن کریم کی تفسیر سماعت کی۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت تصوف کا شرف حاصل کیا۔ تحفۃ الاسلام کے نام سے سورۂ فاتحہ کی مکمل تفسیر ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۷ء میں لکھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد دل برداشتہ ہوکر الہ آباد چلے گئے اور باقی زندگی وہیں گزاری۔ رد بدعت میں مولانا (اسماعیل) شہیدؒ کے ہم مسلک تھے۔ تاریخ وفات نامعلوم۔

مولانا ظہور علی دہلویؒ:

ان کے والد فتح علی ریواڑی کے تھے اور دہلی آکر بس گئے تھے۔ مولانا ظہور علیؒ کی پیدائش دتی کی ہے، مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کے شاگرد تھے، اس تعلق سے انھوں نے مولانا شہیدؒ کے افکار کی سخت مخالفت کی اور اس پر تحقیق الحقیقۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ ۱۸۳۵ء میں انگریزی حکومت کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ تھانے دار تھے۔

اس انگریز ملازمت کے اثر نے بھی انھیں حضرت شہیدؒ کے خلاف رکھا۔ ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں پٹودی میں وفات پائی۔

سید امت الغفور دہلویؒ:

شاہ محمد اسحاق محدثؒ ہند کی لائق و فائق صاحب زادی ہیں، مولانا عبدالحیٔ بڈھانویؒ (داماد شاہ عبدالعزیزؒ) کے صاحب زادے مفتی عبدالقیومؒ متوفی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء کے عقد میں آئیں۔

شوہر اور بیوی دونوں نے بھوپال میں علم حدیث و فقہ کی خدمت میں ساری زندگی گزاری اور وہیں آسودۂ راحت ہوئے۔

سید حیات حسینیؒ:

سید حیات حسینی دہلویؒ دلی کے نام ور حنبلی عالم تھے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں حرمین شریفین کی طرف ہجرت کی اور ساری زندگی مدینۂ منورہ میں علم حدیث کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔

مولانا رشید الدین دہلویؒ:

اصلاً کشمیری تھے، مگر دلی کو اپنا وطن بنایا۔ خاندان ولی اللّٰہی کے شاگرد ہیں۔ مفتی صدر الدین صاحبؒ سے رشتے داری تھی۔ شاہ جہاں کے مدرسہ دارالبقاء (عقب جامع مسجد دلی) میں تدریس کے منصب پر فایز رہے۔ دلی کالج میں بھی استاد رہے۔ ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔

مولانا شیر محمد افغانی دہلویؒ:

افغانستان سے دلی آئے اور خاندان ولی اللّٰہی سے علم حاصل کیا۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے خاص شاگرد اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے ہم سبق تھے، ساری زندگی زہد و ورع کے ساتھ دلی میں گذاری اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے بددل ہوکر حجاز کی طرف ہجرت کی۔ مگر راستے ہی میں وفات پائی۔ سن وفات ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء ہے۔

مفتی صدر الدین آزردہ کشمیریؒ:

یہ بھی اصلاً کشمیری تھے، مگر دلی میں بہ حیثیت صدر الصدور کے نہایت شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزاری۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے خصوصی شاگردوں میں شمار ہے۔

۱۵۵۷ھ میں دارالبقاء کے مہتمم و مفتی تھے۔فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے کے جرم میں انگریزوں کے عتاب میں آئے۔ بڑی آزمائشوں سے گزرے اور آخر عمر میں فالج میں مبتلا ہو کر ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں وفات پائی۔

مولانا محمد یعقوب بمبانیؒ:

گلی مسجد تہورخاں میں مسجد (املی والی) کے صحن میں آرام فرما ہیں۔ کتبے پر صرف نام تحریر ہے۔ مدرسۂ عالیہ فتح پوری کے شیخ الحدیث مولانا سجاد حسین صاحبؒ نے راقم کو بتایا کہ یہ بخاری شریف کے محشی ہیں۔اس سے زیادہ ان کے بارے میں تحقیق نہیں ہو سکی۔ بمبان افغانستان کا علاقہ ہے۔

یہ علاقہ قدیم قبرستان تھا، عمارتوں میں قبریں دب گئیں لیکن یہ ان کی کرامت تھی کہ کسی صاحب دل کو آمادہ کیا اور اس نے قبر سے کافی بلند قبر کا تعویذ بنوا کر ایک کتبہ لگوادیا۔

مولانا اسلام اللہ دہلویؒ:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اولاد میں سے تھے، بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ نواب فیض اللہ خاں والی رام پور کی دعوت پر رام پور تشریف لے گئے، اور اسی تاریخی ریاست میں علم کی روشنی پھیلائی اور وہیں وفات پائی۔سن وفات ۱۲۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء ہے۔

مولانا حکیم نصر اللہ خاں دہلویؒ:

خاندان ولی اللہی سے علمی فیض حاصل کیا، حکیم شریف خاں صاحب سے طب پڑھی، دہلی میں درس و تدریس اور خدمت خلق کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ دنوں نواب جھجر فیض محمد خاں کے ہاں ملازمت کی، شاعر بھی تھے، وصال تخلص تھا۔سن وفات

۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء ہے۔

مولانا قطب الدین دہلویؒ:

مولانا قطب الدین صاحبؒ شارح مشکوٰۃ کے بزرگ قلعہ دہلی کے عمائدین میں شامل تھے۔ اس لیے آپ کو مولانا کے ساتھ نواب بھی کہا جاتا ہے۔

آپ شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے شاگرد رشید تھے۔ بلبلی خانہ دلی کی مسجد امرود والی نواب صاحب کی طرف منسوب ہے۔ اسی کے قریب آپ کے مکانات تھے۔

آپ نے دلی میں اپنے استاد کے مشن (درس حدیث اور اصلاح عقائد) کو قایم رکھا۔ آپ کا وصال مکہ معظّمہ میں ہوا۔ سن وفات ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۲ء ہے۔

مولانا محبوب علی دہلویؒ:

خاندان ولی اللّٰہی کے فیض یافتہ عالم تھے۔ سید احمد صاحب بریلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، یاغستان گئے مگر وہاں کے حالات سے غیر مطمئن ہو کر واپس آ گئے۔

آپ کو مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعض خیالات سے اختلاف تھا۔ اس موضوع پر آپ کی کئی کتابیں ہیں۔ میوات کے علاقے میں آپ کی تبلیغی سرگرمیاں زیادہ ہیں۔

پرانے دلی والے، نئے دلی والے:

دلی، ہندوستان جیسے عظیم ملک کی راج دھانی اور مسلم عظمت کا گہوارہ ہونے کے سبب ہر طرف کے باکمال افرد کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے۔

معاشی اعتبار سے بھی اور علم و فن کے لحاظ سے بھی دلی اپنے اندر مقناطیسی کشش رکھتی ہے۔

پھر جو باکمال افراد یہاں آ کر بستے رہے اور یہاں کے رسم و رواج کو قبول کرتے رہے وہ دو ایک نسلوں کے بعد پرانے دلی والے ہو گئے اور ان کے نزدیک

نئے آنے والے اس وقت تک باہر والے کہلائے جب تک ان پر ایک دو پیڑیاں نہ گزر گئیں۔

ایسا بھی ہوا کہ باہر سے آنے والے دلّی میں علم و فضل سے آراستہ ہو کر حسب ضرورت دلّی سے باہر چلے گئے اور پھر بھی انھیں تاریخ نے دہلوی لکھا، اس حقیقت سے کون انکار کرے گا کہ دلّی کی تاریخی عظمت اسی طرح قایم رہی ہے کہ باکمال افراد باہر سے دلّی آتے رہے اور ان کے دم سے دلّی اپنی عظمت قایم رکھ سکی۔

دلّی کے قدیم خاندانوں پر جب قدرت کا قانون زوال جاری ہوا تو ان کی جگہ باہر سے آنے والوں نے حاصل کی اور دلّی خالی نہ رہ سکی اور پھر وہی دلّی والے بن گئے۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ جب تک کسی ماحول کے رسم و رواج اور اس کی زبان اور اس کے رہن سہن کا رنگ کسی خاندان میں پیدا نہیں ہوتا تو اس وقت تک اسے اس ماحول کے قدیم رہنے والے باہر والا ہی سمجھتے ہیں۔

باب (۲۸)

شاہ جہانی مساجد

شاہ جہاں بادشاہ نے دہلی کو راج دھانی بنانے کے لیے اس کی ہمہ جہتی ترقی کے انتظامات کیے۔ ایک عظیم اور بے مثال مسجدِ جامع تعمیر کی اور اسی کے ساتھ اس کے عقب میں ایک اسپتال (دارالشفاء) اور ایک دینی مدرسہ (دارالبقاء) تعمیر کرایا۔ اس کی تعمیر کا سال ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء ہے۔

شاہ جہاں کی بیگمات نے شہر کے مختلف حصوں میں تین مسجدیں تعمیر کرائیں۔

سمرقندی بیگم (ممتاز محل) کی وفات کے بعد شاہ جہاں نے اس کے مزار پر ایک یادگار عمارت (تاج محل) بنوایا۔ اس کی یادگار وہی ہے۔

اس کے علاوہ تین بیگمات نے الگ الگ تین مسجدیں بنوائیں۔

بیگم فتح پوری محل نے فتح پوری مسجد کے نام سے ایک بڑی مسجد بنوائی اور اس کے تین طرف طالب علموں کے رہنے کے لیے حجرے بنوائے۔ ان حجروں کی تعداد سرسید نے ۶۹ لکھی ہے۔

بیگم اعزاء النساء عرف اکبرآبادی بیگم نے مسجد اکبرآبادی کے نام سے دریا گنج کے چوراہے پر ایک عظیم مسجد بنوائی جس میں تینوں طرف حجرے بنوائے۔

چوتھی بیگم سرہندی نے وہ مسجد تعمیر کرائی جو قطب روڈ کے چوراہے پر واقع ہے۔

ان تینوں مسجدوں کی تاریخ ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء ہے۔

اس زمانے کے تاریخ نگاروں نے اس طرف سے خاموشی اختیار کر لی ہے کہ شاہ جہاں کے دارالبقاء اور فتح پوری اور کبرآبادی مساجد کے اندر دینی تعلیم کے عظیم مدرسے کیوں قایم نہیں ہو سکے؟

شاہ جہاں نے جامع مسجد کی امامت کے لیے بخارا سے ایک سید خاندان کو لا کر جامع مسجد کی شان بڑھائی۔ مگر دارالبقاء میں اس کی شایان شان اہل علم اور اہل کمال سے اس کی علمی اہمیت کو دوبالا نہیں کیا۔ اسی طرح بیگم فتح پوری کا معاملہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مساجد میں معمولی قسم کے دینی مدرسے قایم ہوں گے۔

البتہ یہ اعزاز مسجد اکبرآبادی کو ضرور حاصل ہوا کہ اس میں شاہ ولی اللہؒ کے چھوٹے صاحب زادے شاہ عبدالقادر صاحبؒ محدث دہلوی اپنے عظیم مدرسے (مدرسہ رحیمیہ کلاں محل) کو چھوڑ کر اس مسجد میں تشریف لے آئے اور تقریباً پچاس برس تک یہ مسجد ان کی ذاتی علمی اور روحانی عظمت کے سبب ایک عظیم مدرسے کی حیثیت میں رہی۔

قدرت کا یہ عجیب فیصلہ تھا، شاہ صاحبؒ کو قرآن کریم کے پہلے اردو (ہندی) ترجمے اور تفسیر (موضح قرآن) کی تالیف وتصنیف کے لیے ایک علاحدہ مسجد کی ضرورت تھی۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ نے چالیس برس اس مسجد میں اعتکاف کی صورت جیسی یک سوئی اور گوشہ نشینی اختیار کی اور ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء میں وفات فرما گئے۔ آپ کے ترجمہ کی تکمیل کا سال ۱۲۰۵ء ہے۔

شاہ جہانی مساجد میں یہ اعزاز بیگم اعزاءالنساء کو حاصل ہوا۔ شاہ صاحب کے بعد یہ مدرسہ ختم ہوگیا اور طلب علم کے لیے مدرسۂ رحیمیہ کی طرف لوگوں کا رجوع ہوگیا۔

مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ جیسے مجاہدین حق اسی مسجد کے مدرسے سے تیار ہوئے۔

باب (۲۹)

عہد شاہ جہانی کے مدرسے

شاہ جہاں نے جس زمانے میں دارالبقاء بنایا اور اس کی بیگمات نے مسجد فتح پوری، مسجد اکبرآبادی اور مسجد سرہندی تعمیر کرائیں اور ان میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کے قیام کا انتظام حجروں کی صورت میں کیا، اس عہد میں دلّی کے اندر دو بڑی علمی درس گاہیں تھیں۔

ایک مدرسہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (پرانے قلعے کے سامنے) جس میں شاہ صاحبؒ کے صاحب زادے تعلیم دیتے تھے اور دوسرا پنج کوئیاں روڈ پر سید حسن رسول نما علیہ الرحمہ کا مدرسہ۔

سید صاحبؒ دہلی میں اس وقت آئے جب دلّی ابھی دارالخلافہ نہیں بنی تھی۔ اس دلّی میں آکر آپ نے ایک دینی مدرسہ قایم کیا۔ سید صاحب بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ کی قناعت پسندی اور غربت کا یہ حال تھا کہ دن کو دہلی کے محلوں سے طلبا کے لیے چندہ، کھانا اور کپڑے جمع کرتے اور رات کو دوسرے اساتذہ کے ساتھ مدرسے میں تعلیم دیتے۔

ظاہر ہے کہ ان مدرسوں کے مقابلے میں شاہ جہانی مدرسوں کے اندر تعلیم و تدریس کا کوئی انتظام اور اہتمام نہیں ہوسکتا تھا۔

شاہ عبدالحق صاحبؒ کا مدرسہ عہد اکبری سے قایم تھا اور اس کی شہرت دور دور تھی۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی جدید مدرسہ کیسے ترقی کرسکتا تھا؟

شاہ جہانی دور کے بعد عہد عالم گیری میں سب سے بڑا مدرسہ شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کا مدرسہ رحیمیہ تھا۔ مدرسہ رحیمیہ کے ساتھ ہی ایک بڑی درس گاہ اجمیری

گیٹ پر مولانا شاہ فخر الدین اورنگ آبادیؒ کی تھی۔ غالباً یہ درس گاہ مدرسہ غازی الدین اجمیری گیٹ تھی۔ اس مدرسے پر تصوف کا رنگ غالب تھا۔ یہ مدرسہ شروع میں ایک مذہبی مدرسہ تھا جس میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد مولانا رشید الدینؒ اور مولانا مملوک العلی صاحبؒ پڑھاتے تھے۔ پھر بعد میں انگریزوں نے اسے اینگلو عربک کالج بنادیا۔ اسی مدرسے نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور سر سید جیسے اکابر پیدا کیے۔

مدرسۂ عالیہ عربیہ، بناء ۱۶۵۰ء:

مدرسۂ عالیہ عربیہ کی بنا مسجد فتح پوری کی بنا کے ساتھ ہی قایم ہوئی۔ سر سید نے مسجد کے ساتھ ۶۹ حجروں کی تعمیر برائے قیام طلبا تحریر کی ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ طلبہ کے لیے قیام کا اتنا بڑا انتظام ہوتا اور مسجد میں تعلیم کا سلسلہ شروع نہ ہوتا، یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ سر سید کی تحقیق صرف عمارت تک ہی رہی ہے، اس لیے انھوں نے مدرسے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

مدرسہ فتح پوری کا پہلا تفصیلی جائزہ:

مدرسہ فتح پوری کا پہلا تفصیلی تعارف ۱۹۱۴ء میں سید احمد علی صاحبؒ ولی اللّٰہی کے ذریعے ہوا۔ سید احمد علی صاحبؒ (سید ظہیر الدینؒ) شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے نواسوں میں سے تھے۔ سید صاحبؒ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے یادگار دہلی کتاب میں مسجد فتح پوری کی عمارت کے ساتھ اس میں قایم دینی مدرسے کو بھی توجہ کے ساتھ دیکھا۔

سر سید نے آثار الصنادید ۱۸۴۷ء میں تحریر کی اور اس میں صرف دلّی کی عمارتوں کا تعارف کرایا۔

مولوی بشیر الدین صاحب نے بھی واقعات دار الحکومت دہلی ۱۹۱۹ء اسی موضوع

پر لکھی اور فتح پوری کی عمارتی کیفیت پر پوری توجہ دی اور اس میں قایم مدرسے کو صرف قرآن شریف کا ایک مدرسہ لکھا۔

سید احمد علیؒ نے اس مدرسے کا جو تعارف کرایا وہ حسب ذیل ہے:

''اس مسجد میں مدرسۂ عربی قایم ہے، جس میں چار مدرس عربی کے، ایک مدرس فارسی کا اور ایک مدرس قرآن شریف کا — کل چھ مدرس ملازم ہیں۔ مسجد کی کل آمدنی ۵۰۷ رپے ہے۔ اس میں سے سو رپے مسجد پر اور دو سو پچاس رپے مدرسے پر خرچ ہوتے ہیں۔ باقی رپیہ بچ رہتا ہے۔ کمیٹی کے تمام ممبران امانت دار ہیں۔ مگر میرے نزدیک ایک ایسے عالم دین کے مہتمم ہونے کی ضرورت ہے جو دینی تعلیم کا دل دادہ اور زمانے کی ضروریات پر نظر رکھنے والا ہو۔'' (صفحہ ۱۵۶)

سید صاحب کی یہ رپورٹ بتا رہی ہے کہ ۱۹۱۴ء میں مدرسہ فتح پوری کی جو کیفیت تھی وہ ترقی کرتے کرتے وقوع میں آئی تھی اور یہ تعلیم گاہ عرصۂ دراز سے قایم تھی۔

غدر کے بعد ضبطی:

سر سید مرحوم کی تحریر کے مطابق غدر ۱۸۵۷ء کے بعد مسجد فتح پوری کی دکانیں ضبط کر لی گئیں۔ یہ دکانیں وہی تھیں جو مسجد کے حجروں میں اور اس کے کچے صحن میں بنالی گئی تھیں۔ پھر دلی کے با اثر مسلمانوں کے مطالبے پر فتح پوری کی یہ جائیداد واپس کر دی گئی اور سرکار برطانیہ نے مسجد کے انتظام و انصرام کے لیے ایک دس نفری کمیٹی دلی کے باحیثیت مسلمانوں پر مشتمل بنادی۔

اس کمیٹی میں حکیم اجمل خاں صاحبؒ، حاجی محمد اسحاق صاحبؒ سوداگر صدر بازار، نواب فیض احمد خاں صاحبؒ اور مولانا انوار الحق صاحبؒ وغیرہ شامل تھے۔

خاں بہادر مولوی بشیر الدین کی تحریر (واقعات دارالحکومت دہلی ۱۹۱۹ء) کے مطابق اصل مسجد کے علاوہ جو دالان اور دکانیں آج موجود ہیں وہ اس کمیٹی کے اہتمام

میں بنائی گئیں اور تمام فرش پر سنگِ سرخ بچھایا گیا اور قرآن کریم کا مدرسہ قایم کیا گیا۔
ان دالانوں کی تعمیر کا سن ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء ہے۔
اسی جدید تعمیر کے وقت قدیم ۶۹ حجروں کو وسیع کر کے موجودہ ۴۰ حجرے اور اس کے آگے برآمدہ تعمیر کرایا گیا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ:

مسجد فتح پوری میں مدرسۂ عربیہ کی حیثیت ایک دینی علمی ادارے کی بھی تھی اور یہ مدرسہ مجاہدین حریت کا مرکز بھی رہا۔ چناں چہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو ان کے شیخ نے دیوبند سے دلّی میں مامور کیا کہ ہندوستان کی راج دھانی میں حریت و آزادی کے تحریک کا مرکز قایم ہو۔ چناں چہ مسجد فتح پوری کے شمالی دالان کے اوپر والے ایک کمرے میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قایم ہوا اور اس میں مولانا سندھیؒ نے ولی اللّٰہی فکر کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر کا درس شروع کیا۔ یہ ۱۹۲۱ء کے آس پاس کا واقعہ ہے۔

مسجد کی منتظمہ کمیٹی میں حکیم اجمل خاں صاحبؒ کی حیثیت ایک مرکزی منتظم کی تھی اور حکیم صاحبؒ تحریک حریت کے قائدین میں نمایاں مقام کے مالک تھے۔ اس تعلق سے مولانا سندھیؒ کو مسجد کا بالائی کمرہ (بہ جانب کھاری باولی) دیا گیا اور حکیم صاحبؒ نے اس ادارے کی سرپرستی فرمائی۔

مولانا سندھیؒ کو ریشمی رومال تحریک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے برطانوی حکومت نے گرفتار کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ مولاناؒ روپوش ہو گئے اور ان کی جگہ ان کے داماد مولانا احمد علی لاہوریؒ نے تفسیر کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر انھیں بھی گرفتار کر کے لاہور لے جایا گیا۔ ان کے بعد یہ ادارہ قایم نہ رہ سکا۔ البتہ مدرسے کے اساتذہ نے شہر کی مختلف مساجد میں عوامی درس کا سلسلہ ولی اللّٰہی پروگرام کے مطابق جاری رکھا۔

تحریک کے دور میں مدرسہ عربیہ کے شیخ الحدیث مولانا احمد علی صاحبؒ تھے جو

بغاوت کے جرم میں گرفتار کیے گئے۔

دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی اور تحریکی مشن سے مدرسہ فتح پوری کا گہرا تعلق رہا اور اس تعلق کے سبب اس مدرسے میں درس حدیث وتفسیر کے لیے شیخ الہندؒ کے بڑے شاگردوں میں سے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ مقرر ہو کر مسند حدیث کو رونق بخشتے رہے۔

مدرسہ عالیہ فتح پوری کے مہتمم صاحبان:

مسجد فتح پوری کی پہلی کمیٹی کے بعد جو منتظمہ کمیٹی سرکاری طور پر بنائی گئی اس میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، خاں بہادر حاجی رشید احمد صاحبؒ بندوق والے، پیر جی عبدالصمد صاحبؒ وغیرہ شامل تھے۔

اس کمیٹی کی طرف سے مدرسے کے انتظام کے لیے جو مہتمم مقرر کیے جاتے رہے ان میں مفتی صاحبؒ، پیر جی صاحبؒ اور حاجی صاحبؒ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ناچیز کا مدرسہ عالیہ سے تعلق:

اس ناکارہ (اخلاق حسین قاسمی) نے ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں مدرسہ ہذا سے تعلیمی تعلق قایم کیا۔ پہلے چند سال میں قرآن کریم حفظ کیا اور پھر ۶ سال عربی نصاب درس نظامیہ جلالین وہدایہ تک پڑھا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند چلا گیا۔

میرے دور میں مولانا سلطان محمود صاحبؒ گجراتی (پنجاب) صدر مدرس تھے۔

مولانا شریف اللہ سرحدیؒ نائب صدر اور دیگر نامور اساتذہ حسب ذیل تھے:

مولانا ولایت احمد سنبھلیؒ، مولانا اشفاق الرحمٰن صاحبؒ کاندھلوی، مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ، مولانا فخر الحسن صاحبؒ۔ جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔

مولانا اشفاق الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا شریف اللہ صاحبؒ سے مولانا ابواعلیٰ مودودی صاحبؒ نے بالترتیب احادیث نبوی اور معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ اس وقت مودودی صاحبؒ اخبار الجمعیۃ کے ایڈیٹر تھے۔

درجۂ حفظ و تجوید میں قاری حامد حسین صاحبؒ، قاری فضل الدین صاحبؒ، قاری انوارالحق صاحبؒ دیوبندی کام کر رہے تھے۔

منشی فاضل اور مولوی فاضل کی کلاسوں میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادیؒ، مولانا محبوب الٰہی صاحبؒ متعین تھے۔

خوش نویسی اور فارسی کے استاد مولانا ناصر خلیق صاحبؒ ابن خواجہ ناصر نذیر فراقؒ ابن خواجہ میر درد دہلویؒ تھے۔

ناصر خلیق صاحب کی سفارش کرتے ہوئے کمیٹی کے ممبر نواب عزیز احمد صاحب نے فرمایا کہ ان کے والد بھی اس مدرسے میں خدمت انجام دے چکے ہیں اور یہ خود بھی اس مدرسے کے طالب علم رہ چکے ہیں اس لیے ان کا تقرر ہونا چاہیے۔ چناں چہ یہ تقرر منظور ہوا۔

۱۹۴۷ء کے بعد:

۱۹۴۷ء کے ہنگامے نے مدرسۂ عالیہ کے سینئر اساتذہ کو منتشر کر دیا اور مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ کرت پوری کو سنی مجلس اوقاف کے ناظر عباسی صاحب نے صدر مدرس کے عہدے پر فائز کر دیا۔

قاضی صاحب مرحوم نے ۳۵ سال کے قریب مدرسے کی کامیابی کے ساتھ خدمت انجام دی اور اچھے اچھے لائق استادوں کو مدرسے میں مقرر کیا۔

قاضی صاحبؒ نے فارسی کی تمام درسی کتابوں، دیوان حافظ اور مثنوی مولانا رومؒ کے پرانے اردو تراجم کو سہل اور صاف کر کے نہایت عمدہ معیار کے مطابق اپنے مکتبہ سب رنگ، کتاب گھر سے شائع کیا۔ فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ تاتارخانیہ کے نئے

تحقیق وتنقیح کے بعد شایع کیے۔

اس تحقیقی کام میں قاضی صاحب کو حکومت ہند کا مالی تعاون حاصل ہوا اور صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے فارسی کی قابلیت پر قاضی صاحب کو اعزازی سند عطا ہوئی۔

قاضی صاحبؒ کے دور میں مولانا قاری محمد میاں صاحب جو اب امام شاہی عیدگاہ ہیں۔ مولانا عبدالغفار صاحب، مولانا عبدالدائم جلالیؒ، مولانا ممتاز صاحب ناظم، مولانا عبدالسمیع صاحبؒ، قاضی نصراللہ جیسے قابل اساتذہ مقرر ہوئے۔

اس کے بعد سنی مجلس اوقاف دلّی وقف بورڈ بن گیا اور بورڈ نے مدرسے کے خصوصی انتظام کے لیے ایک تعلیمی سب کمیٹی مقرر کر دی۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی چیئر مین شپ کے دور میں مولانا احمد سعید صاحبؒ دینی امور کمیٹی کے چیئر مین رہے اور اس حیثیت سے مولانا نے مدرسے پر اپنی خاص توجہ رکھی۔

تعلیمی کمیٹی میں دہلی کے بڑے بڑے باثر علما اور عمائدین مثلاً مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، مولانا سید محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیت علماے ہند، مولانا شاہ زید ابوالحسن صاحب فاروقیؒ، حاجی محمد فاروق صاحب آئل کلاتھ والے، مولانا فقیہ الدین صاحب اور دیگر حضرات شامل ہوتے رہے۔

موجودہ مہتمم اور دیگر اساتذہ:

موجودہ وقف بورڈ نے مدرسے کی قدیم روایت کے مطابق اس ناچیز (اخلاق حسین قاسمی) کو مدرسے کا مہتمم مقرر کر دیا۔

مدرسۂ عالیہ کا بڑا حصہ قدیم درس نظامی کے شعبے پر مشتمل ہے جس کے صدر مدرس مولانا عبدالغفار صاحب ہیں۔ حدیث وتفسیر کے بڑے اساتذہ میں مولانا سید محمد میاں صاحب اور مولانا عبدالکریم صاحب ہیں۔

درس نظامی کے کل اساتذہ کی تعداد نو ہے۔ ان کے علاوہ عربی ادب، منطق، و قدیم فلسفہ کے قابل اساتذہ کام کر رہے ہیں اور ابتدائی دینی درجات (پرائمری

کلاسیں) ہیں جن میں چار استاد کام کرتے ہیں۔ ایک درجہ حفظ وقرات کا ہے جو ایک قابل استاد کی سرپرستی میں قایم ہے۔ شعبہ افتا کی ذمہ داری مولانا مفتی محمد حنیف صاحب قریشی انجام دے رہے ہیں۔

دلّی کے اس قدیم دینی ادارے کو ترقی دینے اور اس سے استفادہ حاصل کرنے کی ذمے داری دلّی کے مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ عاید ہوتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

اخلاق حسین قاسمی
مہتمم مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی
۳ر ستمبر ۱۹۹۷ء

باب(۳۰)

دلّی کی خوش نویس برادری

"دلی کی برادریاں" میں دہلی کے خوش نویسوں کا تذکرہ نہیں تھا۔ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ مصنف علام مدظلہم نے کتاب میں مزید اضافہ فرمایا لیکن کاتبوں کا ذکر رہ گیا۔جب کہ دہلی میں خطاطی کو اپنے زمانے میں بڑا عروج ہوا اور نامور خطاط پیدا ہوئے۔اس لیے کتاب کے تیسرے اور پاکستانی دوسرے ایڈیشن میں اس کا اضافہ (کوشش کی گئی ہے کہ) مصنف محترم دامت برکاتہم کے طرز پر کیا گیا ہے۔تنویر احمد شریفی

.....☆.....☆.....☆.....

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی پہلی وحی میں فرمایا کہ

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ O الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ O (۹۶:۱تا۵)	پڑھیے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔بنایا آدمی کو جمے ہوئے خون سے۔پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔جس نے علم سکھایا قلم سے۔علم سکھایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔

علم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور بہت بڑا ذریعہ قلم ہے۔اس لیے قلم سے انسان نے خوش نما لکھائی شروع کی۔مؤرخین لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے نبی ابوالبشر سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوش خطی کے اصول وضع کیے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھنے پڑھنے کا اتنا رواج نہ تھا،اسی لیے غزوۂ بدر کے مشرک قیدیوں کی رہائی کے لیے ایک شق مسلمانوں نے یہ رکھی تھی کہ

جو فدیہ دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکتے وہ ہمارے (مسلمان) بچوں کو لکھا پڑھنا سکھا دیں اور رہائی حاصل کر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اس قلم کا بھی ادب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ قلم کو پیر لگانا جائز نہیں ہے۔

زمانۂ نبوت میں صحابہ کرامؓ میں چند شخصیتیں خطاطی کی ماہر تھیں۔ ان میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت زید ابن ثابتؓ، حضرت اسعد ابن زُرارہؓ، حضرت منذر ابن عمرؓ اور حضرت رافع ابن مالکؓ اعلیٰ درجے کے خطاط شمار ہوتے تھے۔ نیز امّ المومنین حضرت حفصہؓ بھی اعلیٰ درجے کی خطاط تھیں۔ اس زمانے میں خط کوفی رائج تھا۔ یہ خط اور اس کے اصول وقواعد سرزمین حجاز میں کوفہ سے حرب ابن امیہ کے ذریعے پہنچے۔

حضرت ابوالاسود دولیؒ اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا شمار بھی خطاطین اسلامی میں ہوتا ہے۔

بنوعباس کے عہد میں خطاطی نے بڑی ترقی کی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ اس دور میں خطاطی کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہوئے اور قرآن کریم کی کتابت اور احادیث شریفہ کتابت کی گئیں۔ خلافتِ عثمانیہ ترکی کے زمانے میں بہت سے خطاط پیدا ہوئے اور خط ثلث کے ماہر خطا گذرے۔

خطاطی کے مختلف طریقے ہیں۔ ان میں جو سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں وہ یہ ہیں۔

خطِ نسخ: یعنی باریک لکھائی اور آسان پڑھنے میں آنے والا خط۔ قرآن کریم کی کتابت اسی لیے اس خط میں ہوتی ہے کہ پڑھنے میں آسان ہے۔ اور ہندوستان میں خط نسخ رائج ہے وہ عرب کے خطِ نسخ سے آسان ہے۔

خطِ ثلث: جلی خط کو کہتے ہیں۔ دنیا میں خطاطی کے اصول وقواعد پر تخلیق ہونے والا تیسرا خط، خطِ ثلث ہے۔ یہ بہت مشکل ہے۔ اس کے متعلق اساتذۂ فن کا خیال ہے کہ جس کو اس خط پر عبور حاصل ہو جائے وہ تمام خط بہ آسانی لکھ سکتا ہے۔

خط نستعلیق: یہ خط قدیم ترین خطوں میں ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے علاوہ ایران میں سب سے زیادہ پسندیدہ خط ہے۔ ہندو پاک میں خط نستعلیق کی جو اقسام رائج ہیں ان میں دہلوی طرز سب سے نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ لاہوری نستعلیق بھی قیام پاکستان کے بعد زیادہ معروف ہوئی۔

خط نسخ، ثلث اور نستعلیق سب سے زیادہ ہمارے ہاں رائج ہیں۔ متحدہ ہندوستان اور تقسیم کے بعد بھی انھیں عروج حاصل رہا۔ اگر چہ اس کے علاوہ کوفی، طغریٰ، شکستہ، ریحان، رقعہ، اجازہ اور دیوانی بھی خط کی قسم میں سے ہیں۔ ان کے اساتذہ بھی ہندو پاک میں موجود ہیں۔ لیکن اول الذکر تین خطوں میں ماہر خطاط دہلی میں ہوئے۔

دہلی جہاں اولیاء اللہ اور بزرگان دین کا مرکز تھا وہاں فن خطاطی کے ماہر بھی تھے۔ خود دلی کے بہت سے علما خوش نویس تھے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کا خط انتہائی صاف اور قاعدہ قانون میں تھا۔ آپ فتویٰ نویسی بھی خط نستعلیق اور نسخ میں کرتے تھے۔ آپ خطاطی میں ضیاء الدین احمد برنی مرحوم کے والد منشی محمد الدینؒ کے شاگرد تھے۔ (عظمت رفتہ۔ ص ۴۶۷)

حضرت مفتی صاحبؒ کے صاحب زادے مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن واصفؔ مرحوم شاعر تھے اور تعلیم الاسلام کا منظوم ترجمہ دروس الاسلام کے نام سے کیا ہے، ایک بہترین خطاط بھی تھے۔ اس کے لیے انھوں نے ماہر اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ ان کی خطاطی کے چند ایک شاہ کار نمونے بھی ہیں۔

استاد محمد یوسف مرحوم:

دہلی میں جو سب سے مشہور کاتب تھے (اور قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئے تھے) یہ اصلاً تو گوجراں والہ کے تھے لیکن آبا وَ اجداد کے دہلی منتقل ہونے کی وجہ سے دہلوی کہلائے۔ ان کے دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ جمنا کے ریت پر ایک ڈیڑھ فٹ کی تختی کو قلم بنا کر حروف کی مشق کرتے تھے۔ اور پھر جمنا کے پل پر جا کر اس حرف کو

دیکھتے تھے۔ اس لیے ان کی خطاطی بڑی جاذب نظر اور دہلوی طرز میں بڑی نمایاں ہے۔ یہ طرز اس دہلوی کاتب نے عہد شاہ جہانی کے مشہور خطاط عبدالرشید دیلمی کے کام کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد مزید تفردات کے ساتھ بنایا تھا۔ دہلوی طرز کے موجد اس طرح یہ عظیم شخص جسے ''محمد یوسف دہلوی'' کہتے ہیں، تھے۔ عرف عام میں انھیں استاد یوسف بھی کہا جاتا ہے۔

استاد یوسف مرحوم کے متعلق نسیم الحق عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''یوسف صاحب جب دہلی میں بلی ماران کے ایک کوٹھے پر بیٹھتے تو اس وقت کے ممتاز خطاط وہاں حاضری دیتے۔ حضرت باقی امروہوی جو نہ صرف اچھے خوش نویس تھے بلکہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے، آپ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ سب دوستوں کے مشورے سے باقی صاحب نے یوسف صاحب کے سامنے ایک تجویز رکھی کہ آج خطاطی کا مقابلہ ہوگا اور جو ہار جائے وہ سب کو بٹیر کھلائے گا۔ یوسف صاحب نے یہ شرط منظور کر لی اور سب دوست وقت معینہ پر جمنا کے کنارے پہنچ گئے۔ سب سے پہلے یوسف صاحب نے لکھنا شروع کیا اور مچھلی کے شکاری کی چھڑی سے حروف تہجی (ا، ب، ت، ج) لکھنے شروع کر دیئے۔ ابھی س ش تک ہی پہنچے تھے کہ کئی فرلانگ کا سفر طے ہوگیا۔ اس پر سب لوگوں نے کہا کہ خدا کے لیے بس کرو۔ تم جیتے اور ہم ہارے۔ لیکن یوسف صاحب کا تقاضا تھا کہ نہیں پورے حروف لکھے بغیر نہیں مانوں گا خواہ آگرے تک جانا پڑے۔ اور بڑی منت سماجت کے بعد منشی جی اپنی ضد سے باز آئے اور بعد میں فرمایا کہ اس ریت پر جو حروف میں نے لکھے ہیں اس کی تصویر جہاز کے ذریعے سے لی جائے اور تصویر میں اگر کوئی حرف فن کتابت کے اصول کے خلاف ہو تو میں خطاوار۔'' (ماہ نامہ کتابی دنیا کراچی ۱۹۹۱ء بہ حوالہ تذکرۂ خطاطین، ص ۸۵)

استاذ یوسف مرحوم نے دہلی کی سرکاری عمارتوں، راشٹر پتی بھون، پارلیمنٹ

بلڈنگ، انڈیا گیٹ، سیکریٹریٹ میں خطاطی کے جو ہر رقم کیے۔ انگریز چیف انجینئر جو یوسف صاحب کا مداح تھا، اس کا تبادلہ ہوگیا دوسرا چیف انجینئر آیا وہ استاد کے مزاج کو سمجھ نہ سکا❶ آپ کو ناگواری ہوئی، آپ کام چھوڑ کر آگئے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ لیکن استاد یوسف پھر نہیں گئے۔ یہی وجہ ہے کہ راشٹر پتی بھون میں جو کام ادھورا چھوڑا تھا اس کو کوئی خطاط قلم ملا کر پورا نہیں کرسکا اور آج تک اسی طرح ادھورا ہے۔ تقسیم ہند کے وقت جو حالات پیش آئے اس سے مرحوم کو بہت تکلیف آخر وقت تک رہی۔ بڑا احساس دل رکھتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد ارباب اختیار کی نظریں خطاطی کے لیے استاد یوسف مرحوم پر گئیں، لیکن وہ اس وقت دہلی ہی میں مقیم تھے۔ وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خاں نے سفارتی ذرائع سے استاد یوسف کو پیغام بھجوایا لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین (مرحوم۔ صدر ہند) نے استاذ یوسف مرحوم سے پاکستانی سکوں، ایک، پانچ، دس کے نوٹوں کی تزئین اور خطاطی کرائی۔ پچاس اور سو کے نوٹوں کا کام باقی تھا کہ ۱۹۵۲ء میں آپ کے بھتیجے جناب علاء الدین خالد صاحب ان کو دہلی سے کراچی لے آئے۔ یہاں سکوں اور نوٹوں کا بقیہ کام بابائے اردو مولوی عبدالحق کے اصرار پر مکمل کیا۔

ہندوستان میں استاذ یوسف مرحوم کی یادگار سرکاری عمارتوں کی خطاطی کے علاوہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی جامع مسجد پر کتبہ، رسالہ شمع دہلی، رسالہ ساقی دہلی اور ندوۃ

---

❶ سرکاری افسران و ملازمین میں یہ جراثیم موجود ہوتے ہیں کہ اوپر والے کو خوش کرنے کے لیے خشوع و خضوع کے ساتھ ایسے ایسے احکامات دیتے ہیں کہ جس کا نہ کوئی سر ہوتا ہے نہ پیر۔ حکومتِ پاکستان ایک زمانے میں عرب دنیا کے نوٹ اپنے پریس میں چھاپ کر بھیجتی تھی اور اس کی کتابت منشی عبدالمجید دہلوی مرحوم کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سرکاری پریس کا ڈائریکٹر تبدیل ہوا تو اس نے دیکھا کہ یہ کاتب تو سستے زمانے میں سیکڑوں رُپے کتابت کے لیتا ہے تو بازاری کاتب سے لکھوا کر نوٹ چھاپ کر بھیج دیا۔ جس ملک کا نوٹ تھا اس نے واپس کردیا کہ اس کی کتابت وہ نہیں ہے جو ہمارے اور نوٹوں پر ہے۔ (شریفی)

المصنفین کا رسالہ برہان کی الواح، کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار دہلی کا بورڈ عظیم شاہ کار ہیں۔

پاکستان میں برنس روڈ پر ''شفیق الدین گھڑی ساز'' کا بورڈ (اب نہیں۔ وہ مٹوا کر دوسرا لکھوا لیا۔ بڑے ہی ناقدردان معلوم ہوتے ہیں) صدر میں چودھری فرزند علی قلفی مرچنٹ، بولٹن مارکیٹ میں جوبلی کلاتھ ہاؤس کا بورڈ، اردو بازار میں ''قرآن محل'' کے لیے دیوار پر خطاطی اور ''اردو اکیڈمی سندھ'' کا سائن بورڈ، ہمارے ادارے مکتبہ رشیدیہ کا بورڈ، لاہور میں ''ہمدرد دواخانہ'' کا بورڈ آج بھی اس عظیم خطاط کے یادگار ہیں۔

۲۰ ربیع الاول ۱۳۹۷/۱۱ مارچ ۱۹۷۷ء کو بندر روڈ (کراچی) کراس کرتے ہوئے ایک کار نے ٹکر ماری اور یہ حادثہ جان لیوا ثابت ہوا۔

مرحوم بعض اوقات ایسی بات کر جاتے تھے جس سے دینی ذہن رکھنے والے کو تکلیف ہوتی تھی اور بعضوں کا خیال ہے کہ دہریوں کا جیسا دماغ تھا۔ واللہ اعلم!

منشی عبدالمجید دہلوی مرحوم:

دہلوی طرز نستعلیق کے ماہر استاذ یوسف کے شاگرد منشی عبدالمجید دہلوی مرحوم، اصلاً فیض آباد یوپی کے تھے۔ بچپن میں ہی خطاطی سیکھنے کا شوق دہلی لے آیا اور ''دہلوی'' نام کا لاحقہ بن گیا۔ بڑی عرق ریزی سے خطاطی کی مشق کرتے تھے اور آپ کی خطاطی کی دور دور شہرت ہوئی۔ اکابرین دہلی مثلاً حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن دہلوی عثمانی، ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم اور خواجہ حسن نظامی سے آپ کے ذاتی مراسم تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء ہی میں آپ دہلی سے کراچی آ گئے۔ کتابت کے فن کے اعلیٰ ماہر تھے۔ ایک حرف پنسل سے لکھتے اور پھر مٹاتے اور اسے دیکھتے رہتے۔ کئی دفعہ لکھنے اور مٹنے کے مراحل طے کرنے کے بعد جب خود مطمئن ہوتے تو ہفتوں

قلم چلاتے تھے۔

ہمدرد کے روح رواں شہید پاکستان حافظ حکیم محمد سعیدؒ نے منشی عبدالمجید کی خطاطی کو ہمدرد کے تمام مصنوعات کی زینت بنایا وہ آپ کے بڑے قدرداں تھے۔ لیکن اب ہمدرد کے نگران جو اس شاہی فن سے ناواقف ہیں وہ منشی صاحب کی کتابت اب خراب کر رہے ہیں جس کی وجہ حرفوں نشستیں آپ کی خطاطی کے فن پارے ہندوپاک میں بہت سی جگہ ہیں۔ جامع مسجد دہلی، مزارِ محمد علی جناح، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قبروں کے کتبے، کئی ناشرین، دینی بک ڈپو دہلی، ندوۃ المصنفین دہلی، مجلس نشریات اسلام، نور محمد کتب خانہ، مکتبہ رشیدیہ کراچی، قدیمی کتب خانہ وغیرہ کے ٹائٹل بڑے خوب صورت انداز میں لکھے ہیں۔

راقم الحروف ایک مرتبہ اپنے جدامجد حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم کے ساتھ منشی صاحب کے گھر ''ایوانِ قلم'' گیا تھا۔ حضرت قاری صاحب کی تصنیف ''تذکرۃ الانبیاء اور تذکرہ خاتم الانبیاء'' کے سرورق کے سلسلے میں۔ موصوف نے دو سرورق تین مہینے میں لکھے تھے۔ مجھے بھی اپنے بزرگوں کی دعا سے کتابت سے شدبد ہے۔ تذکرۃ الانبیاء کا سرورق جب لکھا تو میں نے ایک جگہ ان کی خطاطی میں اعتراض کیا۔ صاحب فن تھے اس لیے موصوف نے برا نھیں مانا۔ جب تذکرہ خاتم الانبیاء کا سرورق لکھ کر دیا تو فرمانے لگے کہ میں نے بچے کی وجہ سے اس ٹائیٹل میں زیادہ محنت کی ہے۔ اس لیے کہ اس کی واقفیتِ قواعد وضوابط خطاطی میں تازہ ہے، کہیں اعتراض نہ کردے۔

۶ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ/ ۱۷ر فروری ۱۹۹۴ء کو انتقال ہوا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ صرف اپنا فن سکھانے میں انتہائی کنجوس تھے۔ اس لیے کوئی خاص شاگرد پیدا نہیں کیے۔ ان کے ایک شاگرد پیر جی امتیاز مرحوم تھے۔ لیکن حرفوں میں ان کی نشست اور طرز منشی جی والا نہیں تھا۔ لیکن ایک خوبی ان میں یہ تھی کہ لکھ کر جس کو دیتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ فنی غلطی ہو تو بتا دینا۔ دوسرے شاگرد منشی محمد

یوسف صاحب ہیں۔عبدالمجید صاحبؒ کی خدمت میں دس پندرہ سال رہے،لیکن منشی صاحب نے ان کو وہ نہیں سکھایا جس کے وہ خدمت کی وجہ سے حق دار تھے۔

استاذ محمد خلیق ٹونکیؒ:

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے خطاط اعظم تھے۔تقسیم کے بعد دہلی میں فن خطاطی کے فروغ اور بقا کے لیے بنیادی کردار ادا کیا۔ٹونک کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں جمعیت علمائے ہند نے خوش نویسی کے کاموں کی انجام دہی کے لیے دہلی بلالیا اور آخر عمر تک وہیں رہے۔جن اداروں کے لیے آپ نے کام کیا ان میں دارالعلوم دیوبند کا شعبہ نشرواشاعت، ندوۃ المصنفین دہلی، غالب اکیڈمی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ شامل ہیں۔آپ کی کتابت کردہ کتب یہ ہے۔تفسیر کشف الرحمٰن از مولانا احمد سعید دہلویؒ۔اس میں قرآنی عربی اور ترجمہ وتفسیر (انتہائی باریک قلم سے) بڑی محنت و جان فشانی سے کتابت کی ہے۔ یہ پہلے دینی بک ڈپو دہلی نے اور پاکستان میں مکتبۂ رشیدیہ کراچی نے شایع کی تھی۔ کراچی ایڈیشن اب جدید کتابت میں ہے۔قصص القرآن چار جلدیں از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔مصباح اللغات از مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ۔

۱۹۸۴ء میں وزیراعظم ہند اندرا گاندھی نے آپ کو''غالب ایوارڈ'' اور''نادر رقم'' کا خطاب دیا۔سعودی عرب سے آپ کو شاہ فہد کی طرف سے''سلطان القلم'' کا خطاب ملا۔۱۶رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ/ ۲۵رجون ۱۹۹۴ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔

اب دہلی اعلیٰ خطاطوں سے خالی ہوگئی۔

منشی محمد یامین مرصع رقم دہلویؒ:

مرحوم بڑے اللہ والے کاتب تھے۔منشی عبدالغنی صاحب دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ وہ ایک واسطے سے بہادر شاہ ظفر مرحوم کے شاگرد تھے۔مرحوم کے اساتذہ میں استاذ یوسف بھی تھے۔جلی نستعلیق ان ہی سے سیکھی تھے۔چودہ قرآن کریم (مکمل) کتابت

کیے ہیں۔ جن میں شفیق پریس، شیخ شوکت علی، ادارۃ القرآن، تاج کمپنی جیسے مشہور ادارے کے طبع شدہ قرآن کریم بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کے پندرہ پارے، کسی کے ایک دو سپارے وہ الگ ہیں۔ مولانا عبدالقہار اہلِ حدیث عالم ہیں۔ انھوں نے اپنا ترجمہ اور قرآن کریم لکھنے کے لیے دیا۔ پندرہ پارے لکھے، اس کے بعد مولانا نے کوئی اعتراض کیا تو منشی صاحب نے باقی پارے نہیں لکھے۔ اور وہ قرآن کریم منشی محمد فاروق صاحب نے پورا کیا۔ مساجد کے در و دیوار اور محرابوں پر قرآن کریم کی آیات جہاں کندہ ہیں ان میں چیف منسٹر ہاؤس کراچی کی مسجد، جامع مسجد نیوٹاؤن کا صدر دروازہ، جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی کے باہر دیواروں پر کتبے، کراچی کے علاقے رام سوامی میں مسجد طٰہٰ نمایاں ہیں۔

مرحوم کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ کتابت بغیر وضو کے نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ شادی کارڈ بھی لکھنا ہوتا تھا تو اس کے لیے وضو کرتے تھے۔ راقم الحروف جب ان سے استفادے کے لیے جاتا تھا اس وقت ایسا بارہا دیکھا کہ لکھتے لکھتے قلم رکھا، چشمہ اتارا، ٹوپی اتاری اور آستینیں چڑھا کر مسجد کی طرف چل دیے۔ تھوڑی دیر میں وضو کر کے آئے اور دوبارہ لکھنا شروع کر دیا۔

بڑے بڑے اکابر علما اور خطاط آپ کی دکان (مسجد الستار کی دکانوں میں) پر آتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت قاری شریف احمد صاحب مدظلہم، مولانا اسفندریار خان، مولانا عبدالقہار (اہل حدیث عالم)، قاری رضاء المصطفیٰ بریلوی بھی آتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قاری رضاء المصطفیٰ، مولانا احمد رضا خان کا قرآن کریم لائے اور کہا کہ اس کی کتابت کر دیں اور فی صفحہ اس سستے دور میں دو سو روپے دینے کو کہا۔ استاذ صاحبؒ فرمانے لگے کہ میں نے ان سے کہا کہ تین دن بعد بتاؤں گا۔ انھوں نے اپنے ایک بزرگ سے مشورہ کیا تو ان بزرگ نے کہا کہ اگر آپ اپنے رزق میں بے برکتی چاہتے ہیں تو کر لیں۔ استاذ صاحب مرحوم نے رضاء المصطفیٰ صاحب کو یہی کہہ کر منع کر دیا کہ اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ اس ترجمہ اور تفسیر میں تحریف

بھی ہے، اس لیے میں اس کی کتابت نہیں کرسکتا۔ کاتبوں میں سے حضرت نفیس رقم مدظلہم، منشی عبدالمجید دہلویؒ اور تہذیب رضوی صاحب بھی ان کے پاس آتے تھے۔

حضرت قاری شریف احمد مدظلہم کے متعلق فرماتے تھے کہ اللہ کا کرنا دیکھو کہ قاری صاحب خوش نویسی کے اصول سے واقفیت اور خوش خط ہونے کے باوجود ہم جیسے کاتبوں سے کتابت کراتے ہیں۔ اگر خود ہی تصنیف کر کے خود ہی کتابت کرتے اور خود ہی شایع کر دیتے تو ہمیں اس کی سعادت نہ ملتی کہ ان کی کتابوں کی کتابت کرتے اور ٹائٹل بناتے۔

حضرت قاری صاحب بھی خوش نویس ہیں۔ اپنے طالب علمی کے زمانے میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے جب بخاری شریف پڑھی تھی تو اس وقت فضل الباری کے نام سے مولانا کی تقریر قط والے قلم سے لکھی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب نے اپنی پہلی تصنیف ''معلم الدین'' کا سرورق منشی عبدالمجید دہلوی مرحوم سے لکھوایا۔ انھوں نے معلم کا میم ٹیڑھا کر دیا تو اس پر منشی صاحب کو ان فنی غلطی بتائی۔ منشی صاحب نے صحیح کی لیکن پھر بھی اس میں کسر رہ گئی۔ منشی صاحب، قاری صاحب کی کتابت کے قواعد پر عبور کی وجہ سے بہت متاثر ہوئے اور ایک مونوگرام قاری صاحب کے نام کا بنا کر دیا۔

ایک دفعہ استاذ منشی محمد یامین صاحبؒ فرمانے لگے کہ میں قاضی زین العابدین دہلوی کے پاس گیا۔ (موصوف حضرت مرصع رقم کے سمدھی ہوتے تھے) بریلوی مشرب و مسلک کے عالم تھے، لیکن درس کے لیے بیان القرآن کا مطالعہ کر رہے تھے۔ استاذ صاحب نے ان سے کہا کہ قاضی صاحب آپ بھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں؟ قاضی صاحب نے کہا کہ کیا کریں ہمارے مولویوں کی کتابوں میں علم کہاں ہے؟

راقم الحروف کو یہ سعادت حاصل ہے کہ خطاطی میں حضرت مرصع رقم دہلوی کی شاگردی نصیب ہوئی۔ ڈیڑھ سال کے عرصے میں ان سے خطاطی کا فن سیکھا۔ اس کے بعد کبھی کبھی جانچنے کے لیے کوئی کام بھی دیا کرتے تھے۔

جب میں نے ان سے سیکھا تو کسی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ نے انھیں خطاطی سکھادی، اب اپنے ہاں کی کتابیں اور ٹائٹل خود ہی لکھا کریں گے۔آپ کے پاس کام نہیں آئے گا۔

جواب میں جو بات استاذ صاحبؒ نے کہی اس میں سخاوت کے ساتھ ساتھ توکل بھی تھا۔فرمانے لگے کہ میں نے کبھی کسی کو سکھاتے وقت یہ نہیں سوچا کہ میرا کیا ہوگا۔رزق دینے والا اللہ رب العزت ہے۔وہی دیتا ہے اور دے گا۔

مصنف کتاب حضرت مولانا سید اخلاق حسین صاحب مدظلہم کی ایک مرتبہ استاذ صاحب مرحوم سے ہمارے یہاں ملاقات ہوئی تو کافی دیر دلّی کی یادیں دونوں کی زبان پر تھیں۔موصوف کا ۱۹۹۴ء میں انتقال ہوا۔اللہ غریق رحمت کرے۔آمین

کراچی میں دہلی کے ایک کاتب اور آرٹسٹ محمد رضی دہلوی بھی تھے۔یہ سید الطاف علی بریلوی کے بھائی تھے۔

گلہ شکوہ!

خطاطوں سے کراچی بھی خالی ہوگیا۔کراچی میں اچھے خطاطوں میں مشہور کاتب جناب عبدالرؤف صاحب رہ گئے اور گم نامی میں منشی محمد فاروق صاحب (تلمیذ مولوی اشتیاق احمد دیوبندیؒ) اور جناب سید دل شاد حسین کاظمی صاحب جو منشی شفاعت صاحب مرحوم کے شاگرد ہیں۔

اس کی زیادہ تر وجہ کمپیوٹر کی نحوست ہے (اگرچہ یہ کتاب بھی کمپیوٹر طباعت پر ہے، لیکن سچی بات یہی ہے) اور ایک زمانہ آئے گا کہ کمپیوٹر فیل ہوگا۔لیکن اس وقت کاتب نہیں ہوں گے۔اس لیے مدارس عربیہ کے ارباب اختیار اس کو اپنے لیے لازم کرلیں کہ اعلیٰ درجے کے طلبہ کو فن خطاطی سکھائیں تو شاید مستقبل میں مسئلہ حل ہوجائے۔اور اس طرح دارالعلوم دیوبند کی تقلید بھی ہوجائے گی۔

(۲۲؍مئی ۲۰۰۳ء)

باب(۳۱)

مکاتیبِ اخلاق

مصنف کتاب ''دلّی کی برادریاں'' حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے مکاتیب جو میرے جدِ امجد حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم کے نام ہیں، ان کو اس باب میں جمع کیا جارہا ہے۔ تاکہ یہ مکاتیب محفوظ ہوجائیں۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے چند مکاتیبِ گرامی راقم کے نام بھی ہیں، انھیں بھی آخر میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر شایع کیا جارہا ہے۔

(تنویر احمد شریفی)

مکتوب نمبر ۱:

گرامی قدر قاری صاحب.............. سلام مسنون

حافظ شکیل احمد صاحب نے آپ کا گرامی نامہ پہنچایا، آپ کے سعادت مند شاگرد سے مل کر خوشی ہوئی۔ آپ کی برکات سے سارا پاکستان مالا مال ہورہا ہے، مبارک ہو۔ آپ کو خدا تعالیٰ اپنے کلام کی خدمت کے لیے تادیر سلامت رکھے۔ آمین

دینی بک ڈپو والوں سے بات کرنا فضول ہے، دونوں ملکوں کے درمیان کتابوں کی طباعت بالکل آزاد ہے، کوئی قانونی پابندی نہیں۔ انھیں توجہ دلانا کہ فلاں صاحب آپ کی کتابیں چھاپ رہے ہیں کوئی سودمند بات نہیں۔ یہاں بھی دھڑا دھڑ پاکستانی رسایل، کتب، ڈائجسٹ کی کاپی کرکے آفسیٹ پر چھاپا جارہا ہے۔

آپ اس کی فکر میں نہ پڑیں، آپ کا لڑکا کام کررہا ہے اسے آزادی سے کرنے دیں۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ کے سلسلے میں میرا کام ان شاء اللہ جلد مکمل ہو جائے گا اور اس کی ایک قسط میں ارسال خدمت کروں گا، پاکستان والے اس مسئلے کو دو ملکوں کے درمیان وقار کا مسئلہ بنا رہے ہیں، اسی لیے اس مسئلے پر کسی اخبار نے دو لفظ بھی نہیں لکھے۔ میں کتابی شکل میں بہت جلد آپ کو وہ تمام اغلاط و الحاق بھیجوں گا جو شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں موجود ہے اور پاکستانی تاج کمپنی نے اسے بعینہٖ شائع کر دیا ہے۔

باقی خیریت ہے، دعاؤں کا طالب ہوں۔

اخلاق حسین قاسمی

۱۵؍جنوری ۱۹۷۰ء

مکتوب نمبر ۲:

مکرمی قاری صاحب..............سلام مسنون

مزاج عالی!

آپ کے شاگرد سے ملاقات ہوئی، کتابیں ملیں، خوشی ہوئی، شکریہ!

تفسیر حقانی دیوبند میں چھپا ہے، ایک صاحب سے کہہ دیا ہے وہ لا دیں گے تو شاگرد صاحب کے ذریعے بھیجوں گا، اپنے صاحب زادے صاحب کی خدمت میں دعا و پیار پہنچایئے، محاسن موضح قرآن (مکمل) کا ایک نسخہ بھیجوں گا، دیکھ کر اپنے تاثرات لکھیے گا۔

میرے بھتیجے صاحب دلّی آئے ہوئے ہیں، ان کے ہاتھ بھی کچھ کتابیں بھیج رہا ہوں۔

باقی خیریت ہے۔

اخلاق حسین قاسمی

۱۸؍اپریل ۱۹۷۸ء

مکتوب نمبر ۳:

گرامی قدر حضرت قاری صاحب............سلام مسنون

امید ہے کہ مزاج گرامی بہ خیریت ہوں گے۔

راقم نے عزیزم ہمایوں کے ہاتھ جو مسودات بھیجے تھے ان کے وصول ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی، براہِ کرم مطلع کریں۔

کراچی کا قیام نہایت مختصر رہا، دل چاہتا تھا کہ آپ کے ساتھ کچھ وقت گذاروں دل کی بھڑاس نکالوں، کچھ کہوں، کچھ سنوں۔ لیکن افسوس! ایسا نہ ہوسکا۔

اب پورے ایک مہینے کے لیے کراچی آؤں گا، سب سے ملوں گا، آپ سے بھی جی کھول کر بات کروں گا۔

اخلاقِ رسول کی کتابت کہاں تک پہنچی؟

رشید صاحب اور اپنے لاڈلے پوتے کو بھی پیار۔

اخلاق حسین قاسمی

۲۶/اپریل ۱۹۸۲ء

مکتوب نمبر ۴:

مکرم بندہ قاری صاحب..............سلام مسنون

مزاج گرامی!

امید ہے کہ اخلاقِ رسول طباعت کی منزل سے گذر چکی ہوگی۔ مجھے تو اس کا انتظار ہی رہا۔

میں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمۂ قرآن پر مکمل تنقید کی ہے، یہ کام آج تک نہیں ہوسکا تھا اور رضا خانیت پر بھرپور حملے کے لیے اس پر کام کرنے کی سخت ضرورت تھی۔

رابطۂ عالم اسلامی کے فیصلے کے بعد اور اس کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔

یہ کتاب تقریباً سوڈیڑھ صفحات پر مشتمل ہوگی، چند قسطیں ارسال ہیں۔
کیا آپ اس کی طباعت کا انتظام کرسکیں گے؟ جواب کا انتظار رہے گا۔

اخلاق حسین قاسمی

۵؍فروری ۱۹۸۳ء

مکتوب نمبر۵:

محترم حضرت قاری صاحب.............سلام مسنون

اخلاقِ رسول کے تین نسخے نظر نواز ہوئے۔

بڑی خوشی ہوئی — کتابت دو قسم کی ہے بعض صفحات اچھے ہیں اور بعض نہایت گھٹیا ہیں۔ اگر ایک ہی کاتب کا قلم ہے تو عبرت ہے، ساری کتاب کا یہی حال ہے، آخر کاتب کس قسم کا ہے؟

کچھ دنوں اچھا لکھتا ہے اور کچھ دنوں خراب — بہرحال کتاب چھپ گئی۔ ایک اغلاط نامہ ارسال ہے، اسے سامنے رکھ کر تصحیح کرا دیجیے۔ بعض اغلاط سے مطلب ہی خبط ہوگیا ہے۔

ان شاء اللہ یہ ایڈیشن جلدی نکل جائے گا، آیندہ تمام کتاب کی دوبارہ کتابت ضروری نہیں، جو صفحات خراب ہیں ان کی تبدیلی کافی ہوگی۔

وفات النبی بہت اچھی چھپی ہے۔ اس میں ایک غلطی بہت نمایاں ہے اسے ٹھیک کرادیں۔

صفحہ ۱۶ سطر ۱۲ پر — وہی ایک عبدہ — ہے عہدہ غلط ہے۔

طالب دعا

اخلاق حسین قاسمی

۲۴؍فروری ۱۹۸۳ء

مکتوب نمبر ۶:

گرامی قدر قاری صاحب............سلام مسنون

آپ ❶ سے ملاقات نہ ہوسکی، سخت احساس ہوا، معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔

ٹھیک کیا، آب و ہوا تبدیل ہونی ضروری تھی، اب آپ سال میں دو چار مہینے پنجاب میں ضرور گذارا کریں۔

میں ۱۹/ مارچ کو لاہور پہنچوں گا اور آپ بھی اس وقت تک لاہور آ چکے ہوں گے۔ میری واپسی ۲۲/ کو پی آئی اے سے ہوگی۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اجتماعات بھی انھی تاریخوں میں ہیں اب آپ سے ملاقات کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟ آپ مجھے فون کردیں تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔

مخلص

اخلاق حسین قاسمی

از کراچی

۱۵/ مارچ ۱۹۹۰ء

مکتوب نمبر ۷:

محترم قاری شریف احمد صاحب..............سلام مسنون

آپ کا محبت نامہ اور میاں تنویر کا نوازش نامہ ملا، کتاب بھی ملی۔ شکریہ

مدرسے کے لیے دوسرا مکان بھی حاصل کرلیا گیا، بڑی خوشی ہوئی۔

میاں تنویر سے کہیے کہ میں ۷/ نومبر کو لاہور پہنچوں گا۔ ان شاء اللہ!

ان کا مرتبہ تذکرہ وہیں بیٹھ کر دیکھ لوں گا، ان کے قلم کی ماشاء اللہ خوب دھوم

❶ ان دنوں حضرت قاری صاحب مدظلہٗ لاہور کے دورے پر تھے اور مولانا موصوف نے یہ خط جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ فیروز مینشن کراچی سے لکھا۔ اور بعد میں لاہور دستی بھیجا گیا۔ (شریفی)

ہے۔

میرے لیے مدرسے کے ایک کونے میں تکیہ بستر کا انتظام رکھیں۔

باقی خیریت ہے۔

اخلاق حسین قاسمی

۸رنومبر

مکتوب نمبر ۸:

گرامی قدر قاری صاحب..............سلام مسنون

عرصے سے گرامی نامہ موصول نہیں ہوا، یہاں الحمدللہ خیریت ہے۔

کشف الرحمان کا کام کس منزل میں ہے؟ بڑا کام ہے، خدا تعالیٰ پورا کرا دے۔

مستند موضح قرآن الحمدللہ ایچ ایم سعید کمپنی نے طبع کرادیا ہے، آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔

باقی طالب دعا ہوں۔

میاں رشید احمد کے صاحب زادے (نام بھول گیا) ان شاء اللہ بہ خیر ہوں گے۔

مولانا سلمان صاحب کو میرا بہت بہت سلام پہنچا دیں اور دعا کی درخواست کریں۔

اخلاق حسین قاسمی

۱۲راپریل

مکتوب نمبر ۹:

گرامی قدر قاری صاحب..............سلام مسنون

میاں تنویر صاحب کا خط ملا تھا۔

مدرسے کی توسیع پر مبارک باد قبول فرمایئے۔ ویزا کی ناقابلِ تصور پریشانیوں نے ملاقات کو تقریباً ناممکن بنادیا ہے۔

دعا کا طالب ہوں۔

اخلاق

۳ر اپریل ۱۹۹۷ء

مکتوب نمبر ۱۰:

محترمی حضرت قاری صاحب............سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ بڑی خوشی ہوئی۔

خدا تعالیٰ آپ کی آنکھوں میں روشنی پیدا کردے گا، یہ مرض دفع ہوگا، ان شاء اللہ۔ ان آنکھوں نے صحیفۂ جمال الٰہی کی زیارت میں اپنی ساری زندگی گذاردی ہے۔

''دلّی کی برادریاں'' میاں تنویر احمد چھاپ سکتے ہیں۔ ایک نسخہ کچھ اضافوں کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ چند صفحات کتابت کرا کر بڑھا دیجیے گا، پوری کتاب بہت عمدہ ہے، کتابت کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

چند فٹ نوٹ تحریر کیے ہیں، انھیں بھی باریک قلم سے کتابت کرا کر شامل کردیں۔

مدرسۂ عالیہ فتح پوری کے تعارف کو بھی شامل کتاب کرادیں۔

طالب دعا ہوں، جو زبان ہر وقت کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتی ہے اس پر جاری ہونے والی دعا اجابت سے محروم نہیں ہوسکتی۔

عزیز و اقارب کورنگی میں سخت ابتلا سے گذر رہے ہیں، لیکن اس قابل نہیں رہا کہ کراچی آسکوں، صرف دعا کر رہا ہوں۔

الحمدللہ، موضح قرآن چھپ گیا، بڑی محنت بہ توفیق الٰہی کی گئی تھی وہ قبول ہوگئی۔

کشف الرحمان بھی ان شاء اللہ چھپ جائے گی، صفحات کی ضخامت دو ہزار

صفحات ہوگئی، دوجلدیں بنیں گی۔اے کاش! ایک ہی جلد ہوتی۔
تمام احباب کو سلام مسنون، شاہ جہاں پوری صاحب ثم السندھی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔
بعض اہم مضامین ہمراہ ہیں۔ ان کی کتابت کر کے آخر میں شامل کر دیں، کتاب کی تاریخی اہمیت بڑھ جائے گی۔
احقر کا تعارفی صفحہ بہت مدھم ہوگیا ہے، اسے دو صفحوں پر کتابت کرا کر شامل کر دیں۔

اخلاق حسین قاسمی

۱۰ر اکتوبر

مکتوب نمبر ۱۱:

گرامی قدر حضرت قاری صاحب قبلہ دامت برکاتہم

سلام مسنون

امید ہے کہ پوتے کا صدمہ اب کم ہوگیا ہوگا، میاں رشید کے لیے بھی اور دوسرے اعزا کے لیے بھی۔
خدا تعالیٰ مرحوم کی بیوہ اور بچوں کی کفالت کا غیبی سامان کرے۔ یہ عاجز پانچ مہینہ تکلیف میں رہ کر بہ فضل خدا بستر سے کھڑا ہوگیا ہے، دعا کیجیے کہ اگر اس نے کھڑا کیا ہے تو وہ اتنی طاقت بھی عطا کر دے کہ دین کے کاموں کو انجام دیتا رہوں۔
کئی کئی گھنٹے بولنے والا اب پندرہ بیس منٹ بھی بہ مشکل تقریر کر سکتا ہے، گھنٹوں بیٹھ کر لکھنے والا اب چند منٹ میں تھک جاتا ہے۔
بہ ہر حال تابکے؟
اپنی زندگی میں اپنا تعارف چھاپ دیا ہے۔ وہ خوش نصیب ہیں جو اپنے بعد اپنے کام کو چلانے والے چھوڑ جائیں۔ خدا تعالیٰ ہی سر و سامان کرے گا کہ اس ناچیز

کی محنت (تفسیروں کے تحقیقی مضامین) کو ضایع ہونے سے بچائے۔ پیٹ کاٹ کر جو کچھ چھاپ سکا وہ چھاپ دیا۔

باقی میاں تنویر احمد شریفی کے لیے دعا کرتا ہوں۔

اخلاق حسین قاسمی

۵/مئی ۲۰۰۵ء

.....❀.....❀.....❀.....

مکتوب اول:

میاں تنویر صاحب.............سلام مسنون

تمہارا محبت نامہ ملا، یادفرمائی کا شکریہ!

میں نے تمھیں ایک خط ڈالا تھا، دستی تھا، لیکن پاکستان کا ڈاک ٹکٹ لگا دیا تھا، معلوم ہوا کہ وہ خط تمھیں نہیں ملا، کتب خانے کے پتے پر تھا، ہوسکتا ہے کہ میاں رشید صاحب کو ملا ہو؟

تکلیف آپ کو یہ دینی تھی کہ میں اس دفعہ کچھ دن مدرسے میں قیام کرنا چاہتا ہوں، ایک مولانا صاحب میرے ساتھ ہوں گے، موضح قرآن کے تصحیح شدہ مسودے پر نظر ثانی کرنی ہے، پچھلے سال کراچی کے حالات خراب تھے، کام کو ادھورا چھوڑ کر جلدی چلا آیا تھا، اس سال خدا کے بھروسے پر اسے پورا کرنا ہے۔ محمد یٰسین صاحب کا مکان تیسری منزل پر ہے، اب چڑھنا اترنا مشکل ہوگیا۔

جنوری کے آخر میں ان شاء اللہ چلوں گا، لاہور پہنچ کر تمھیں اطلاع دوں گا۔

کراچی آکر قبلہ قاری صاحب سے انٹرویو لے کر کچھ لکھ سکوں گا، ذہن میں کچھ مدھم سے حالات ہیں، ان شاء اللہ تمہارا کام اچھا ہو جائے گا۔ تم اتنے عرصے میں اپنی تحریر مکمل کرلو، میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔ الجمعیۃ اخبار کے متعلق دفتر سے معلوم کر کے

بتاؤں گا۔

قبلہ قاری صاحب سے سلام عرض کرنا، یہ خط بھی دستی بھیج رہا ہوں، خدا کرے مل جائے، میاں رشید صاحب کی خدمت میں بھی سلام مسنون۔

طالب دعا

اخلاق حسین قاسمی

۹ر دسمبر ۱۹۹۰ء

مکتوب دوم:

محترم میاں تنویر صاحب.............. سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ باعث مسرت ہوا۔

میں فوٹو اسٹیٹ مسودے کا انتظار کروں گا، سنا ہے کہ آپ بہت اچھا لکھنے لگے ہیں۔ اپنے دادا ابا کی خدمت میں سلام مسنون۔ ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ کرنا، والدین حج سے فارغ ہو کر آئیں تو انھیں مبارک باد پیش کرنا۔

ان شاء اللہ اگست میں ملاقات کروں گا۔ کسی نہ کسی طرح تمہارے پاس دو چار دن ضرور گذاروں گا۔ خدا تعالیٰ خدمت کتاب اللہ کے اس سلسلے کو تا قیامت قایم رکھے۔

دادا ابا سے دعا کی درخواست۔

اخلاق

۹ر جولائی ۱۹۹۱ء

مکتوب سوم:

محبی میاں تنویر صاحب...... سلامت رہو........ سلام مسنون

تمہارا بیش قیمت تحفہ تذکرۃ الشریف تین ماہ کے بعد موصول ہوا، تمہارے پرچہ

پر ۱۰/۲۳ کی تاریخ تحریر ہے، اس دوران میں میں نے حضرت قاری صاحب کے نام کئی دستی پرچے بھیجے، کشف الرحمان جلد اول کا شکریہ ادا کیا، لیکن تم نے محسوس نہیں کیا کہ ان پرچوں میں ''تذکرہ'' کا کوئی ذکر نہیں؟

بہ ہر حال یہ بھی قاصد صاحب کی بڑی مہربانی ہے کہ انھوں نے پہنچا دیا، بہت کامیاب جامع اور معلوماتی نمبر ہے، مبارک باد قبول کرو۔

ایک عنوان (مرقع محبوبیت) نے تو حد ہی کردی۔ میرا خیال تھا کہ اس پیکر محبوبیت کا صرف یہی ایک ناچیز شاہد رہ گیا ہے؟ لیکن اس عنوان سے معلوم ہوا کہ نہیں، میرا ایک رقیب موجود ہے۔ اکبر الہ آبادیؒ بڑے شوخ شاعر تھے، کوئی صاحب برا نہ مانیں، ان کا ایک شعر رقیب پر بڑا پیارا ہے۔ کہتے ہیں ؎

کہا جب غیر کو کیوں تو نے اے گل رو پھنسایا ہے
تو بولا دل لگی کے واسطے اُلو پھنسایا ہے

لیکن امیر مینائی نے بڑی سنجیدہ بات کہی ہے ؎

رقیبوں سے وہ خوش، رقیب ان سے راضی
برا کہہ کے میں کیوں ہوں دشمن کسی کا

میاں تنویر! اپنے دادا پیارے کے ساتھ تمہاری محبت کو دیکھ کر مجھے رشک ہو رہا ہے، دلّی ہوتی تو میں تمھیں اُچک لیتا۔ دلّی کے اُچکے بہت مشہور تھے، بڑے بڑے نخرے باز اور مغرور گل روحسینوں کے دل آنکھیں ملاتے ہی اُچک لیتے تھے۔

مرزا غالب کی نکتہ آفرینی کا کیا جواب ہو سکتا ہے، وہ شرکت غیر کو کس درجے عشق صادق کے خلاف سمجھتا ہے، کہتا ہے ؎

ہم رشک کو بھی اپنے گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں و ے ان کی تمنا نہیں کرتے

غالب کا مذاق بلند تھا۔

اچھا تنویر! تم نے ''دلّی کی برادریوں'' کو چھاپ لیا، آج تو شوال ختم ہونے کے

قریب ہے۔

تم نے یہ کام عجیب کیا کہ اس میں متعلقہ ممتاز حضرات کی تصویریں شامل کر دیں، یہ ایک ایسا شرعی گناہ ہے جو موجودہ مادی دور کی ایک اہم ضرورت بن گیا ہے۔ تاریخ کے لیے تصویر لازمی ہوگئی ہے، تصویر کے بغیر تاریخ افسانہ معلوم ہوتی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے خیالی تصویر بھی ممنوع ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی تاریخی حقیقت بن چکے ہیں جو عینی مشاہدے کے طور پر دنیا کے سامنے ہے۔ نظری نہیں، عملی حقیقت!

لیکن کیا تم نے اپنے دادا پیارے کی تصویر بھی شامل کی یا نہیں؟ یہ دیکھنے ہی سے معلوم ہوگا۔

تنویر! اس وقت اتفاق سے فرصت نصیب ہوگئی، اسی فرصت میں یہ خط لکھ رہا ہوں اور میری آنکھوں کے سامنے ماضی کی یادگار تاریخ دور، حسین یادیں گھوم رہی ہیں اور میر تقی میر کو جو اپنے مطلوب کی یاد میں حضور قلب حاصل ہوتا تھا اس کیفیت کی ایک لہر اس وقت کام کر رہی ہے ؎

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لیکن تنویر! تم میری ان باتوں پر ہنسو گے اور کہو گے ؎

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

بلا شبہ قاری پیارے اور ان کا یہ نیاز مند بڑھاپے کی منزل سے گذر رہے ہیں اور خوش ہیں کہ

ضعیفی کو دعائیں دے دلا، خوش ہو بڑھاپے سے
کہ مالک بندگانِ پیر کو آزاد کرتے ہیں

ہم دونوں بڑھاپے اور وسایل سے محرومی کے دور میں ہیں، نہ جانا آسان اور نہ

آنا سہل۔ غالب کا جذبۂ دل کہاں سے لایا جائے ؂

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

غالب نے عشق کی شوخی مگر گستاخی کا اظہار کیا، لیکن حکیم مومن خاں نے غالب کا تعاقب کیا اور کہا ؂

جذبِ دل زور آزمانا چھوڑ دے
پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

مومن خاں عشق کے تقاضے کا اظہار کر رہے ہیں جس میں رضاء بالقضاء کے سوا دوسری کوئی راہ نہیں۔

استاد داغ نے اس مسئلے پر محاکمہ کیا ہے اور غالب پر بڑا لطیف عاشقانہ طنز کیا ہے۔ کہتے ہیں ؂

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغؔ
بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی؟

تنویر! تم نے میری پیدائش کی تاریخ ۲۵ عیسوی لکھ دی ہے، لیکن میں نے تحقیق کے بعد اس کی تصحیح کر دی ہے، میرا سنِ پیدائش ۲۱ ہے۔

حضرت قاری صاحب کا سن ولادت ۱۴ لکھا ہوا نظر سے گذرا، میرے لیے تو یہ بات حیرت کی ہے، کیا قاری صاحب مجھ سے ۷ سال بڑے ہیں؟ (آج وہ مجھ سے ضرور مکمل بڑے ہیں) میں ماضی میں گھوم رہا ہوں، اس وقت کے دیکھنے والے کہتے تھے کہ یہ ہم عمر جوڑا بڑا اچھا لگتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دو سال قاری صاحب مجھ سے بڑے ہوں، لیکن اتنے نہیں۔

قاری صاحب سے پوچھ کر لکھنا کہ اس وقت ان کی عمر کتنی ہے؟ میں نے تو بہت کھینچ تان کے اپنی موجودہ عمر ۸۰/۸۱ سال قرار دی ہے۔

تنویر! تم نے اس کتاب کے آخر میں میرا تعارف کرایا، شکریہ! اور مزید شکریہ کہ تم

نے میرے ان مضامین و مقالات کا تعارف کرایا جو خود میرے علم میں نہیں! کمال کردیا۔

میں نے علمائے دیوبند کی تفسیری خدمات کا ایک نسخہ بھیجا تھا، خدا جانے ملا یا نہیں۔ اب دوسرا حصہ بھی شایع ہوگیا ہے، یہ دونوں حصے کسی ذمے دار آدمی کے ہاتھ بھیجوں گا۔ ان شاء اللہ! آج کل میں اپنے تفسیری مقالات بصائرالقرآن کے مسودات درست کررہا ہوں پہلا حصہ عقائد پر شایع ہوگیا ہے، دوسرا حصہ اسلام کے ''اجتماعی مسائل قرآن میں'' اشاعت کے لیے بے چین ہے۔

تنویر! کسی آنے والے کے ہاتھ بیس پچیس رُپے کے پاکستانی ڈاک ٹکٹ بھیج دینا، لفافے والے۔ لفافوں پر لگانے کے۔ شکریہ

طالب دعا ہوں، بے وسایل ہوں، مخلصین کی دعاؤں کے سہارے چل رہا ہوں۔ اچھا خدا حافظ

اخلاق حسین قاسمی

۱۵ر جنوری

موصول دلی: ۱۰ر جولائی ۲۰۰۱ء

مکتوب چہارم:

میاں تنویر...............سلام مسنون

سیدھی آنکھ کا آپریشن کرایا ہے، معذوری کی حالت میں محض اٹکل سے یہ سطر لکھ رہا ہوں۔

دونوں کتابوں کا شکریہ، خوب سے خوب تر کتابیں ہوں۔

برادریوں کی تصحیح میں بڑی کمی کی گئی، شاید جلدی کی وجہ سے۔ تصاویر میں کمال کردیا، ایک کتاب جدید ارسال ہے۔

حضرت قاری صاحب سے دعا کی درخواست۔ ان کا فوٹو دیکھا، امید نہیں تھی

اور کہ اتنے بوڑھے ہو جائیں گے؟ آخر وقت تک جوان رہیں گے، یہ امید تھی۔

والسلام
اخلاق حسین قاسمی

۳۰؍جون ۲۰۰۱ء

مکتوب پنجم:

میاں تنویر صاحب...............سلام مسنون

فوائد الفواد کے آخر میں یہ مضمون شامل کر دیا جائے۔ میں نے بصائر القرآن کا ایک نسخہ ایک صاحب کے ہاتھ دبئی سے بھیجا ہے۔

اس کی اطلاع اور اس مضمون کی اطلاع بہ ذریعہ ڈاک ضرور دیں۔

اخلاق

۱۲؍مارچ ۲۰۰۲ء

مکتوب ششم:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میاں تنویر احمد صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ...............السلام علیکم

آپ کا محبت نامہ حرم پاک سے موصول ہوا۔

اس محبت کا شکریہ، یہ بشارت نامہ ہے، جو محبت خدا تعالیٰ نے آپ کے دل میں میری طرف سے القا کی ہے وہ توجہ فرمائی ہے گرامی قدر حضرت قاری شریف احمد صاحب زید مجدہم کی۔

مجھے کیا خبر تھی کہ حضرت قاری صاحب کو میرے تمام رفقا اور اعزا کے اندر وہ خصوصیت عطا کی جائے گی کہ ان کا پوتا میرا نام زندہ رکھنے کی دور افتادہ ملک میں ایسی مخلصانہ کوشش کرے گا۔

میرے تفسیری مضامین کا مجموعہ بصائر القرآن کتب خانہ رشیدیہ میں ایک صاحب دبئی سے پہنچا کر گئے ہوں گے۔ان شاءاللہ!

آپ حرم پاک گئے ہوئے تھے، کتاب اگر مل گئی ہو تو مجھے مطلع کریں۔ ہندو پاک میں ڈاک کا سلسلہ جاری ہے۔

بعض مضامین کی ترتیب میں فرق پڑ گیا ہے، آپ اسے درست کرادیں۔ بصائر القرآن کا تیسرا حصہ زیر ترتیب ہے، وہ بھی چھپ جائے گا تو ارسال کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے میرا یہ فکر وغم دور کردیا کہ میری کاوش کا نتیجہ (میرے مضامین) کہیں ضایع نہ ہوں۔

میری اولاد اور پھر ہندوستان میں اس کام کی اہل نہیں، بڑا لڑکا ڈاکٹر شریف حسین قاسمی پروفیسر فارسی شعبہ دلی یونی ورسٹی کی لائن دوسری ہے، میں نے اپنی آدھی کتابیں حکیم عبدالحمید صاحب مرحوم کی قایم کردہ لائبریری تعلق آباد میں منتقل کردی ہیں، باقی کے لیے بھی یہی تاکید کر جاؤں گا تاکہ کتابیں کباڑیے کے پاس نہ جائیں، جس طرح مولانا احمد سعید صاحب اور مفتی عتیق الرحمان صاحب کی کتابوں کا حشر ہوا ہے۔

مطبوعہ کتابیں علما اور طلبا میں خود میں تقسیم کرتا رہتا ہوں، تجارت کی کوئی صورت نہیں اور نہ میں ادھر توجہ دیتا ہوں۔

اپنی توجہ مطالعۂ تفسیر اور مضامین کی ترتیب پر مبذول رکھتا ہوں، طباعت کے لیے غیب سے سروسامان ہوتا ہے اور پاکستان میں خدا تعالیٰ نے آپ کو اس خدمت قرآن پر مقرر کردیا ہے۔

عمر کے اس پختہ دور میں میرے جو مضامین وجود میں آئے ہیں ان کی طباعت کا اور حفاظت کا انتظام زیادہ ضروری ہے۔

اب ایک دو سال سے عمر کا انحطاط بڑھ گیا ہے اور تصنیف کا کام بہت سست نہ ہونے برابر رہ گیا ہے۔

ساتھیوں میں زندگی اور صحت جو تھوڑی بہت حاصل ہے وہ صرف بزرگان ولی اللّٰہی کی قرآنی خدمت کے لیے بارگاہ حق سے عطا کی گئی ہے، تمام ساتھی سوائے حضرت قاری صاحب (ادام اللہ عمرہٗ وصحۃٗ) جنت نشین ہو چکے۔

خاص کر دلّی قحط الرجال میں گرفتار ہے، علمی ادارے شخصیت سازی کی جگہ اپنے وجود کی بقا میں مصروف ہیں، ہر جماعت وادارہ بااثر افراد سے خالی ہوتا جارہا ہے۔

جمعیت علما صرف مولانا اسعد میاں کا نام ہے، وہ بھی معذور ہو چکے ہیں، کرسی پر چلائے جاتے ہیں۔

زوالِ عام کے اس دور میں اس کم ترین کی علمی کاوش کی حفاظت آپ کے ہاتھوں خداوند عالم کا بڑا انعام ہے۔

دینی کتابوں کے نام سے صرف تبلیغی قسم کی کتابیں چلتی ہیں، تحقیقی اور علمی کتابوں کی کوئی کھپت نہیں۔

بہ ہر حال فوائد الفواد کی طباعت کی خوش خبری بڑی اہم ہے۔ تصحیح پر توجہ دی جائے۔ فوائد پر مولانا شاہ جہان پوری کا پیش لفظ شامل کر دیں اور موصوف کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچا دیں۔

حضرت شیخ محبوب الٰہیؒ کے چند مواعظ خلیق نظامی مرحوم نے مرتب کر کے شائع کیے تھے، میں نے ان مواعظ کو مزید وضاحت کے ساتھ ترتیب دیا ہے، وہ مواعظ و افادات آپ اس کتاب میں شامل کر دیں، آپ تک پہنچانے کی کوشش کروں گا، حضرت قاری صاحب سے دعا کی درخواست ہے۔

دلّی کی برادریاں دلّی کے ادبی رسائل نے بڑے اہتمام سے قسط وار شائع کی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں طلبا کو باری باری مطالعے کے لیے دی جاتی ہیں، فوٹو نے کشش پیدا کر دی ہے۔

ایک اہم تصحیح، صفحہ ۳۷ پر سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۹) لکھی گئی ہے، اس کی اصل آل عمران کی آیت (۱۶۴) لکھی جائے، وہی آیت شیخ کے لیے دلیل ہے، جو سورۂ بقرہ

کی آیت لکھی گئی۔

میری صحت کے لیے تم نے جو الفاظ تحریر کیے ہیں میرے لیے وہ تعویذ کی حیثیت رکھتے ہیں، طواف کی بشارت پر دلی دعائیں قبول کرو۔

عاجز
اخلاق حسین قاسمی
۱۲؍ مارچ ۲۰۰۲ء

مکتوب ہفتم:

میاں تنویر احمد صاحب سلمۂ.............. السلام علیکم

عرصہ ہوا کہ آپ کا ایک دستی پرچہ حرم پاک سے موصول ہوا تھا، اس کے بعد میں نے کسی ذریعے سے کچھ کتابیں (بصائر القرآنؒ) بھیجی، لیکن آپ کی طرف سے وصولی کا کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ مجھے امید ہے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ اور دیگر اعزا بہ خیر ہوں گے۔ آمد و رفت بہت محدود ہے، اس لیے خط و کتابت بھی کم ہی ہو رہی ہے، سرکاری ڈاک سے خطوط اور کتابیں آرہی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ بہ ذریعہ ڈاک اپنی اور حضرت قاری صاحب کی خیریت سے مجھے آگاہ کریں گے۔ آپ فوائد الفواد چھاپنے کی اور میری مضامین چھاپنے کی تیاری کر رہے تھے، کیا ہوا؟

زندگی تیز رفتاری سے بھاگ رہی ہے
خدا تعالیٰ انجام بہ خیر کرے، سالماً، صحیحاً مسلماً

آمین
اخلاق حسین قاسمی
۱۰؍ نومبر ۲۰۰۳

مکتوب ہشتم:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میاں مولانا قاری تنویر احمد صاحب

نبیرہ

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب

سلام مسنون

عرصے سے کوئی خیر نہ خبر!

اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت کی دعا ہے آپ کے لیے، آپ کے دادا محترم کے لیے۔

خدا کرے یہ خط اور کتاب آپ کو مل جائے جواب دینے کی زحمت نہ کریں۔ صرف اپنی دعاؤں میں اور دادا صاحب محترم اپنی دعاؤں میں اس ناچیز کو یاد رکھیں۔ مولانا شاہ جہان پوری صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔

اخلاق حسین قاسمی

۲۳ر دسمبر ۲۰۰۴ء

پاکستانی ایڈیشن کی نمایاں خصوصیت

دلّی کی برادریاں

کا

حصۂ تصاویر

مع

تصویر کے متعلق امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا علمی فتویٰ

مرتب

حافظ تنویر احمد شریفی

ناشر

مکتبہ رشیدیہ

اردو بازار کراچی۔ فون: ۲۷۶۷۲۳۲

پس منظر:

"دلّی کی برادریاں" کا حصۂ تصاویر

اس کتاب میں جن مشہور و معروف شخصیات کا ذکر ہے، کوشش کی گئی ہے کہ ان کی تصاویر جمع کی جائیں۔ اس کے علاوہ کچھ تاریخی مقامات کی تصویریں بھی شامل اشاعت کی جارہی ہیں۔ اس کے لیے کافی محنت کرنی پڑی۔ اس کتاب کا پہلا پاکستانی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگیا اور پھر دوسرے ایڈیشن میں تصاویر پر نظر ثانی کر کے کچھ کم اور اکثر اضافہ کیا گیا۔ اس کتاب کے پہلے پاکستانی ایڈیشن کے بہت سے ناقدین سامنے آئے۔ دارالعلوم کورنگی کے اساتذۂ کرام نے تصاویر پر اعتراض کیا اور ... میں آ کر دم یہاں ٹوٹا کہ اندرا گاندھی کی تصویر نہ لگائی جاتی۔ لیکن تمام مدارس میں واحد دارالعلوم کورنگی ہے جہاں کی لائبریری میں یہ کتاب فروخت کی گئی۔

مولانا سعید احمد جلال پوری المحترم مدظلہٗ نے ایک دن دفتر ختم نبوت میں میرے گال تھپ تھپاتے ہوئے فرمایا کہ ہم حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے نسبت رکھتے ہیں، اس لیے اس کتاب میں تصاویر نہیں ہونی چاہئیں۔ لیکن لطف یہ کہ ناقدین نے ہی کتاب ہاتھوں ہاتھ لی۔ راقم یہاں مصنف کتاب مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی حفظہ اللہ تعالیٰ کے ایک گرامی نامہ (جو راقم کے نام ہے) سے ایک دل چسپ اقتباس پیش کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"تم نے یہ کام عجیب کیا کہ اس میں متعلقہ ممتاز حضرات کی تصویریں شامل کردیں۔ یہ ایک ایسا شرعی گناہ ہے جو موجودہ مادی دور کی ایک اہم ضرورت بن گیا ہے۔ تاریخ کے لیے تصویر سازی لازمی ہوگئی ہے۔ تصویر کے بغیر تاریخ افسانہ معلوم ہوتی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے خیالی تصویر بھی ممنوع ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی تاریخی حقیقت بن چکے ہیں جو عینی مشاہدے کے طور پر دنیا کے سامنے ہے۔ نظری نہیں، عملی حقیقت۔''

ایک دوسرے گرامی نامے میں فرماتے ہیں کہ

''تصاویر کی وجہ سے یہ کتاب دارالعلوم دیوبند میں بہت مقبول ہوئی اور طلبا کو باری باری دی جاتی ہے۔''

تصویر کے متعلق امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد قدس سرہٗ کا فتویٰ یہ ہے۔ اس کے متعلق ششماہی نقطۂ نظر اسلام آباد کے تبصرہ نگار کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ فتویٰ ممانعت کا ہے۔ حالاں کہ یہ جواز میں ہے۔

مولانا آزادؒ کا فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جی فی اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

والا نامہ پہنچا۔ تاخیر کے لیے خواست گار معافی! آپ نے جواز، عدم جواز فوٹو کی نسبت دریافت فرمایا ہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ سردست چند اشارات پر اکتفا فرمایئے اور ان شاء اللہ آپ کے لیے اشارات ہی مطلوب!

یہ کہنا ضروری نہیں کہ ہر امر و نہی شرعی کسی نہ کسی علت پر مبنی، اور بنیاد کار جلب مصالح و دفع مفاسد۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بذاتہٖ مضر و مفسد، اور کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ گو بذاتہٖ نہیں، مگر مفاسد کے لیے مقدمات و وسائل کا کام دیتی ہیں۔ شارع کا فرض ہے کہ وہ جس طرح مفاسد کو روکے اسی طرح مقدمات و وسائل کو بھی روکے کہ کسی نہ کسی وقت مفاسد تک مُنجر ہوں گی۔ فقہا نے اسی لیے محرمات لغیرہٖ کی اصطلاح قایم کی ہے اور آپ کو اس کی تفصیل معلوم ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ انسان کی تباہی و ہلاکت کا اصلی مرض مفاسد کا عشق نہیں ہے، بلکہ وسائل و مقدمات کا فریب ہے۔ دنیا میں ہمیشہ مفاسد کے قیام و دوام کا ذریعہ وسائل و مقدمات ہی ہوئے ہیں۔ مفاسد صریحہ سے نفرت، خود طبیعت انسانی میں موجود ہے۔ اس لیے کوئی قوم کسی فسادِ صریح و حقیقی کو بہ اسم و شکل فساد یکایک قبول نہیں کر سکتی۔ یہ وسائل و مقدمات ہی ہیں جو بہ وجہ عدم مضرت بالفعل شایع ہو جاتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ مفاسد قطعیہ و اصلیہ تک منتج ہوتے ہیں۔ شرک و بت پرستی، قتلِ اولاد، انسانی قربانی، غلامی، جنگ و قتال بغیر حق وغیرہ تمام مفاسد و خبائث کے شیوع کی تاریخ پر غور کیجیے۔ ان سب کی ابتدا مقدمات و وسائل ہی سے ہوئی ہے۔

اسلام سے پہلے جن شرائع کا ظہور ہوا ان سب نے اپنی تمام توجہ محض مفاسد کے دفع و منع میں محدود رکھی، وسائل و مقدمات مفاسد سے چنداں تعرض نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کا عہد، ابتدائی عہد تھا اور سلسلہ ارتقائے مذہب کی وہ ابتدائی کڑیاں تھیں جو بہ تدریج حسبِ استعداد اُمم ظاہر ہوتی رہیں۔ اس وقت اقوام کی استعداد یہاں تک نہیں پہنچی تھی کہ منع وسائل کے نازک و دقیق احکام کی متحمل ہو سکیں۔ ان کی کوتاہی نظر و حداثتِ فکر کا تو یہ حال تھا کہ صریح بت پرستی سے بچنے کا صاف و واضح حکم بھی بارِ خاطر ہوتا تھا۔ مصر سے نکلتے ہی بنو اسرائیل نے فرمائش کر دی تھی:

اِجْعَلْ لَنَا اِلٰـهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ. قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ.

لیکن جب وہ وقت آ گیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.

اور اسلام کا ظہور ہوا، تو ضروری ہوا کہ آئندہ کے لیے مفاسد کا قطعی سد باب کر دیا جائے اور ان تمام سوراخوں کو بند کر دیا جائے، جہاں جہاں سے شر و فساد کو اُبھرنے کے لیے راہیں ملتی رہی ہیں۔ تمام شرائع کا اس اساس اور اصلاح عالم کی اصل بنیاد، عقیدۂ توحید خالص اور منع شرک و ماسوی اللہ پرستی ہے۔ آغاز ظہور ہدایت سے اسی کی تبلیغ ہوتی رہی اور تمام انبیاء و رسل اسی کے قیام و اعلان کے لیے آئے، لیکن اب تک جو کچھ ہوا تھا، وہ صرف اسی قدر تھا کہ شرک صریح سے روکا گیا تھا، وسائل و ذرائع شرک کے سدِ باب کا کچھ انتظام نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے تمام پیروان رسل، توحید سے آشنا ہو کر پھر دوبارہ شرک و اصنام پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ پس اسلام نے تکمیل شریعت کے کام کو یوں پورا کیا کہ پہلوں کی طرح صرف بت پرستی اور شرک صریح ہی سے نہیں روکا، بلکہ ان تمام عقائد و اعمال کو جرم و معصیت قرار دیا، جو کسی نہ کسی رنگ میں وسائل و مقدمات شرک ہو سکتے ہیں اور گو ان میں فی نفسہ کوئی مضرت نہیں ہے، لیکن وسیلہ و

مقدمۂ مضرات و مفاسد ضرور ہیں، اسلام کی حقیقت بینی نے اعمال انسانیہ کو صرف اسی نظر سے نہیں دیکھا کہ ان میں مضرت بالفعل ہے یا نہیں؟ بلکہ ہمیشہ اس پر نظر رکھی کہ وہ موصل الی الفساد تو نہیں ہیں؟ اور دنیا اپنی اصلاحِ آخروی کے لیے صرف اسی نظر کی منتظر تھی۔

جب یہ حقیقت آپ کے سامنے آ گئی تو اب آپ دیکھیں گے کہ بہت سے امور ایسے ہیں جن میں فی نفسہٖ شرک و فساد کو کوئی دخل نہیں، لیکن شارع سے ان کی نسبتِ نہی منقول ہے اور علت نہی کی یہی ہے۔ بزرگوں اور پیشواؤں کی تعظیم میں فی نفسہٖ کوئی برائی نہ تھی، لیکن یہی تعظیم مفرط ہے جو پہلوں کے لیے وسیلہ ہوئی ہے۔ لہٰذا قیامِ تعظیمی سے بھی روک دیا کہ "لَا تَقُوْمُوْا کَالْاَعَاجِمِ" بادشاہوں اور بزرگوں کے آگے زمین بوس کورنش بجالاتے تھے اور مقصود بجز احترام کے اور کچھ نہ تھا، مگر شارع نے سجدۂ تحیہ کو بھی روک دیا۔ قیس ابن سعد نے جب کہا کہ أتیت الحیرۃ فرأیتھم یسجدون طرزبان لھم، فانت احق بان یسجدلك فقال لا تفعلوا.
زیارت قبور میں فی نفسہٖ کیا مضرت ہے۔ بلکہ ذریعۂ عبرت و دفعِ غفلت۔ مگر زوارات قبور پر لعنت بھیجی اور ابتدا میں بالعموم روک دیا۔ جیسا کہ حدیث بخاری، "کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور" رسول کی محبت و طاعت، عین طاعت و محبت حق ہے اور خود قرآن ناطق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں غفلت نہ کرو تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ اور لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اور اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ اور اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ.....الخ اور حدیث عمر کہ لا یؤمن احدکم.....الخ بہ ایں ہمہ فرمایا کہ "لا تطرونی" اور حدیث انس کہ "انی لا أریدان ترفعونی فوق منزلتی، انا محمد بن عبداللہ" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سید اخلاق و امم ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اس تمام کرۂ ارضی میں بجز اس وجود کے کون ہے جس کو سیادتِ عالم پہنچتی ہو؟ بہ ایں ہمہ جب وفد بنی عامر آیا اور لوگوں نے کہا کہ "انت سیدنا" تو آپ نے فرمایا

"السید اللّٰہ" اور "قولوا قولکم اور بعض قولکم" انبیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے "فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ" اور خیر الامم اور آخر الادیان کے داعی کے افضل الرسل ہونے میں کس کو تامل ہو سکتا ہے؟ تاہم فرمایا کہ "لاتفضلونی علی یونس بن متی" .....الخ اور ان تمام باتوں سے مقصود یہی تھا کہ گو فی نفسہٖ ان امور میں کوئی فساد نہیں بلکہ بعض بہ حالت صحتِ نیت و فکر و جمع شروط، مستحسن و مامور بہ، لیکن آگے چل کر یہی چیزیں وسیلۂ شرک و فساد ہو جاتی ہیں اور پچھلی قوموں نے اسی تعظیم و مدح و اطراء کے غلو سے انبیا کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا ہے۔ اسی طرح منع حلف لغیر اللہ پر غور کیجیے کہ "لا تحلفوا ابالطداغی و لا بابائکم" کہ حدیث مسلم ہے۔ اور حدیث حذیفہ کہ "لاتقوا ماشاء اللّٰہ و شاء فلان ولکن قولو اماشاء اللّٰہ ثم شاء فلان" رای لما فیہ من التسویۃ بین اللّٰہ وبیں عبادہ" اور روایت قلیتلہ مندرجہ نسائی کہ اعتراض یہود کے بعد کعبہ کی قسم سے روکنا اور فرمانا کہ "قولوا و رب الکعبۃ" اور اسی طرح حکم "لایقولن احدکم عبدی و امتی ولکن یقول غلامی و جاریتی" .....الخ بھی اسی علت پر مبنی کہ اس قسم کی نسبتیں انسانوں کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" بنادیا کرتی ہیں۔ حدیث تبرکل بھی اس پر شاہد ہے کہ ممانعت کی بنیاد یہی علت تھی اور یہ جو مداحین کی مذمت کی اور تمدیح و توصیف سے روکا تو اس کا سبب بھی بجز اس کے کچھ نہ تھا۔

اب اصل مسئلے پر غور کیجیے۔ تصویر و تماثیل کا مسئلہ بھی دراصل اسی سلسلے میں داخل ہے۔ اسلام کے ظہور کے وقت آلات و وسائل بت پرستی و شرک میں سے ایک موثر ترین آلہ فن مصوری و تماثیل سازی بھی تھا۔ دنیا کی تمام بت پرست قوموں نے جب بت پرستی کی ابتدائی منزلوں سے ترقی کی (یعنی ان ابتدائی منزلوں سے جب کہ محض غیر مصنوع مظاہر فطرت کی پرستش کی جاتی تھی) تو یہی چیز (مصوری) آلۂ بت پرستی بنی اور جب آپ مصوری کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بت پرستی ہی کی وجہ سے یہ فن دنیا میں شائع و مقبول ہوا۔ مصوری میں ایک چیز تو خطی ہے اور

ایک تجسم و تمثل ہے۔یعنی یا تو کپڑوں اور چمڑوں پر تصویر بنائی جاتی تھی اور یا پتھر اور مٹی کے مجسمے اور بت بنائے جاتے تھے، لیکن اس عہد میں یہ دونوں طریقے صرف بت پرستی اور اس کے اقسام و وسائل کے لیے مخصوص تھے۔جس قدر تصویریں کھینچی جاتی تھیں اور مجسموں کی شکل میں بنائی جاتی تھیں۔سب کی سب یا تو ان دیوتاؤں اور اوتاروں کی ہوتی تھیں جن کی پرستش کی جاتی تھی، یا قومی پیشواؤں اور مقدس و محترم انسانوں کی جن کو مثل دیوتاؤں کے پوجا جاتا تھا۔یا کم سے کم ان کی تصویروں کو تعظیم و تکریم سے رکھنا اور دیکھنا موجب برکت و سعادت سمجھا جاتا تھا کہ یہ بھی "لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی" میں داخل ہے۔دجلہ و فرات کے کناروں کی تمام متمدن آبادیاں (بابل وغیرہ) میں فن تصویر کو بت پرستی ہی سے ترقی ہوئی۔یونان کے قدیم آثار اور ہندوستان کی زندہ بت پرستی ان سب کے اندر اس فن کا آلہ بت پرستی ہونا دیکھا جاسکتا ہے۔عیسائیوں نے حضرت مریمؑ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بت بنا کر گرجوں میں سجائے اور ان کی تصویروں کو تبرک و سعادت کے لیے اپنے گھروں کے اونچے طاقوں میں رکھا۔رومن کیتھولک چرچ اب تک یہی کر رہا ہے۔عرب جاہلیت نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا۔غرض کہ ظہورِ اسلام کے وقت فن مصوری صرف بت پرستی کا ایک آلہ تھا اور اس کے سوا اس سے اور کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

علاوہ بریں غور کیجیے تو فن مصوری ویسے بھی بہ ہر حال وسیلۂ اصنام پرستی ہے۔انسان کو قدرتی طور پر خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اپنے بزرگوں اور محبوبوں سے جدا ہونے کے بعد ان کی تصویروں کے نظارے سے اپنے جی کو تسلی دے۔پھر رفتہ رفتہ اس میں تبرک و تقدس کا خیال شامل ہوجاتا ہے۔تبرک و تقدس کا اعتقاد پرستش تک پہنچتا ہے۔اور اس کے بعد وہی حال ہوجاتا ہے جو قوم نوح کا ہوا تھا کہ "قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا" حضرت ابن عباسؓ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ سواع اور یغوث ان کے قومی پیشوا تھے۔

تعظیم واحترام ویادآوری وتذکار کے لیے ان کے بت بنائے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کو دیوتا سمجھ کر پرستش کرنے لگے۔

ایسی حالت میں ناگزیر تھا کہ اس سب سے بڑے مؤثر و عامل وسیلہ ومقدمۂ شرک کا انسداد کیا جائے اور یہی سبب ہے کہ شارع نے نہایت سختی کے ساتھ مصوروں اور تصویروں کی مذمت کی۔ ان کو لعن وغضب کا مورد قرار دیا، اور ان گھروں کو سعادت وبرکت سے محروم بتلایا جن میں پرستش کے صور واصنام موجود ہوں اور امید ہے کہ وہ تمام احادیث آپ کے پیش نظر ہوں گی۔

پس تصویر وتماثیل کی ممانعت کو بھی اسی سلسلے میں لانا چاہیے جس سلسلے میں تمام ایسی چیزوں کو روک دیا گیا ہے، جو گو خود کوئی برائی نہیں رکھتیں، لیکن برائیوں کا وسیلہ و مقدمہ ہیں۔ جس طرح قیام تعظیمی سے روکا، جس طرح عورتوں کو زیارت قبور سے روکا اور جس طرح مداحوں کی نسبت وعید آئی، ٹھیک ٹھیک اسی طرح تصویر سازی کو بھی ممنوع قرار دیا۔ فی نفسہٖ تصویر بنانے میں کوئی مضرت نہیں ہے۔ یہ بھی ایک شکل خطی ہے، جس طرح صور الفاظ معانی اشکال خطیہ میں ظاہر ہوتے ہیں، لیکن چوں کہ یہ ایک قوی وعام تر وسیلۂ اصنام پرستی ثابت ہوئی ہے، اس لیے سد باب شرک و بت پرستی وقیام توحید کامل وخالص ومحفوظ کے لیے ضروری تھا کہ اس کو بھی سختی کے ساتھ روک دیا جائے۔

یہاں یہ بات بھی ضمناً آپ پر ظاہر ہوگئی ہوگی کہ اس نہی کی جو تعلیل بعض فقہا نے کی ہے اور یہ سببِ حرمت بیان کیا ہے کہ تصویر بنانے میں خدائے تعالیٰ کی صفت خلاقیت کی نقل اتاری جاتی ہے اور بہ وجہ اشتراک فعل ایسا کرنا ناجائز ہوا، تو یہ کسی طرح درست نہیں۔ اگر مصوری کی ممانعت میں فقہ یہی ہے تو کون سی وجہ ہے کہ یہی فقہا غیر حیوانات کی تصویروں کو ناجائز نہیں قرار دیتے؟ کیا صرف انسان وحیوان ہی اللہ کی خالقیت کا ظہور ہیں؟ درخت اور پہاڑ اس کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہیں؟ اگر یہ تمام کائنات اسی کی مخلوق ہے تو جس طرح ایک حیوان کی شکل بنانے سے خدا کی خالقیت

کی نقالی ہوتی ہے اسی طرح ایک درخت کے بنانے سے بھی اور ایک پہاڑ کے نقشے سے بھی۔ یہ کہنا کہ حیوانات میں روح ہے اور ان میں نہیں بالکل فضول ہے۔ کیوں کہ اول تو اشتراک تخلیق وجود، جسم میں ہے نہ کہ روح میں۔ مصور جسم کی صورت کھینچتا ہے نہ کہ روح کی اور جسم جیسا انسان کا ہے ویسا ہی پتھر کا اور ثانیاً یہ کون کہتا ہے کہ نباتات میں روح نہیں ہے؟ قرآن کریم نے جابجا ارواح نباتیہ کی خبر دی ہے اور علم بھی اس کی تصدیق کر چکا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ فقہا کو بعض احادیث و آثار صحابہؓ سے دھوکا ہوا ہے جن میں مصورین سے مطالبۂ نفخ روح کا ذکر ہے۔ حالاں کہ ان کا مطلب دوسرا ہے۔ چوں کہ مصوروں سے مقصود وہ مصور تھے جو پرستش کے لیے تصویریں اور بت بنایا کرتے تھے۔ اس لیے فرمایا کہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اگر واقعی یہ اصنام وصور تمہارے لیے وسیلۂ رزق و رفع حوائج دفع مشکلات تھے اور صاحب ارادہ وقوت وصفات الوہیت، تو جہاں تم نے ان کے جسم بنائے ہیں وہاں ان میں روح بھی پیدا کرو، اگر ایسا نہیں ہے تو کیا ایک بے جان صورت مستحق عبادت پرستش ہو سکتی ہے؟ پس ان روایات میں مطالبۂ نفخ روح کی اصلی بھی وہی پرستش و شرک ہے نہ کہ تسویہ تخلیق۔

ممکن ہے کہ ان فقہا کو یہ خیال بخاری ومسلم کی روایت ابوہریرہؓ سے ہوا ہو جس کے الفاظ غالباً یہ ہیں کہ **سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللّٰہ تعالیٰ و من اظلم ممن ذھب یخلق کخلق فیخلقو اذرۃ اویخلقو احبہ او شعیرۃ**.....الخ لیکن اس حدیث سے بھی علت وہ نہیں نکلتی جو ان فقہا نے سمجھی ہے۔ اصلی علت وہی شرک و پرستش طواغیب ہے۔

چناں چہ شاہ ولی اللہ نے بھی اصلی علت منع تصاویر کی یہی قرار دی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

و منھا صناعۃ التصاویر فی الثیاب و الجدران

والاغاط، فنهى عنها النبى صلى الله عليه وسلم ومدار لنهى شيأن احدهما انها احد وجوده الا رفاه والزينة فانهم كانوا يتفاخرون بها ويبذلون اموالا خطيرة فيها فكانت كالحرير وهذا لمعنى موجود فى صورة الشجر وغيرها وثانيهما ان لمخامرة بالصوروا تخاذها وجريان الرسم بالرغبة فيها يفتح باب جارة الاصنام وينوه امرها ويذكرها لا هلها، ومانشأت جارة الاصنام فى اكثر الطرئف الا من هذه، وهذا لمعنى يختص بصورة الجبوان ولذلك امر بقطع راس التماثيل لتصير بهيئة الشجر.....الخ

شاہ صاحبؒ نے عموم منع کی علت، اسراف وتبذیر وتزئین بے جاومفرط کو قرار دیا ہے، اور صور حیوانات کی نہی کا سبب سدِ باب شرک وعبادت اصنام بتلاتے ہیں۔ یہ ان کے کمالِ فقہ کی دلیل ہے۔

جب یہ مراتب واضح ہو چکے، تو اب اصلی سوال کی جانب توجہ کیجیے۔ جب حرمت تصویر کا مسئلہ بھی ان نواہی میں داخل ہے جو وسیلۂ مفاسد ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار پائے تو بلاشبہ اس کے احکام بھی وہی ہوں گے جو اس قسم کے نواہی کے ثابت ہو چکے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس بارے میں شارع کا طریق کار یہ رہا ہے کہ علت حکم کے رفع کے بعد حکم بھی اٹھ گیا ہے، یعنی ان امور کو جن اسباب کی بنا پر روکا جاتا ہے جب ان میں تغیر کا اثر نفس حکم پر بھی پڑتا ہے، کیوں کہ حکم انہی اسباب کا نتیجہ تھا۔ مثال میں انہی چیزوں کو دیکھیے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اگر ایک طرف "لاتقوموا كما يقوم الاعاجم يعظم بعضها بعضاً" ہے تو دوسری طرف واقعۂ بنی قریظہ میں "قوموا الى سيد كم" بھی ہے۔ اگر آغاز اسلام میں بالعموم زیارت قبور سے روک دیا گیا کہ "نهيتكم عن زيارة القبور" تو پھر یہ بھی ہے کہ "زوروها

فانھا تذکرکم الموت" ترمذی میں ہے کہ "قال رجل یارسول اللّٰہ الرجل منایلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ؟ قال لا افیلتزمہ ویقبلہ؟ قال لا۔ قال افیاخذہ بیدہ ویصافحہ! قال نعم" لیکن ساتھ ہی اسی ترمذی کے اسی باب میں حدیث صفوانؓ ابن عال بھی ہے کہ "فقبلوا یدیہ ورجلیہ" اور ابوداؤد میں روایت زارع وفد عبدالقیس کہ "فجعلنا نتبادر من رواحلنا فتقبل ید رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم ورجلہ" اور حدیث ابن ماجہ عن ابن عمر کہ "قبلنا یدہ"..... الخ اگر ایک موقع پر فرمایا کہ "لا تفضلونی علیٰ یونس بن متی" تو دوسرے موقع پر یہ بھی ہے کہ "لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی" اور "اٰدم ومن دونہ تحت لوائی" وفد بنی عامر کی روایت میں اس سے روکا کہ مجھے سیدنا نہ کہو "السید اللّٰہ" لیکن پھر خود ہی فرمایا "منا سید ولد اٰدم ولا فخر" رقیٰ و تمائم کے متعلق کس قدر شدت کے ساتھ نہی آئی ہے۔ ابوداؤد اور احمد کی روایت ابن مسعودؓ میں ہے کہ "ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک" اور امراۃ عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ کہ "ابن عبد اللّٰہ رائی فی عنقی خیطا فقال ماھٰذا؟ قلت خیط رقی لی فیہ قالت فاکدہ ثم قطعہ ثم قال سمعت رسول اللّٰہ"..... الخ لیکن ساتھ ہی مسلم کی روایت عوف ابن مالکؓ کو دیکھیے کہ "اعرضوا علیٰ رقاکم مالم لیکن فیہ شرک" اور بہ کثرت احادیث موجود ہیں کہ اس کی اجازت دی اور صحابہ نے کیا۔ واقعہ تابیر نخل بھی اسی سلسلے میں داخل، کہ ابتدا میں بہ خوف شرک روکا مگر پھر اجازت دی اور فرمایا "انتم اعلم بامور دنیا کم" اسی طرح وجوہ مداحین کے لیے "احثوا التراب" فرمایا اور نہایت شدت کے ساتھ خود اپنی مدح و توصیف کے اغراق سے روکا، مگر ساتھ ہی بہ کثرت احادیث و آثار موجود ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کے مدح و توصیف کرنے اور آپ کے سننے اور نہ روکنے کا ذکر ہے، اور اس بارے میں صحابہ کرامؓ کے استغراق و استہلاک کا قولاً و عملاً جو حال تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ شعرائے

اہلِ اسلام کی تمدیح وتوصیف اور آپ کا تحسین فرمانا معلوم ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "لقد بلغ من فضیلتك عند اللّٰه ان اقسم بتراب قدميك، فقال لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد"

بہ ظاہر دیکھیے تو ایک ہی چیز کے متعلق ایک موقع پر نہی ہے اور دوسرے موقع پر نہ صرف جواز بلکہ امر و تحسین۔ اہل علم نے ان اختلافاتِ احکام پر مختلف پہلوؤں سے بحثیں کی ہیں۔ مگر فی الحقیقت ان میں کوئی اختلاف نہیں، اور اختلافِ حکم کی علت اختلافِ حالت اور وجود وعدمِ وجود علت نہی ہے۔ دنیا میں انسانی پرستش کا ایک بڑا "وسیله یعظم بعضها بعضا" رہا ہے کہ تعظیم مفرط پرستش تک پہنچ گئی ہے۔ علی الخصوص ایسی حالت میں کہ پیشوایانِ ملت ورؤسائے دینی کی کی جائے۔ اس لیے انسدادِ شرک کے لیے اس سے روکا، مگر "قوموا الی سید کم" کا موقع دوسرا تھا اور تواضع وادب ومراعات حقوق میں داخل، لہٰذا خود حکم دیا۔

دنیا میں فتنۂ قبور سے روکا گیا، لیکن جب توحید اسلامی دلوں میں راسخ ہوگئی تو "فزوروها" فرما کر حکم دے دیا کہ اب وسیلۂ شرک ہونے کی جگہ تذکرۂ موت وعبرت کا ذریعہ تھا۔ گذشتہ قوموں کی ایک بڑی ضلالت مرتبۂ نبوت والوہیت کا اختلاط واتحاد تھا۔ مسیحی تحریک اسی گم راہی کی بہ دولت رائیگاں گئی۔ اس لیے شارع نے ہمیشہ اپنی تعظیم مفرط ومدح واطراء وغلو واغراق سے روکا "لاتطرونی" اور "لاتفضلونی" اور "السید اللّٰه" وغیرہ ارشادات واحکام اسی علت پر مبنی تھے۔ لیکن جن جن مواقع میں یہ علت نہی باقی نہ رہی وہاں منع ونہی کا بھی وجود نہ رہا اور کبھی "انا سید ولد آدم" فرمایا اور کبھی "آدم ومن دونه تحت لوائی" اور کبھی "لو کان موسی حیا لما وسعه الا اتباعی" اور مرتبہ شناسانِ رسالت نے بھی جو کچھ کہا، اس کو مع رضا واستحسان کے ساتھ قبول فرمایا" ولنعم ماقیل"

ماشئت قل فیه فانت مصدق
فالحب یقضی والمحاسن تشهد

پس یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ تصویر کا معاملہ بھی اسی سلسلے میں داخل ہے۔ دراصل علت نہی، شرک و اصنام پرستی تھی۔ اگر یہ علت باقی نہ رہے، تو کیوں تصویر ممنوع ہو؟ اگر زیارت قبور (جو وسیلۂ مفاسد ہونے کے لحاظ سے کم از تصویر نہیں) بہ حالت تذکرۂ موت و رفع خوف شرک جائز ہوگئی، اور اسی طرح اور بہت سی چیزیں تو بہ حالت عدم خوف پرستش و بہ اغراض مستحسنۂ علمیہ و اخلاقیہ تصویر کشی کیوں جائز نہ ہو؟

(انتہیٰ)(افاداتِ آزاد۔ص ۷۷تا۸۵)

ماخذ

اس کتاب میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ان کے نام اور مؤلفین

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ اخبار الاخیار — حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

۳۔ انڈسٹریل آرٹس آف انڈیا — سر جارج برڈوڈ

۴۔ الاسلام والحضارۃ

۵۔ اسوۂ صحابہؓ — مولانا عبدالسلام ندویؒ

۶۔ آثار الصنادید — سر سید احمد خاں

۷۔ افاداتِ آزاد — امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ / ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری۔ مکتبۂ شاہد۔ کراچی

۸۔ بحر الرائق

۹۔ بیگم شمرو — ڈاکٹر شریف حسین قاسمی

۱۰۔ پریچنگ آف اسلام — آرنلڈ تھامس

۱۱۔ پنج سورہ — مترجم احمد رضا خان بریلوی

۱۲۔ تاریخ فیروز شاہی — مؤرخ برنی

۱۳۔ ترمذی شریف

۱۴۔ تاریخ قریش — مولانا محمد یوسف

۱۵۔ تفسیر ابن کثیر — حافظ عمادالدین ابن کثیر الدمشقیؒ

۱۶۔ تذکرۂ خطاطین — محمد راشد شیخ — ادارۂ علم وفن۔ کراچی

۱۷۔ حجۃ اللہ البالغہ — حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۱۸۔ دلی کی یادگار شخصیتیں — امداد صابری صدیقیؒ — دہلی

۱۹۔ سنن ابی داؤد

۲۰۔ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	ربانی بک ڈپو دہلی
۲۱۔ سیر المنازل (فارسی)	ڈاکٹر شریف حسین قاسمی	
۲۲۔ شاہ جہاں نامہ		
۲۳۔ صحیح بخاری شریف		
۲۴۔ طبقات ناصری	منہاج السراج	
۲۵۔ فتوح السلاطین	عصامی	
۲۶۔ فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	
۲۷۔ فتوحاتِ مکیہ	شیخ محی الدین ابن عربیؒ	
۲۸۔ فوائد الفواد	محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاؒ	
۲۹۔ فقہائے ہند		
۳۰۔ کنز العمال		
۳۱۔ کفایت المفتی	مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ	
۳۲۔ مسلمانوں کا عروج و زوال	مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ	مکتبہ رشیدیہ۔ کراچی
۳۳۔ مختصر تفہیم	سید ابوالاعلیٰ مودودی	
۳۴۔ مشکوٰۃ شریف		
۳۵۔ مکتوبات شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	مجلس یادگارِ شیخ الاسلام۔ کراچی
۳۶۔ نفحات الانس		
۳۷۔ واقعات دار الحکومت	مولوی بشیر الدین احمد	
۳۸۔ یادگارِ دہلی	سید احمد علی	

رسائل

۳۹۔ ماہ نامہ دار العلوم دیوبند

۴۰۔ ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ



شیخ الشائخ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ۔ جن کے نام پر حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی تفسیر کا نام "تفسیر مظہری" رکھا۔ آپ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔



عرب سے حدیث کا علم حاصل کر کے ہندوستان میں اس کو پھیلانے والی شخصیت حکیم الامت حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کا تصویری خاکہ۔ برصغیر کے تمام مکاتب فکر کا سلسلۂ حدیث آپ تک پہنچتا ہے۔ آج کل بعض اہل علم کو آپ کے علوم و معارف ہضم نہیں ہوتے۔



برصغیر میں جہاد کو زندہ کرنے والی عظیم شخصیت، امام المجاہدین حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ، ہندو پاکستان کی تکفیری فیکٹری کے ملازموں نے ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔



متحدہ ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؒ



مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح



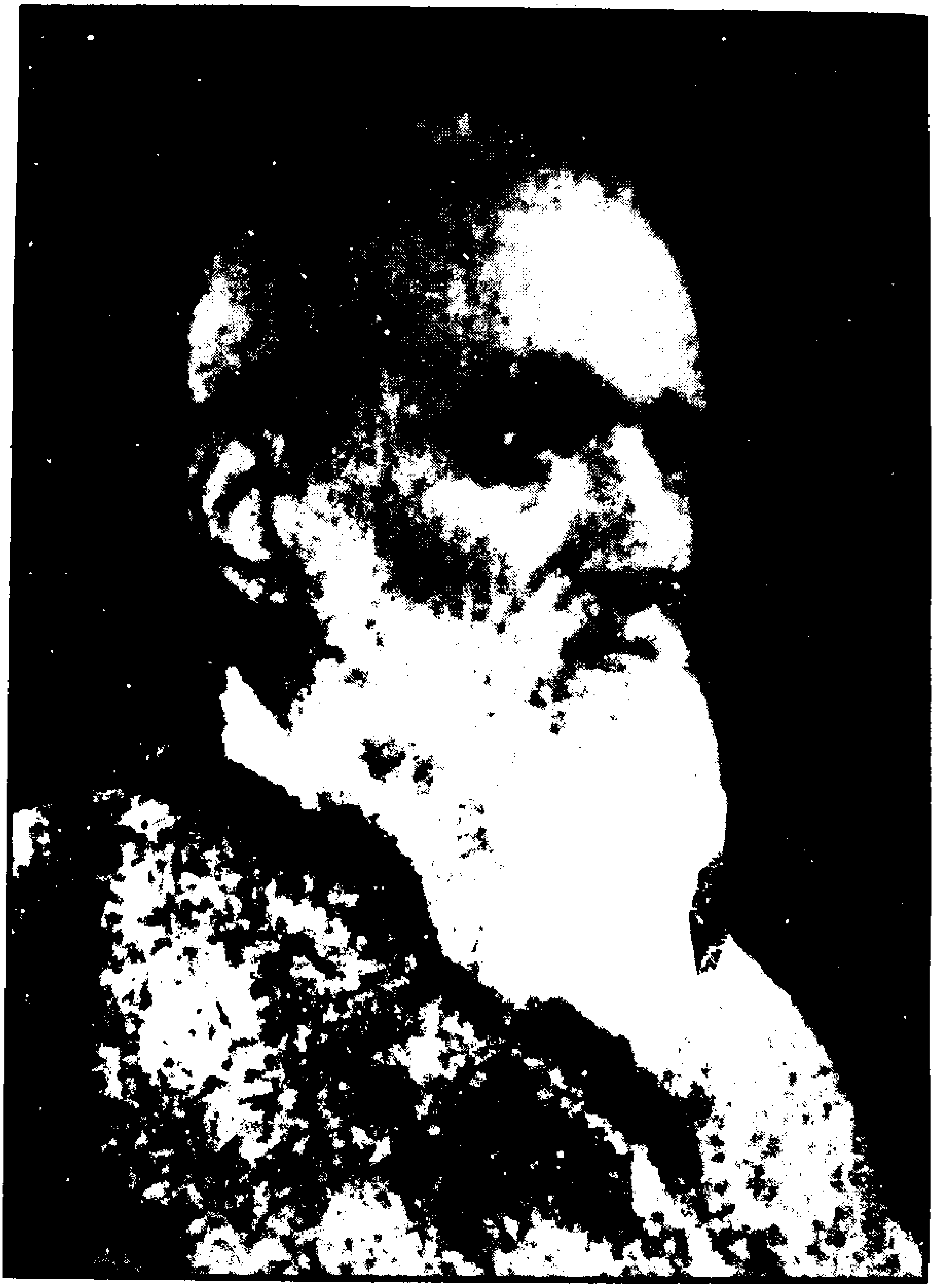
اکابر علمائے دیوبند کے عاشق اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مرشد اول حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ



علمائے دیوبند کے عظیم فرد۔ ایک ہزار سے زاید کتابوں کے مصنف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ۔ یہ تصویر حضرتؒ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہٗ (مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند) کی مصدقہ ہے۔



عشاق دیوبند کے ہردل عزیز شخصیت، سلسلۂ ولی اللّٰہی کے آخری مجاہد اعظم، جماعتِ شیخ الہندؒ کے روح رواں، انگریز کے دشمن، تحریکِ آزادی کے ہیرو، حضرت حکیم الامتؒ مولانا تھانوی کے جانشین، جانشینِ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا السید حسین احمد المدنی نوراللہ مرقدہٗ۔ شیخ الاسلام والمسلمین۔



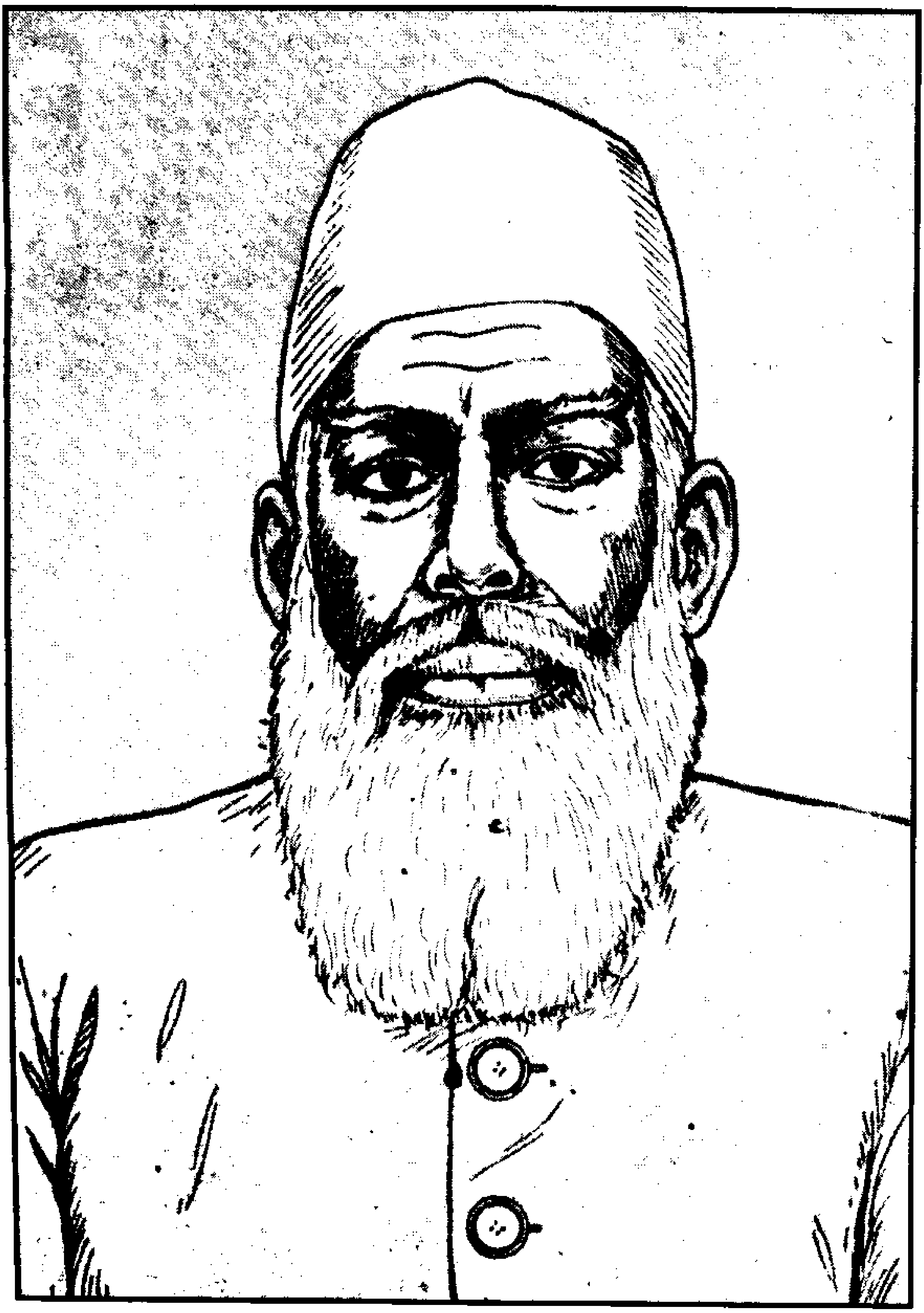
تحریکِ ریشمی رومال کے روحِ رواں، آزادیٔ ہند کے مجاہد، امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمہ۔ پاکستان اور خصوصاً کراچی کے بعض مدارس کے سرکردہ اہلِ علم آپ کے نام سے الرجی ہیں۔ گلشن اقبال کے ایک ”عارف باللہ“ نے آپ کو ”ملحد“ کہا ہے۔ دار العلوم کورنگی کے اربابِ اختیار کے یہاں آپ کا ذکر خیر جرم سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہ تمام لوگ حضرت امام سندھیؒ کو سمجھ ہی نہیں سکے۔



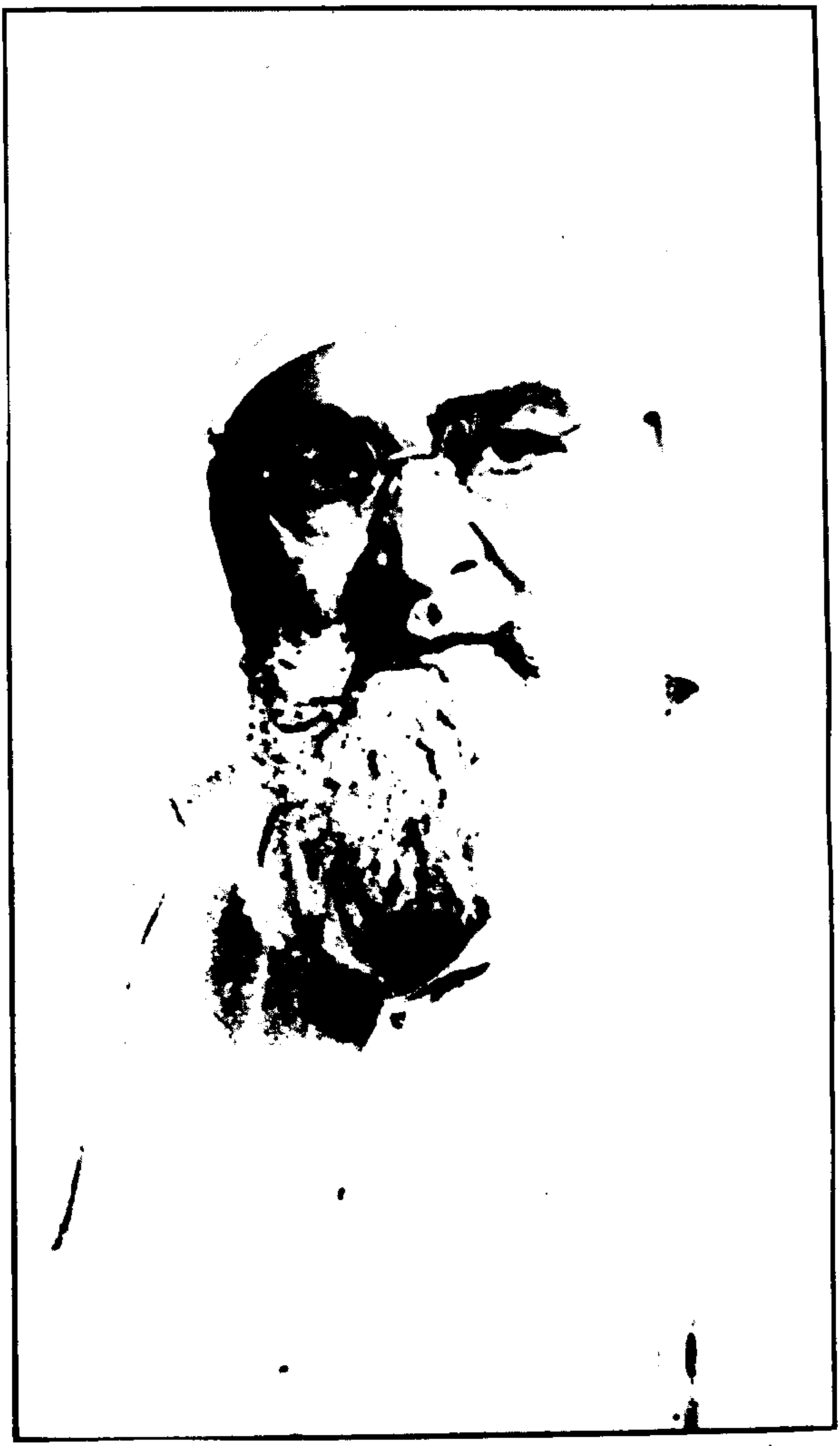
حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن
رحمتہ اللہ علیہ کے معتمد، آزادی
کے سرگرم مجاہد، مفسرِ قرآن، امام
الہند حضرت مولانا محی الدین
احمد ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ۔
جن کا نام تقسیم ہند کے بعد
پاکستان میں گالی سمجھا جاتا تھا۔



ایک یادگار تصویر: مولانا مظہر الدین، مولانا عرفان، درمیان میں مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ (بانی جمعیت علمائے ہند۔ اور ہمیشہ اسی کے مسلک و مشرب اور جماعت شیخ الہندؒ سے وابستہ رہے، لیکن پاکستان کے ایک اندھے مصنف نے آپ کو ''تحریکِ پاکستان کے مجاہد'' میں شامل کر کے عوام کے آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔) مولانا حبیب احمد ندوی اور ضیاء الدین برنی مرحوم۔



دارالعلوم دیوبند کے ہونہار فاضل اور محدث کبیر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید
مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی علیہ الرحمہ کا تصویری خاکہ (مجاہد آزادی اور تقسیم کے بعد
ہندوستان خصوصاً دہلی میں بچنے والے مسلمانوں کے زخم پر مرہم رکھنے والی عظیم شخصیت، مصنف قصص
القرآن وغیرہ)



امام القراء حضرت قاری سید حامد حسین علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ، سابق استاذ مدرسہ عالیہ فتح پوری۔ دہلی



آزادی کے مجاہد اور تقسیم کے مخالف، امیر شریعت حضرت مولانا السید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ العزیز پاکستان میں جب قادیانی ٹولہ اقتدار پر قابض ہونے لگا تو آپ نے نبوت کی چادر کی حفاظت کے لیے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔



سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ (صاحب تفسیر کشف الرحمٰن) ایک نکاح پڑھاتے ہوئے۔
جناب مستحسن فاروقی مرحوم بھی نمایاں ہیں۔



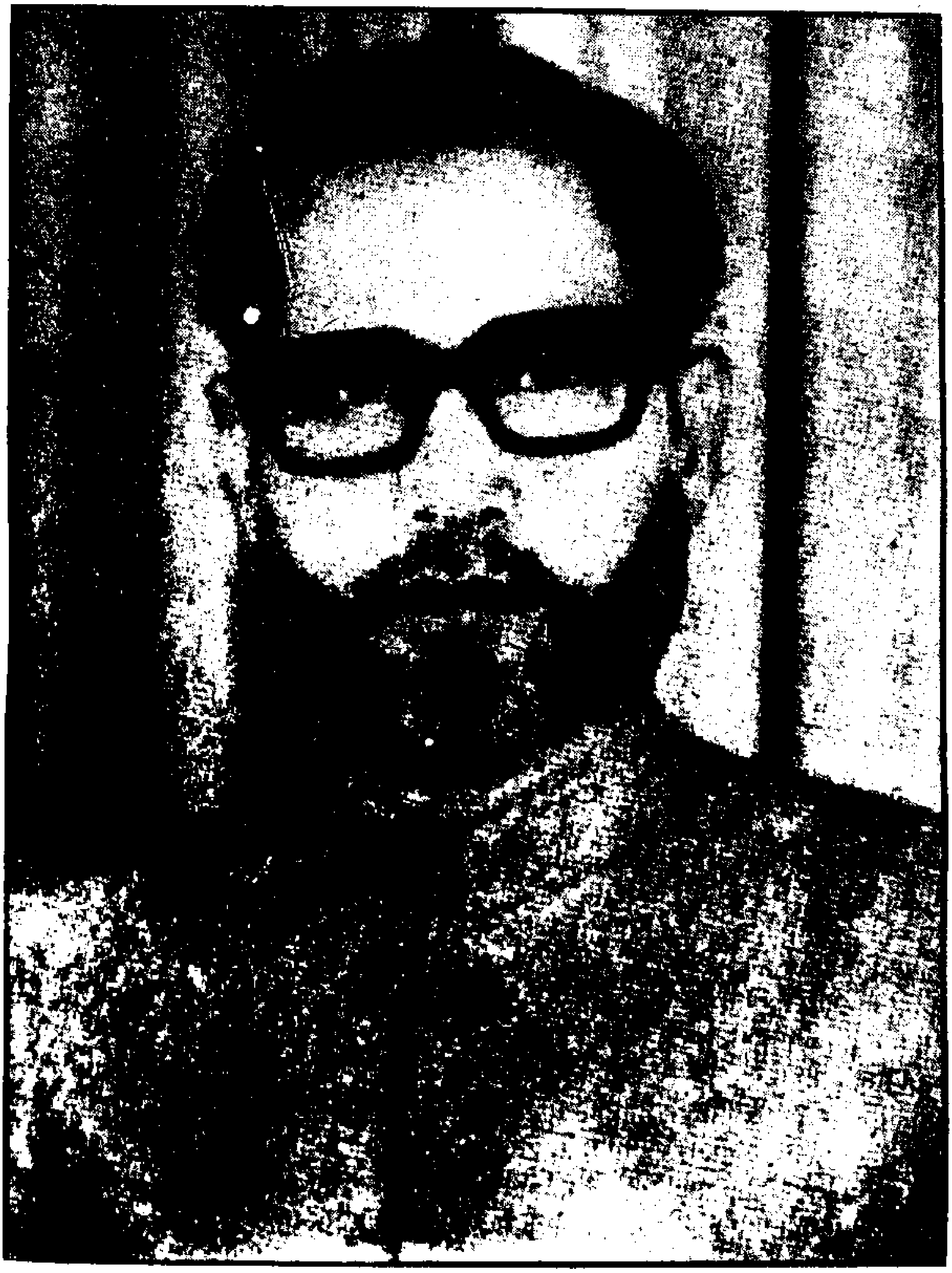
اہلِ حق کے ہر دل عزیز شخصیت اور دنیائے اسلام میں فتنوں کا
تعاقب کرنے والے، دارالعلوم دیوبند کے قضیے میں اہلِ حق کے
طرف دار..... مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ



جماعتِ شیخ الہندؒ کے قدرداں، حجۃ الاسلام حضرت الامام محمد قاسم النانوتوی علیہ الرحمہ کے پوتے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب القاسمی رحمۃ اللہ علیہ۔ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند۔
آپ اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ دیوبند سے کراچی آگئے تھے۔ لیکن آپ کو پاکستان راس نہیں آیا اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی کوششوں سے واپس دیوبند تشریف لے گئے۔



مصنف کتاب کے استاذ محترم حضرت مولانا قاضی سجاد حسین کرت پوری رحمۃ اللہ علیہ، سابق صدر مدرس مدرسۂ عالیہ فتح پوری۔ دہلی۔ (گلستاں، بوستاں اور مثنوی مولوی معنوی کے مترجم و شارح)



باز در قلم کار، مؤرخ جماعت شیخ الہندؒ، سیاسی ڈائری حضرت شیخ الاسلامؒ کے مؤلف محترم حافظ ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری مدظلہٗ، جن کی مساعی سے امام الہند مولانا آزادؒ کا نام آج سرکاری میڈیا لینے پر مجبور ہے۔ بہت سے اہل علم آپ کے بے باک قلم سے خائف ہیں۔


رضی اللہ عنہم بھی تنقید سے محفوظ نہ رہ سکے
دار النوادر



امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمہ۔ جماعتِ شیخ الہندؒ کے رکن، جن پر جماعتِ حکیم الامتؒ کے ایک سرکردہ عالم کا الزام ہے کہ جمیعت علمائے اسلام پر انھوں نے قبضہ کیا (دائیں جانب) اور بائیں جانب حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ (مبلغ ختم نبوت)۔



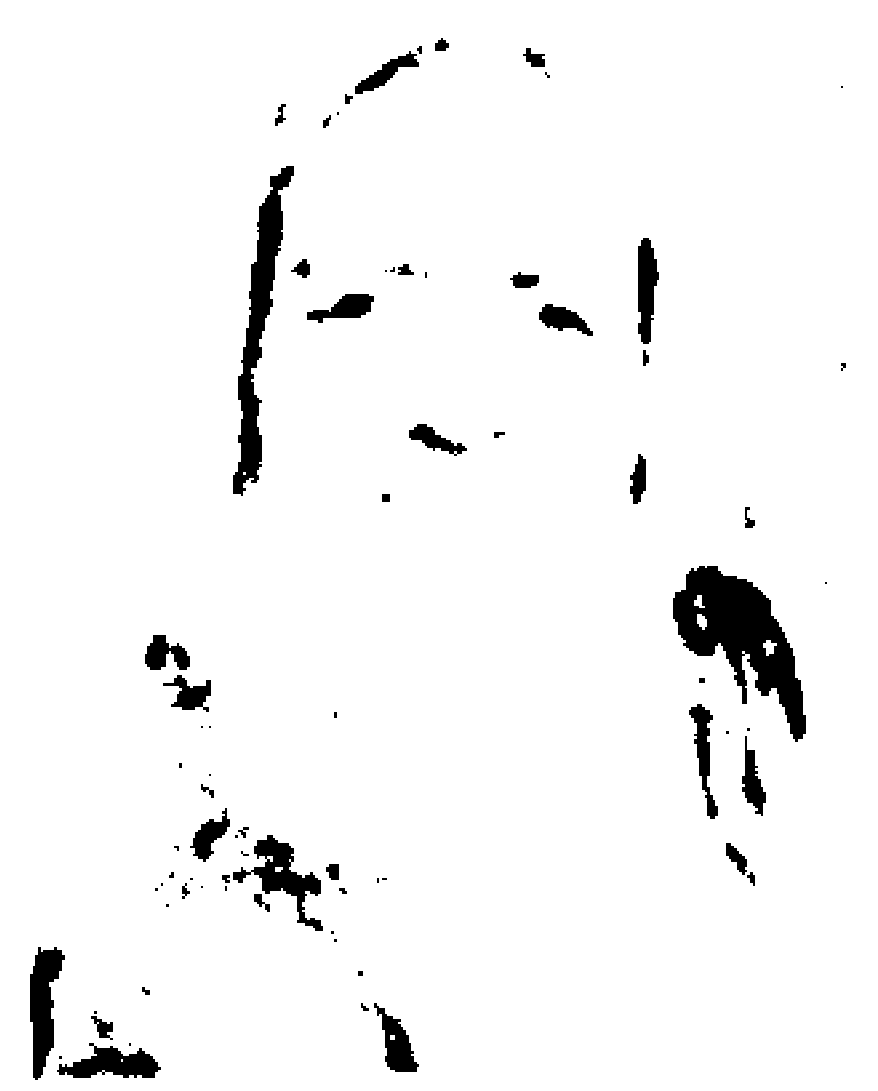
مجاہد ملت مولانا سید ہارویؒ بستر مرگ پر۔
مستحسن فاروقیؒ، مؤرخ ملت حضرت مولانا السید محمد میاں دیوبندیؒ (صاحب "علمائے ہند کا شان دار ماضی") اور حکیم عبدالحمید (مرحوم) عیادت کرتے ہوئے۔



ایک عجیب یادگار تصویر: لیبیا کے معمر قذافی، جو اہل قرآن، منکر حدیث ہے، کی اقتدا میں مولانا شاہ احمد نورانی (مرحوم) نماز پڑھ رہے ہیں۔ حال ہی میں آپ کے حالات شائع ہوئے ہیں جس میں آپ ہی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے کبھی بدمذہب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ حتیٰ کہ حرمین شریفین کے وہابی اماموں کے پیچھے بھی نہیں پڑھی، اور اس پر اللہ کا شکرادا کیا ہے۔ پھر اتحاد بین المسلمین کے دعوے کا گھمنڈ ساری عمر رہا۔ یہ تصویر ان کے دعوے کو منہ چڑا رہی ہے۔



''دلّی کی برادریاں'' کی پہلی اور ہندوستانی اشاعت کے ناشر جناب محمد عتیق صدیقی مدیر روزنامہ ''الیوم''۔ دہلی



جناب ہلال قطبی



(دائیں سے بائیں) مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
سعودی سفیر کے ہم راہ (۱۹۷۱ء)۔



حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم



جناب جسٹس ظہور الحق
(سندھ ہائی کورٹ)



خواجہ الطاف حسین حالیؒ، پروفیسر آرنلڈ، ڈپٹی نذیر احمد دہلویؒ، نواب محسن الملک، شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ، نواب وقار الملکؒ



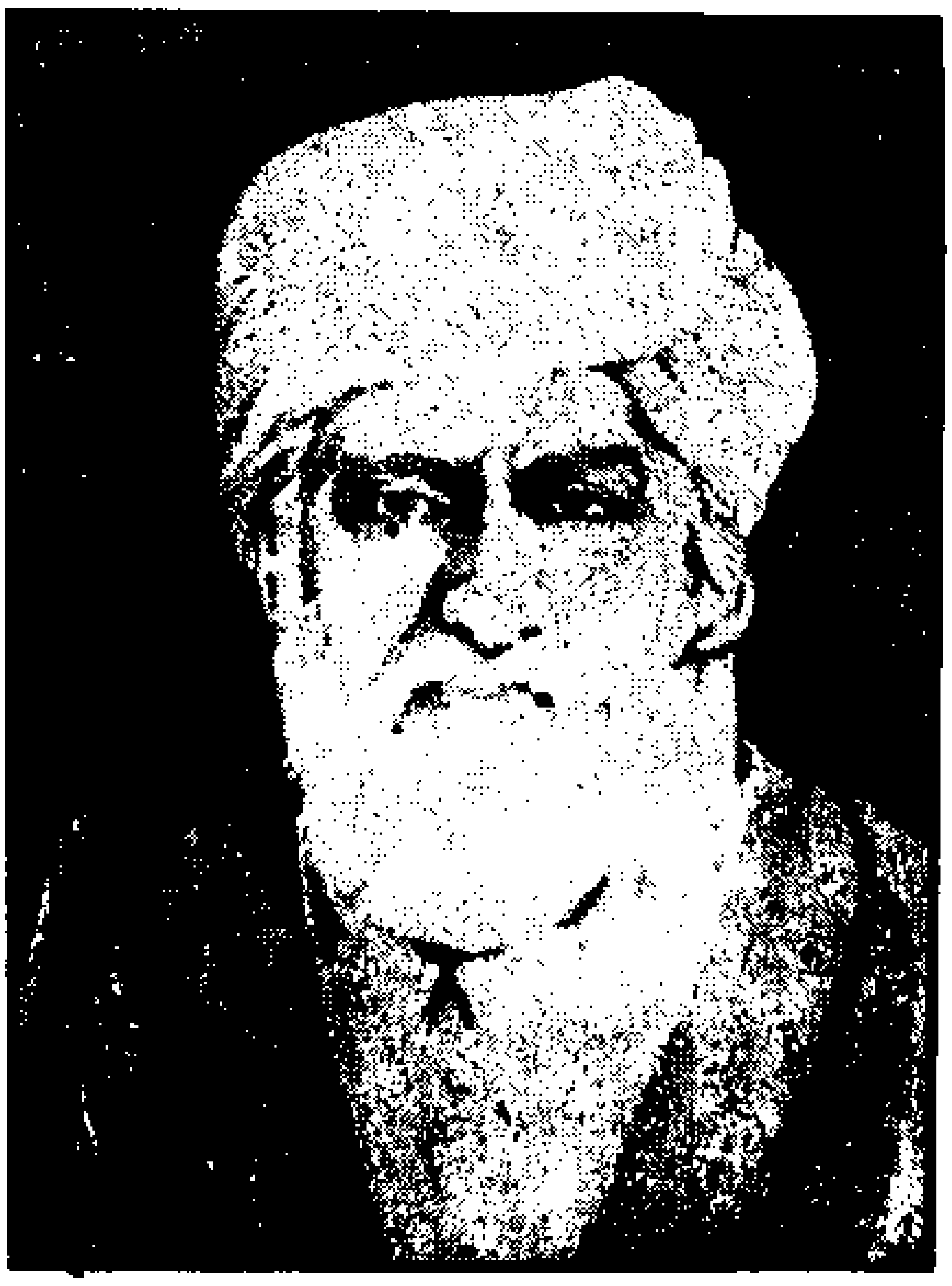
مصنف کتاب کے استاذ اور ہم سبق
حضرت مولانا قاری شریف احمد مدظلہم
(صاحب تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام)
(تلمیذ: حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)
(بیعت: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)
(خلیفہ: حضرت مولانا سید حامد میاںؒ)



مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ
(بانی ندوۃ المصنفین۔ دہلی)



تحریکِ آزادی کے مجاہد
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ



مبلغِ اسلام حضرت مولانا شرف الحق صدیقیؒ
خلیفہ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ



مدرسہ صولتیہ کے سابق مہتمم مولانا محمد شمیم مکیؒ اور مولانا امداد صابری مرحوم



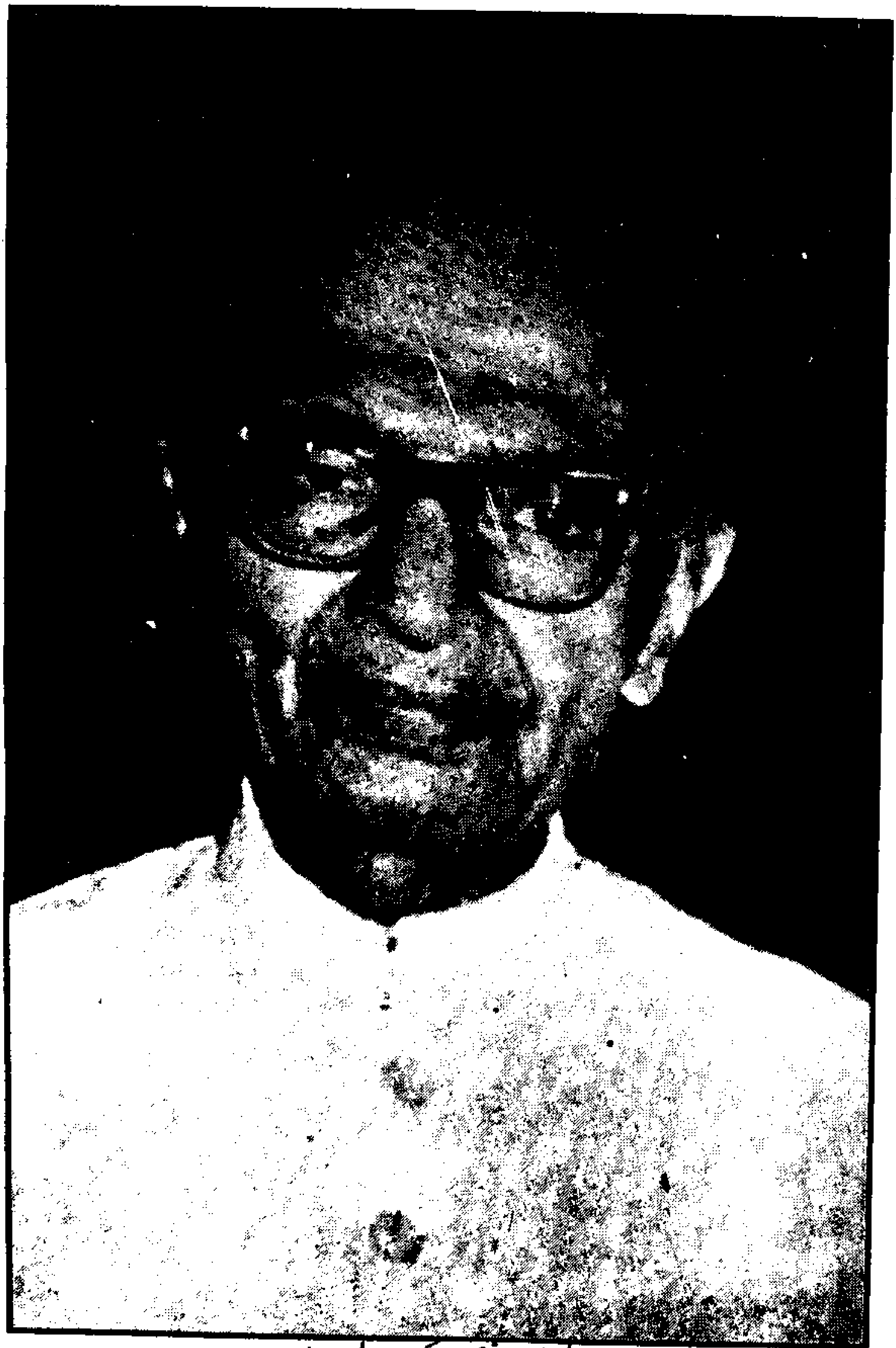
حضرت شیخ الہندؒ کے خادم اور آزادی کے عظیم مجاہد
ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ



مصنفِ کتاب: مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی مدظلہم



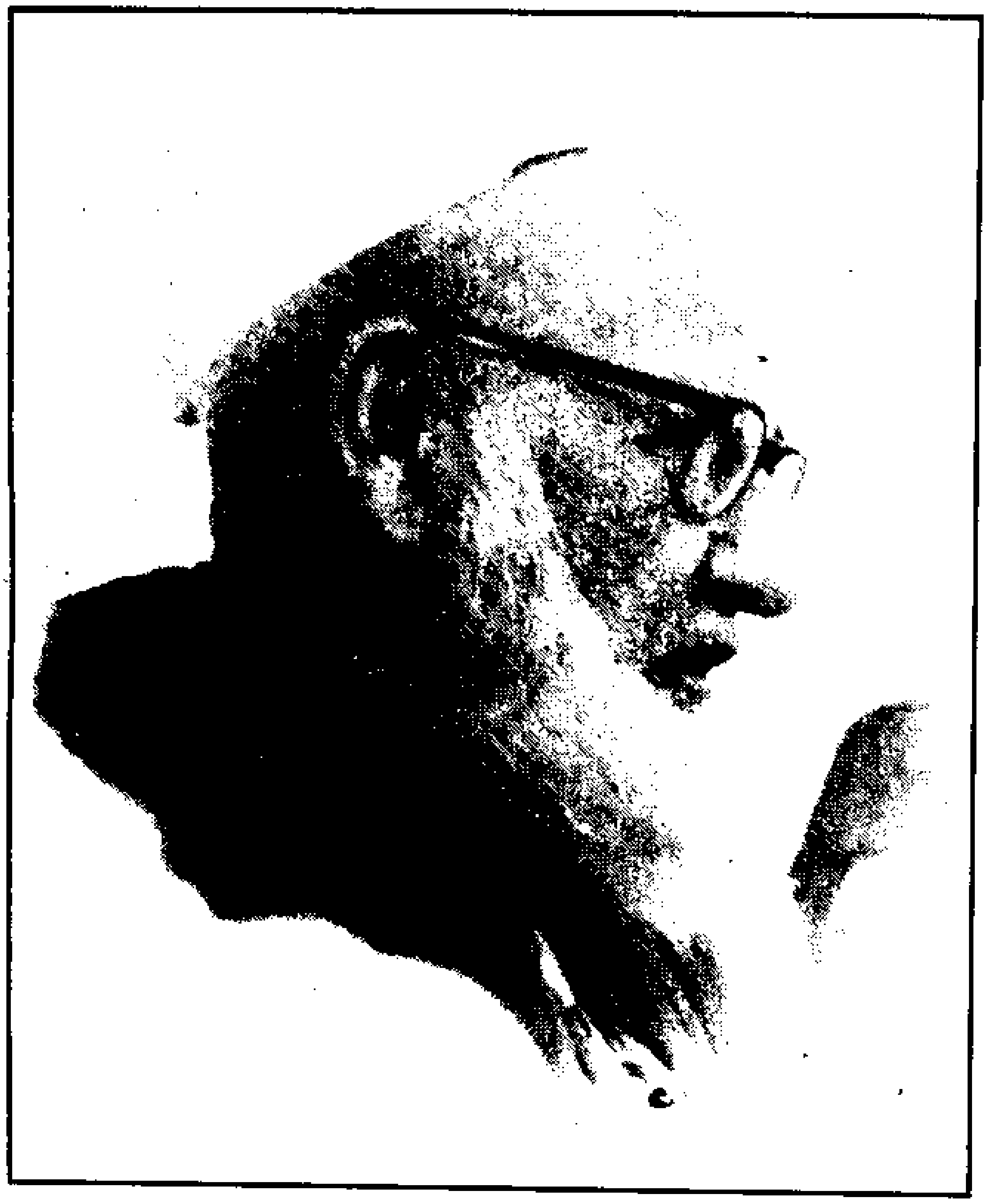
حکیم محمد سعیدؒ کے والد محترم حافظ عبدالمجید دہلوی مرحوم



ہمدرد۔دہلی کے بانی محترم حکیم عبدالحمید دہلوی مرحوم



سابق صدر ہندوستان محترم ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے ساتھ شہید پاکستان حافظ حکیم محمد سعید دہلوی شہید"
جنھیں مخلص پاکستانی ہونے کے جرم میں راستے سے ہٹایا گیا۔



پراچہ خاندان واحد قدیم عالم، علامہ محمد ایوب پراچہ دہلویؒ، علم منطق کے ماہر تھے۔ حضرت مولانا فخر الحسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ آپ کے قدردانوں میں تھے۔

• (یہ تصویر جناب ایس محمد شاہد کامل صاحب زید مجدہٗ کے تعاون سے ملی)



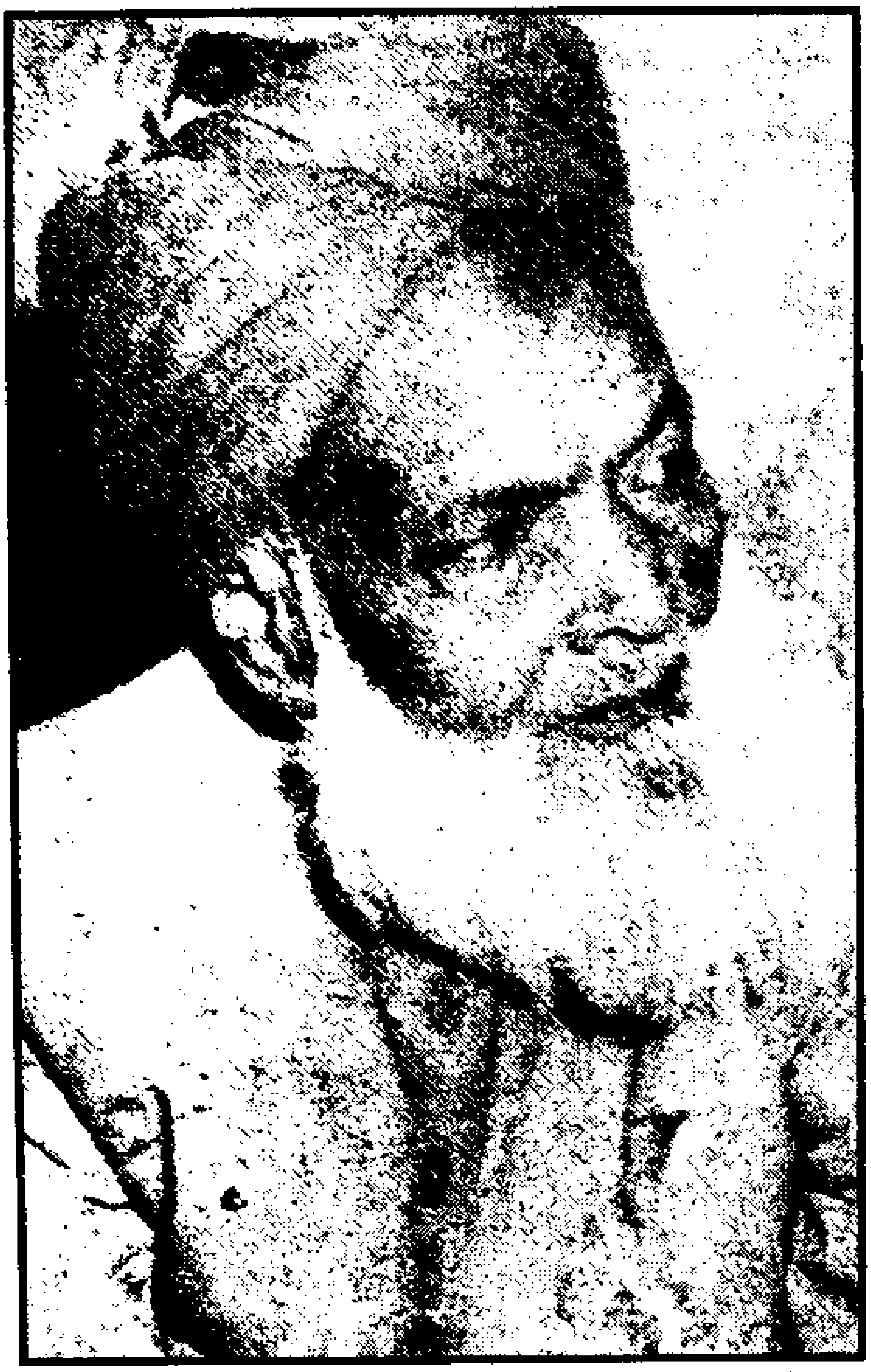
جماعتِ شیخ الہندؒ کی فکر کے محافظ اور ہندوستانی مسلمانوں کے دکھ درد کے ساتھی، امیر الہند وفدائے ملت
حضرت اقدس مولانا السید اسعد مدنی دامت برکاتہم العالیہ
(جانشینِ حضرت شیخ الاسلامؒ اور جمعیت علماے ہند کے موجودہ صدر)



مولانا معراج الحقؒ، مولانا مرغوب الرحمنؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ اور مولانا نصیر احمد خاں مدظلہم



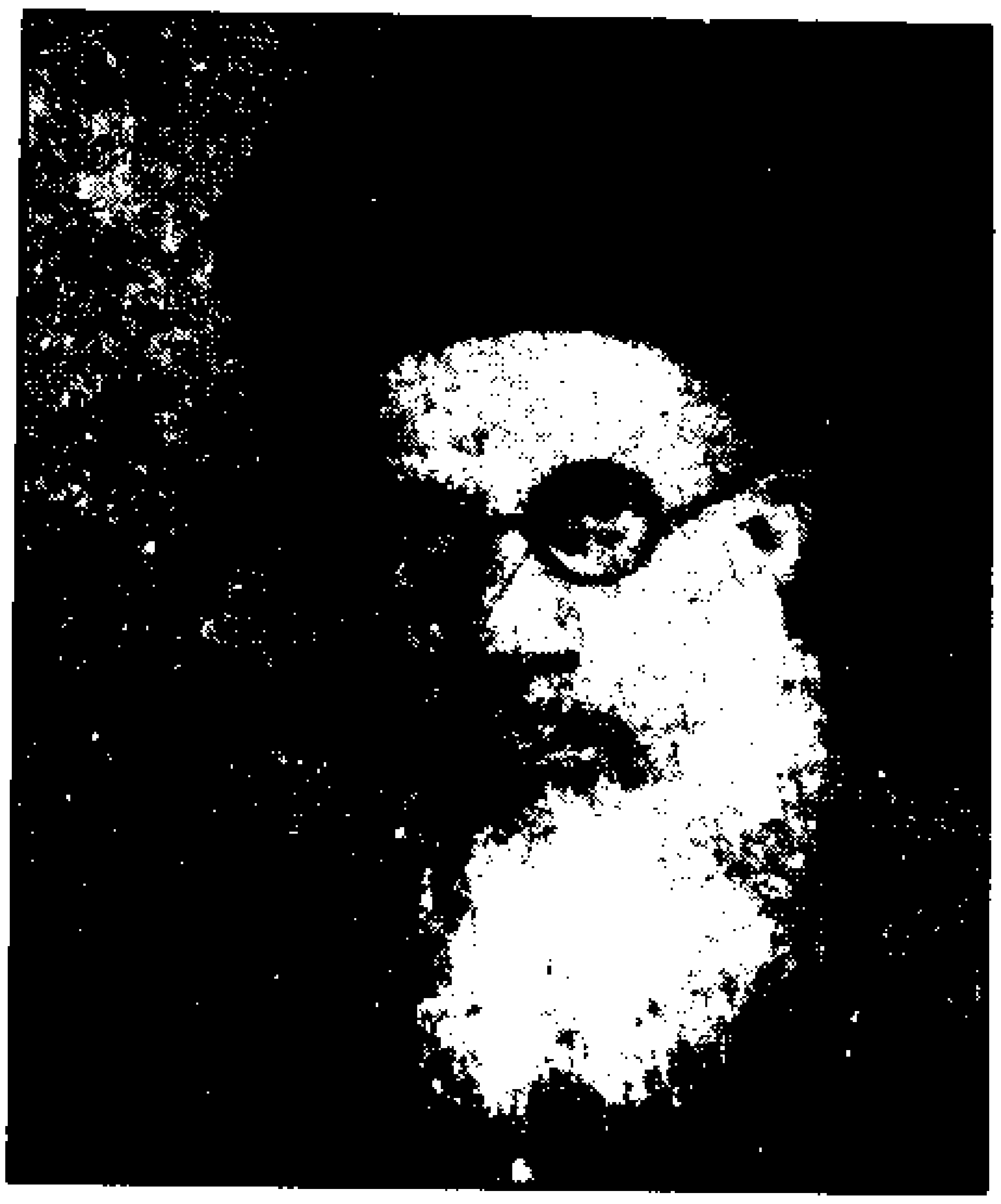
جناب حاجی عبدالمجید دہلوی



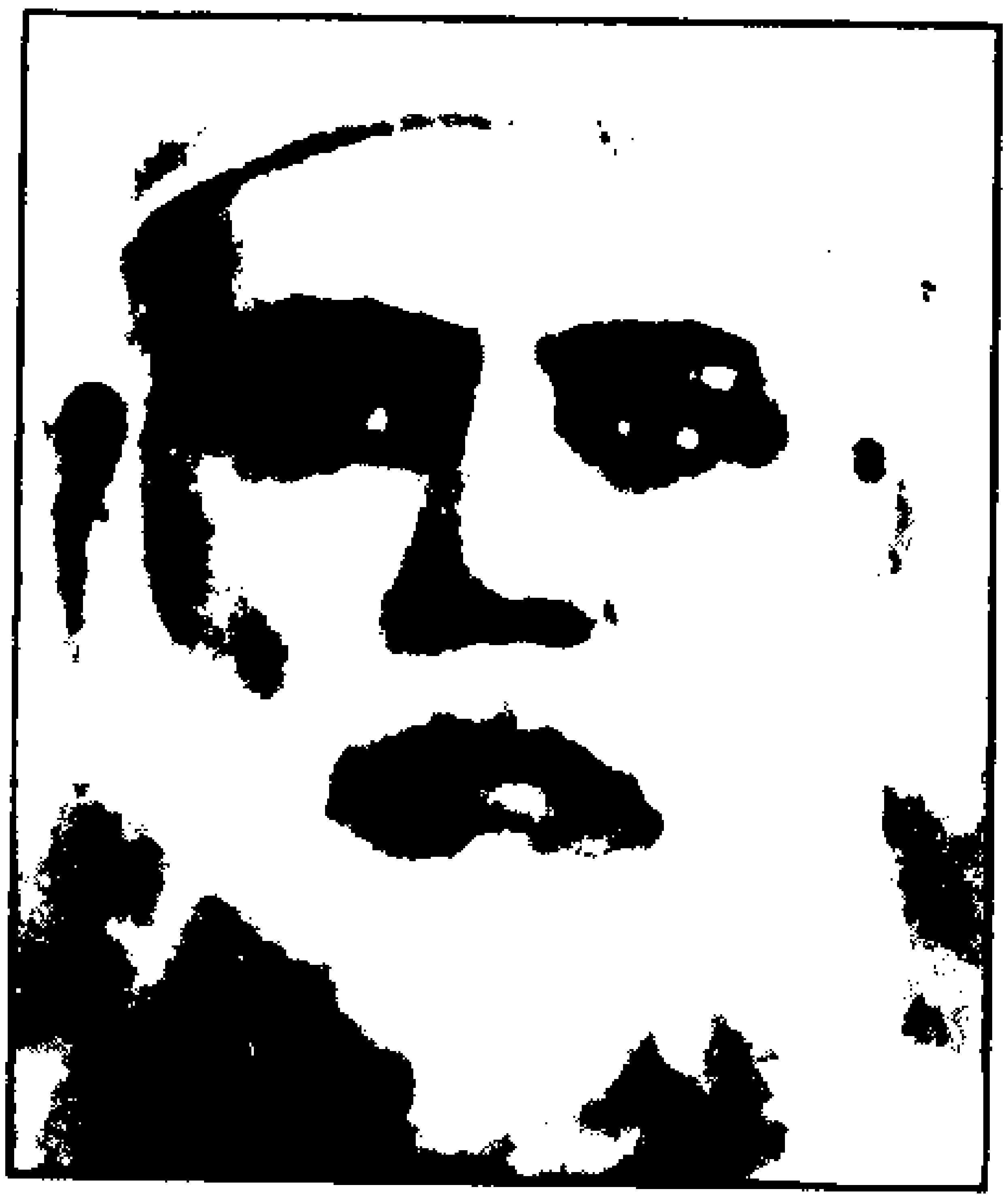
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ مفتی اعظم پاکستان۔ قیام پاکستان کے زبردست حامی، لیکن جمیعت علماے اسلام کو قیام پاکستان کے بعد ایسا چھوڑا..... بہ قول شخصے!
جمیعت علمائے ہند جو کانگریس کا مذہبی ایڈیشن تھا (نقل کذب کذب نہ باشد) اس کی باقیات نے جمیعت پر قبضہ کرلیا۔ مفتی صاحبؒ مدرسہ بنا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے علمی خدمات انجام دیں۔



صاحب زادہ حافظ فرید الدین احمد الوجیہہؒ
پاکستان میں حجاج کے حقیقی خادم، آج کل کے خادم حجاج و زائرین کی طرح ہر میلے ٹھیلے میں تصویر کھنچوانے کا شوق نہیں تھا۔



خان بہادر حاجی وجیہہ الدین میرٹھیؒ



خان بہادر حاجی رشید احمد دہلویؒ (سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) تحریکِ آزادی سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لیے تبلیغی جماعت کے قیام میں سرگرم حصہ لیا۔ لیکن آج جماعت امت میں اصلاح کا ذریعہ ہے۔ یہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے اخلاص کی برکت ہے۔



مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ



امیر مینائی



ڈپٹی نذیر احمد دہلویؒ



داغ دہلوی



حضرت سائل دہلویؒ



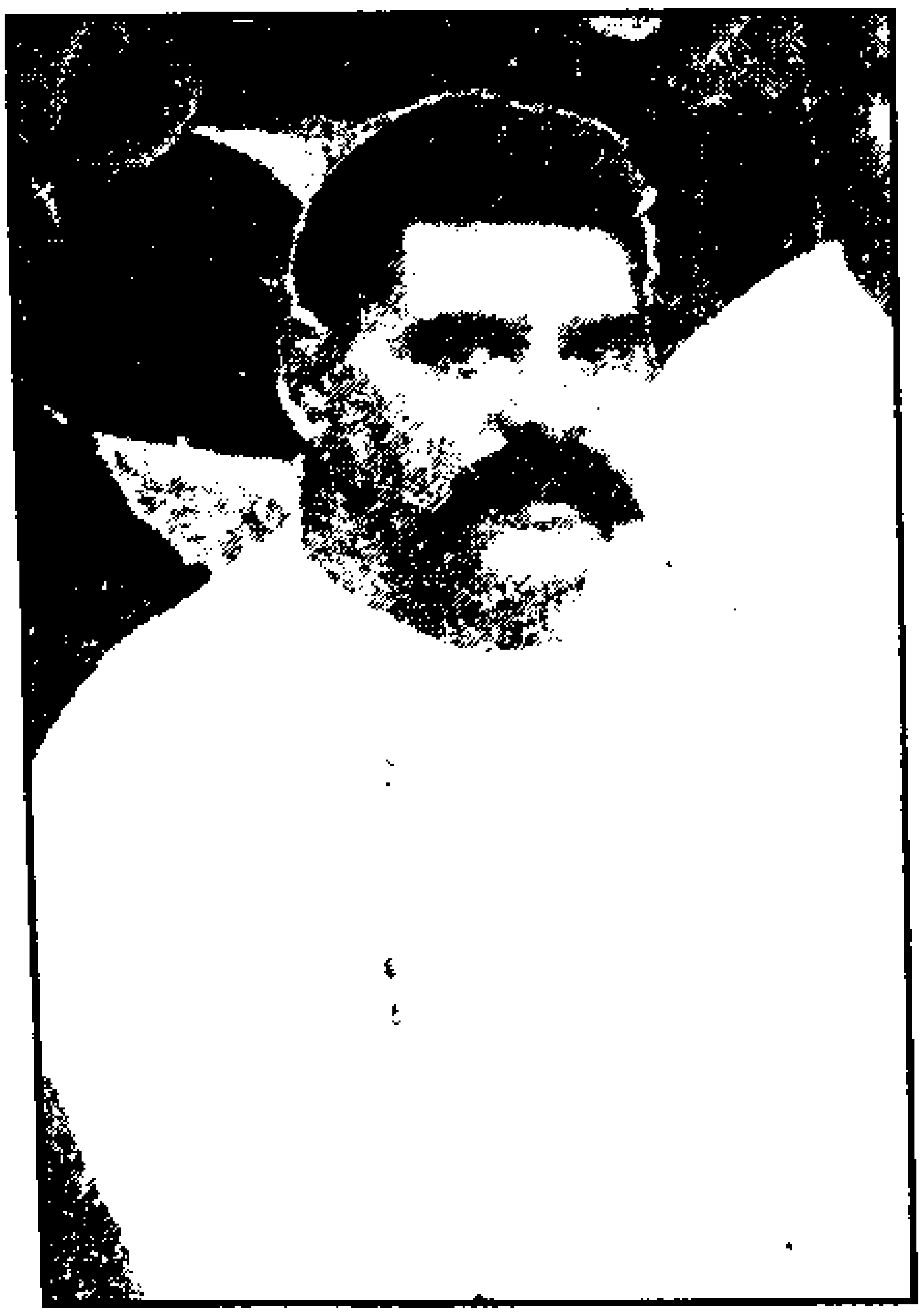
مولانا سید احمد دہلویؒ



خواجہ حسن نظامی مرحوم



مولانا ذکاء اللہ دہلویؒ



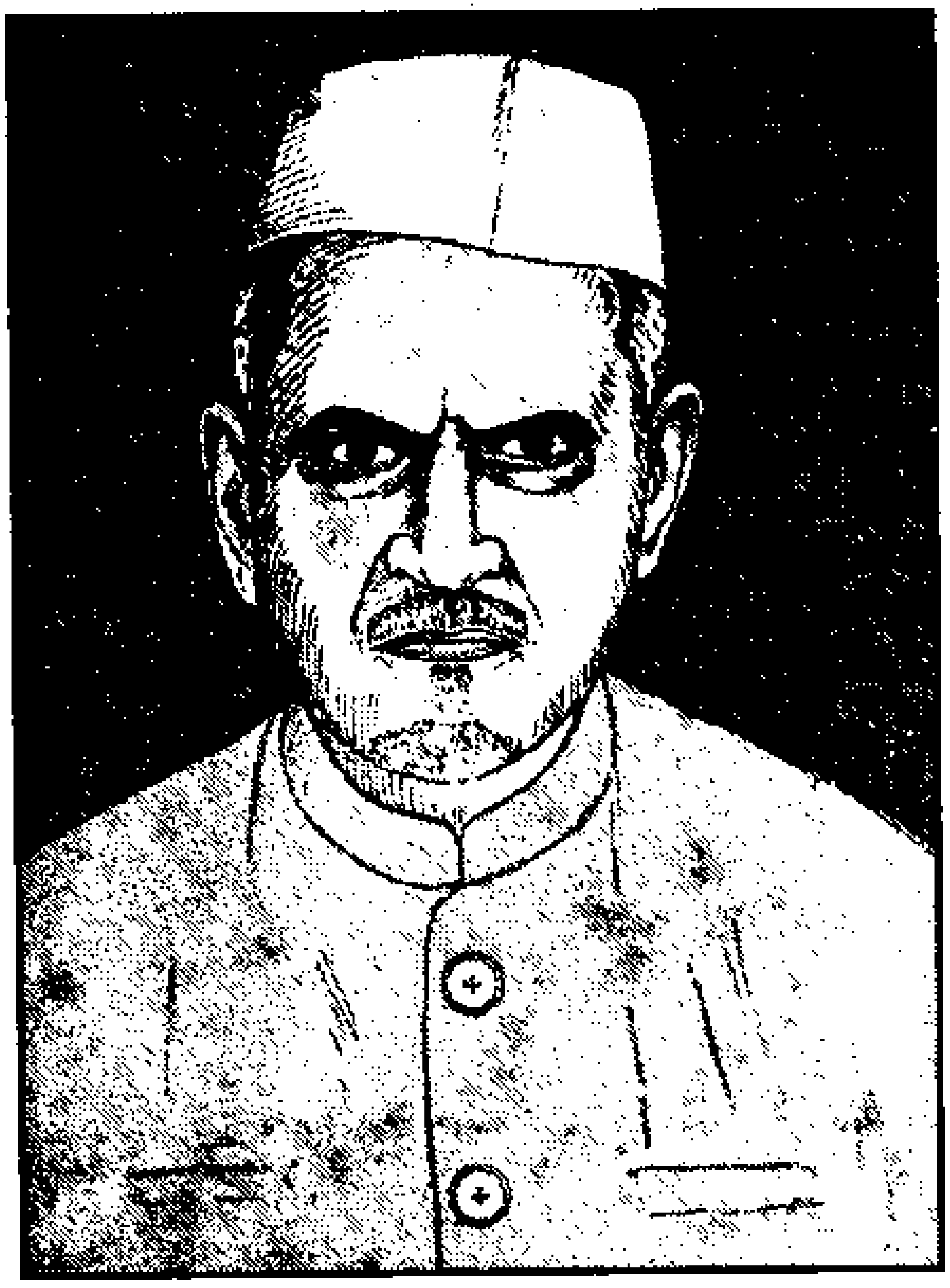
رستم زماں گاما پہلوان



شاعرِ بے باک علامہ انور صابری دیوبندیؒ، جن کا یہ شعر تقسیم ہند سے پہلے بہت
مشہور ہوا:

حرفِ حق زباں پہ لانے سے ڈرتا ہے
مرید تھانوی ہے تھانے سے ڈرتا ہے

یہ شعر حرف بہ حرف صادق آتا ہے۔



حافظ محمد ابراہیم دہلویؒ
(ایک نیشنلسٹ مسلمان)



آزاد کے مجاہد مولانا مظہر علی اظہر مرحوم



محترم حافظ رشید احمد مدظلہم
(تفسیر کشف الرحمٰن کے ناشر اور مکتبہ رشیدیہ کراچی
کے نگران اعلیٰ)



حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے استاذ (خوش
نویسی میں) استاذ محمد یوسف دہلویؒ کے والد منشی محمد
الدین الخطاطؒ



حضرت شیخ الاسلام مدنی علیہ الرحمہ کی خدمت میں وزیراعظم ہند جواہر لال نہرو — دونوں رہنماؤں نے تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔



حضرت مولانا قاضی سجاد حسینؒ اور حکیم عبدالحمید دہلویؒ



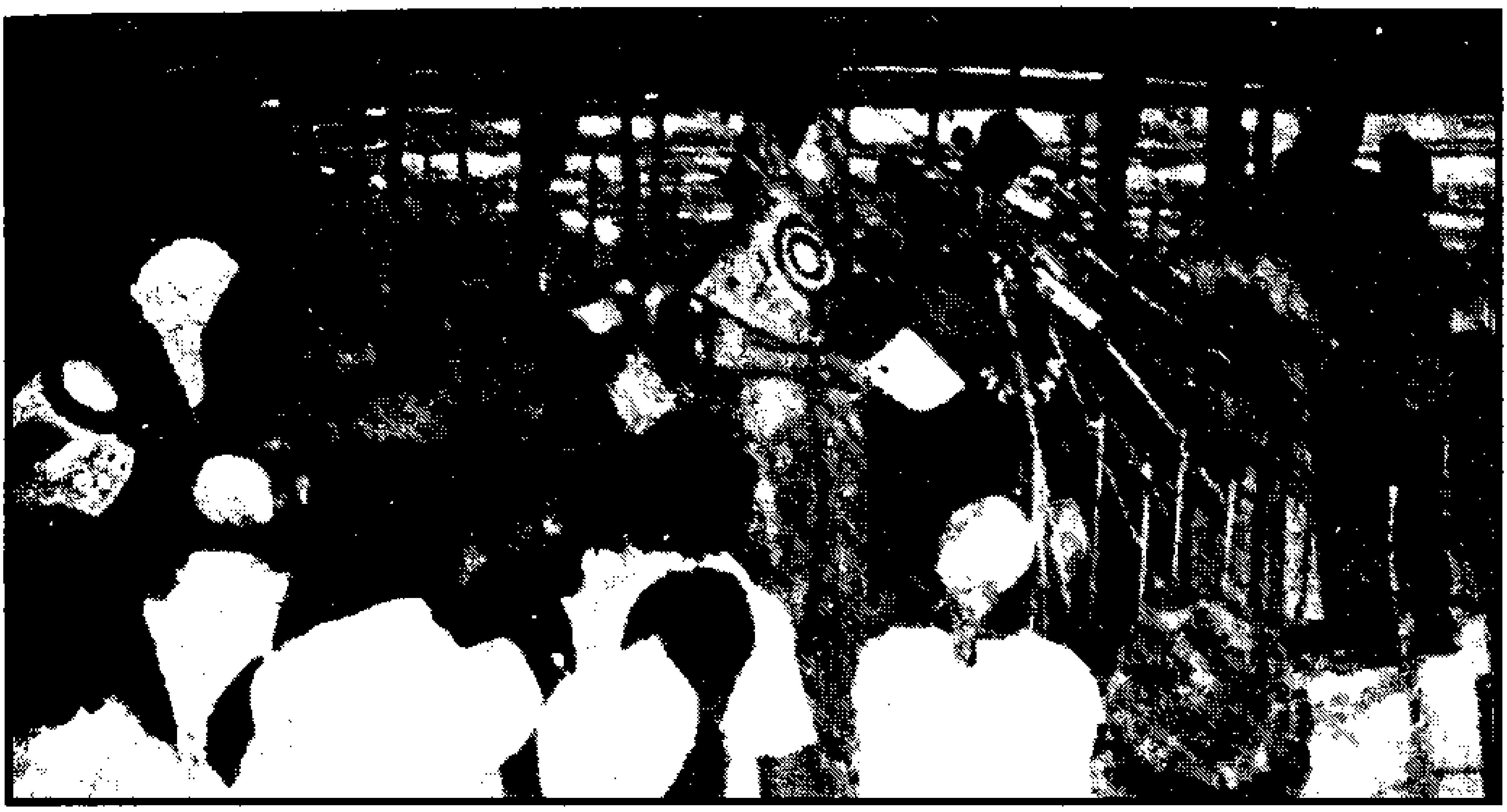
وزیر داخلہ گوبند ولبھ پنت دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ہم راہ۔



ایک یادگار تصویر: مولانا محمد علی جوہرؒ، ڈاکٹر انصاریؒ، ملا واحدیؒ اور مولانا شوکت علیؒ بھی گروپ میں ہیں۔



ایک یادگار تصویر: صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند کا اسٹیج، مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی (آں جہانی) کو دعوتِ خطاب دے رہے ہیں۔ عقب میں حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ، قاری عبدالباسط ابن عبدالصمدؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور اندرا جی بیٹھی ہیں۔ اندرا کے شرکت کے موقع پر پاکستان میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور جماعتِ بریلویہ نے بڑا شور مچایا تھا کہ اندرا کو نہیں بلانا چاہیے تھا۔ جب اندرا نے بہ حیثیت وزیر اعظم شرکت کرنے کے لیے فون کیا تو دارالعلوم کی طرف سے مولانا محمد سالم اور قاضی صاحب میرٹھیؒ دعوت نامہ دینے گئے تھے۔ پاکستان میں بعض لوگوں کا خیال تھا اور ہے کہ اندرا کی آمد حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ کی وجہ سے ہوئی، یہ بالکل غلط ہے۔



سابق وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی دارالعلوم دیو بند کے صد سالہ اجلاس میں اپنے تاثرات کا اظہار کررہی ہیں۔



صد سالہ اجلاس کے موقع پر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم خطاب فرمارہے ہیں۔
حضرت حکیم الاسلامؒ ہمہ تن گوش ہیں۔



بانئ پاکستان کے مرنے کے بعد ان کی تجہیز و تکفین فاطمہ جناح صاحبہ نے شیعہ مذہب کے مطابق کرائی اور نماز جنازہ اپنے مذہب کے مطابق پڑھوا کر مسلمانانِ پاکستان کے حوالے کر دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے افضل المفسرین حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے جنازہ پڑھایا۔ مولانا تدفین کے انتظار میں کھڑے ہیں۔



امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا آخری زمانہ



۱۳؍جولائی ۱۹۵۷ء کو صدر ہند راجندر پرشاد دارالعلوم دیوبند کے دورہ پر گئے۔ اس موقع پر صدر العلماء حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ (سفید عمامے اور کالی داڑھی میں) اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نادر کتابیں دکھا رہے ہیں۔



سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف
حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ



مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ



شیخ فضل مبین اور شیخ محمد عمر لیس والے



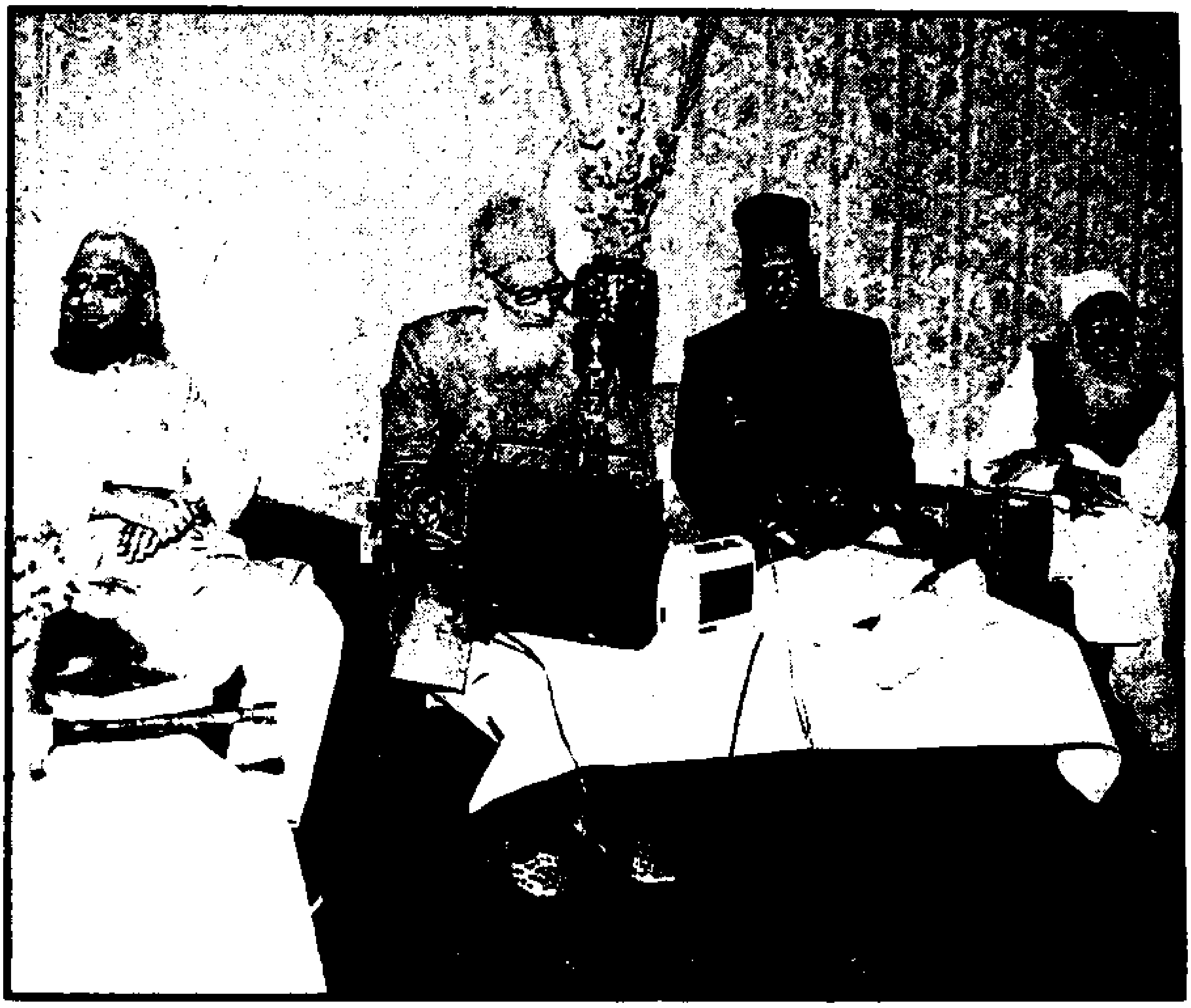
جانشین حضرت شیخ الاسلامؒ۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ
راول پنڈی کے ہوائی میدان پر مقامی علما کے ہم راہ۔ حضرت کے عقب میں شیخ
القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ ہیں۔



حضرت قاری سید حامد حسینؒ شکار کے شوق میں



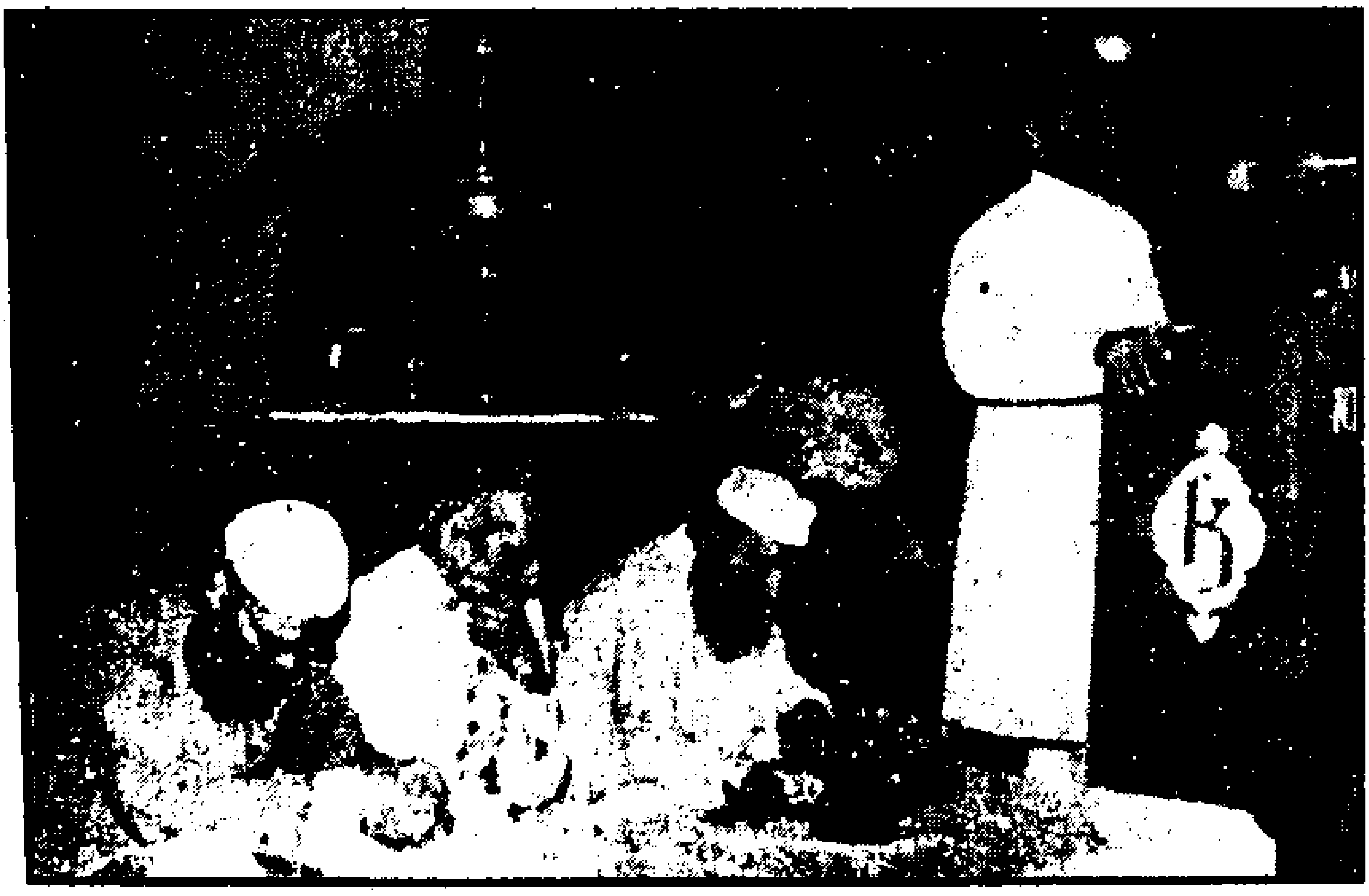
حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہٗ نے موضح الفرقان کا ہندی ترجمہ فرمایا۔ اس کی تقریب
رونمائی کے موقع پر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم، صدر جمہوریہ ہند
اور ان کے درمیان حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہٗ



(دائیں سے) حضرت قاری سراج احمدؒ (تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) مولانا قاضی عبدالرحمٰنؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور مولانا محمد سالم قاسمی۔



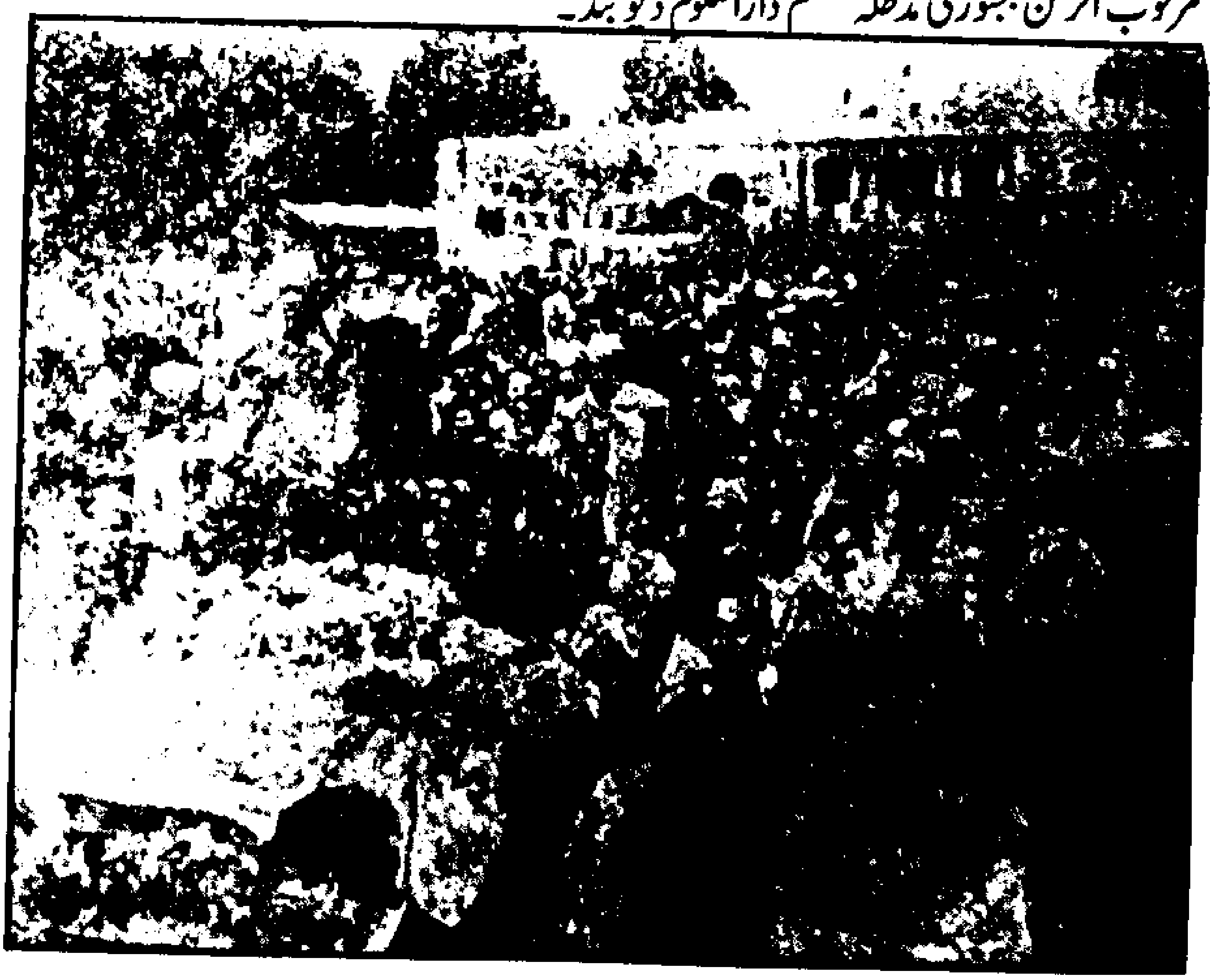
امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ۔تقریر کا ایک انداز



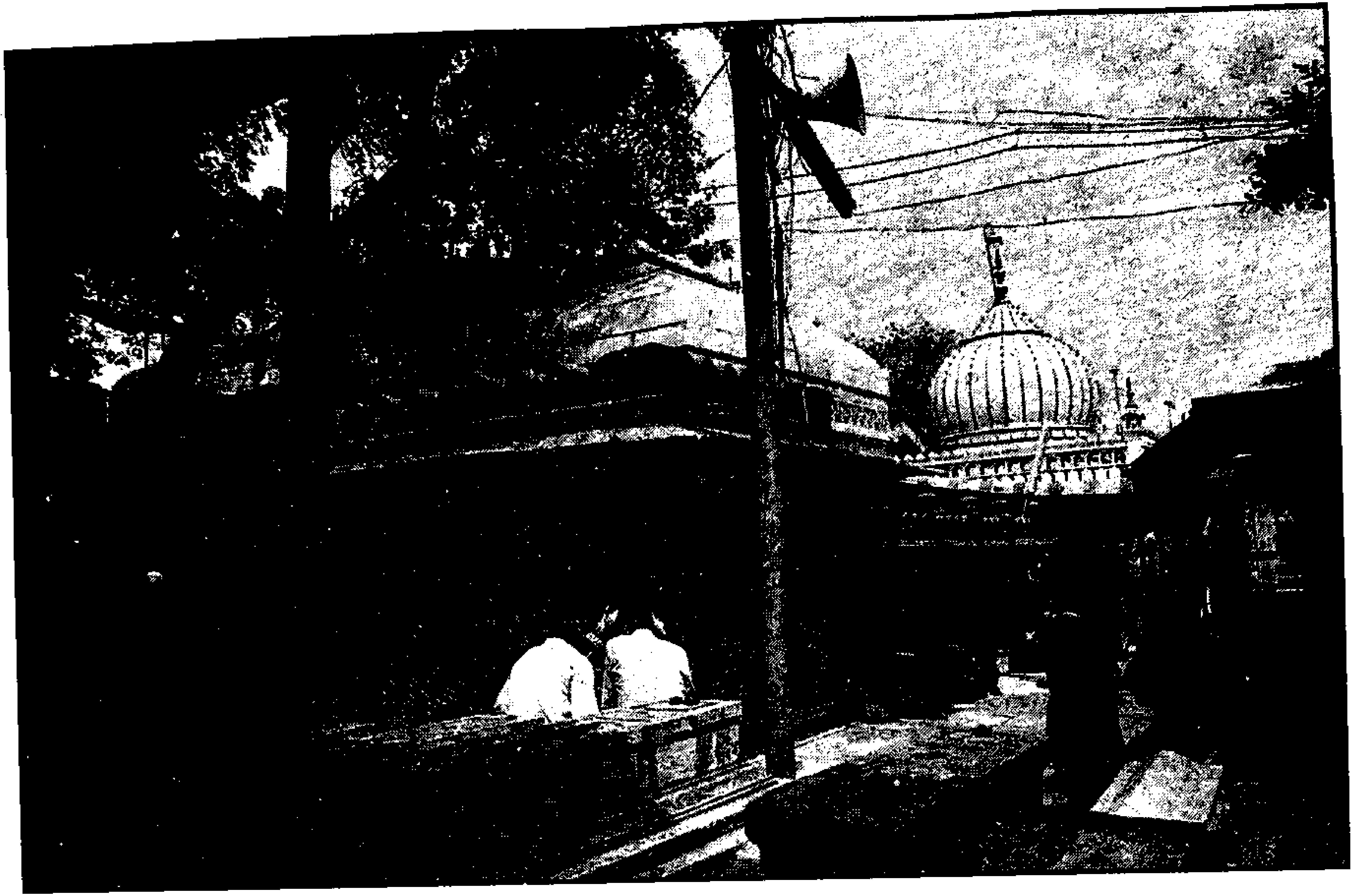
شام ہمدرد میں حکیم محمد سعیدؒ تقریر کرتے ہوئے۔مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا محمد تقی عثمانی بیٹھے ہوئے ہیں۔



حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ ، حضرت مولانا سید اسجد مدنی مدظلہٗ اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیو بند۔



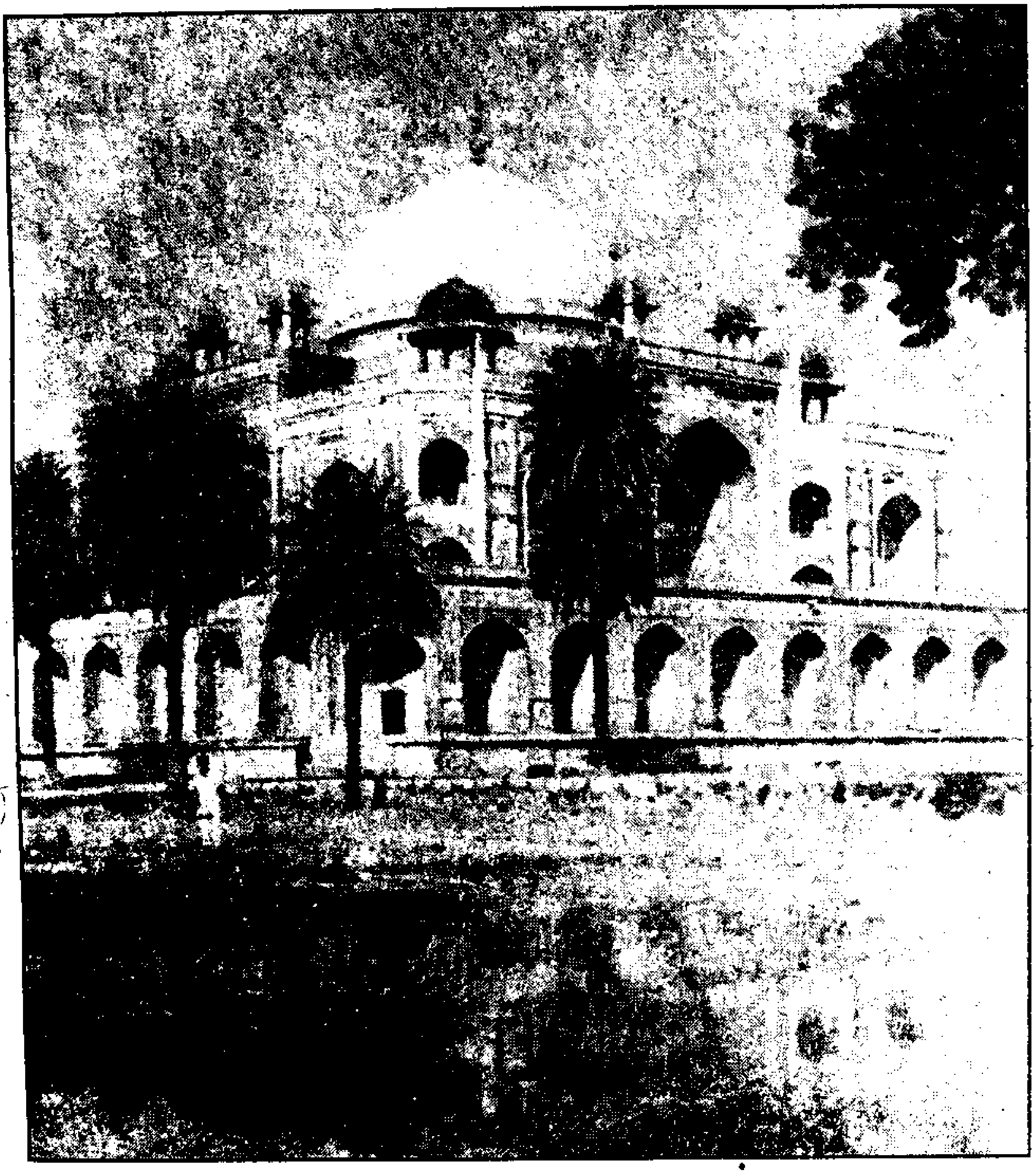
مولانا ابوالکلام آزادؒ کے جنازے کے جلوس کا ایک منظر۔ مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور نہرو نمایاں ہیں۔



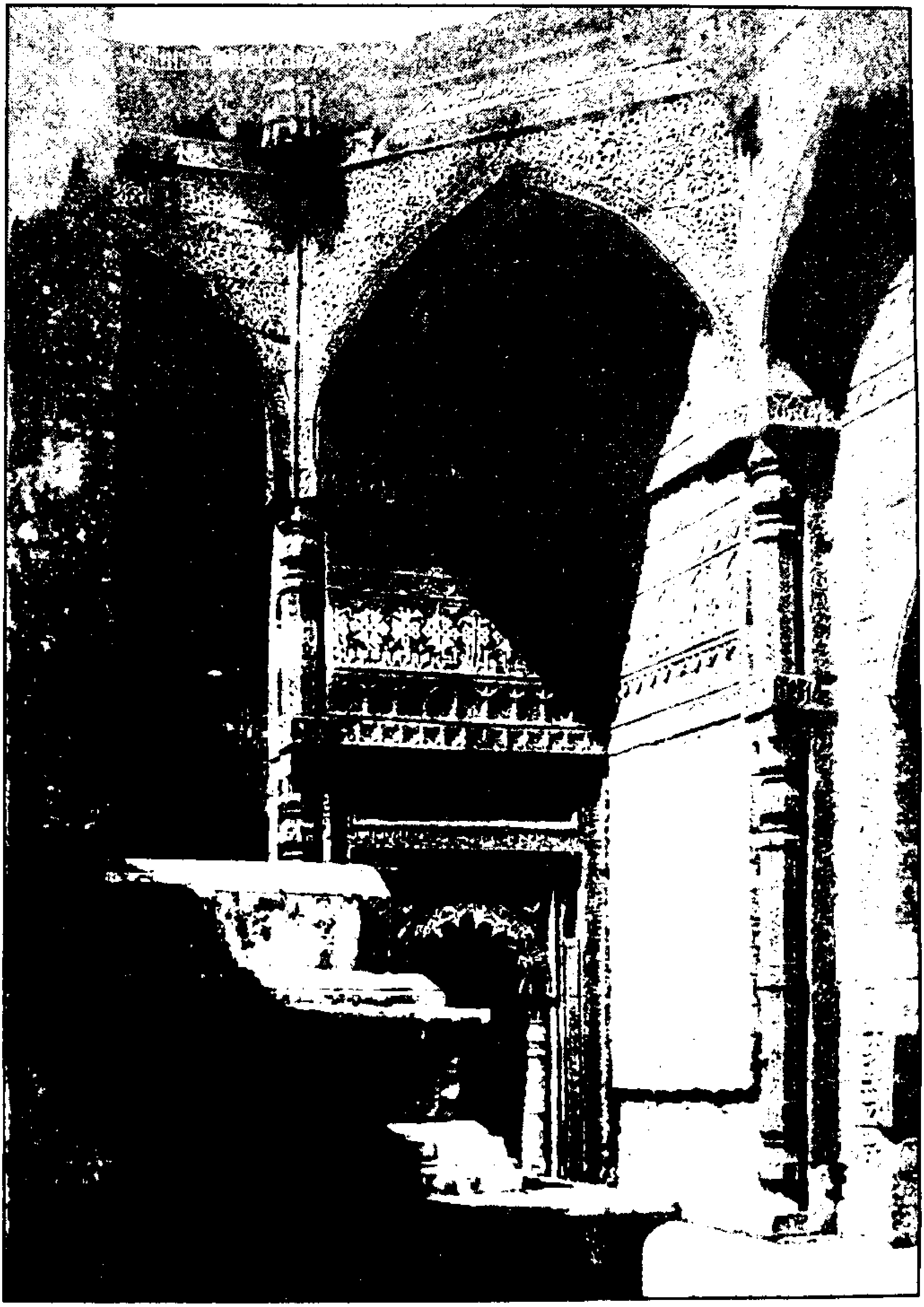
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا مزار اور اس کے باہر حضرت امیر خسروؒ کا مزار



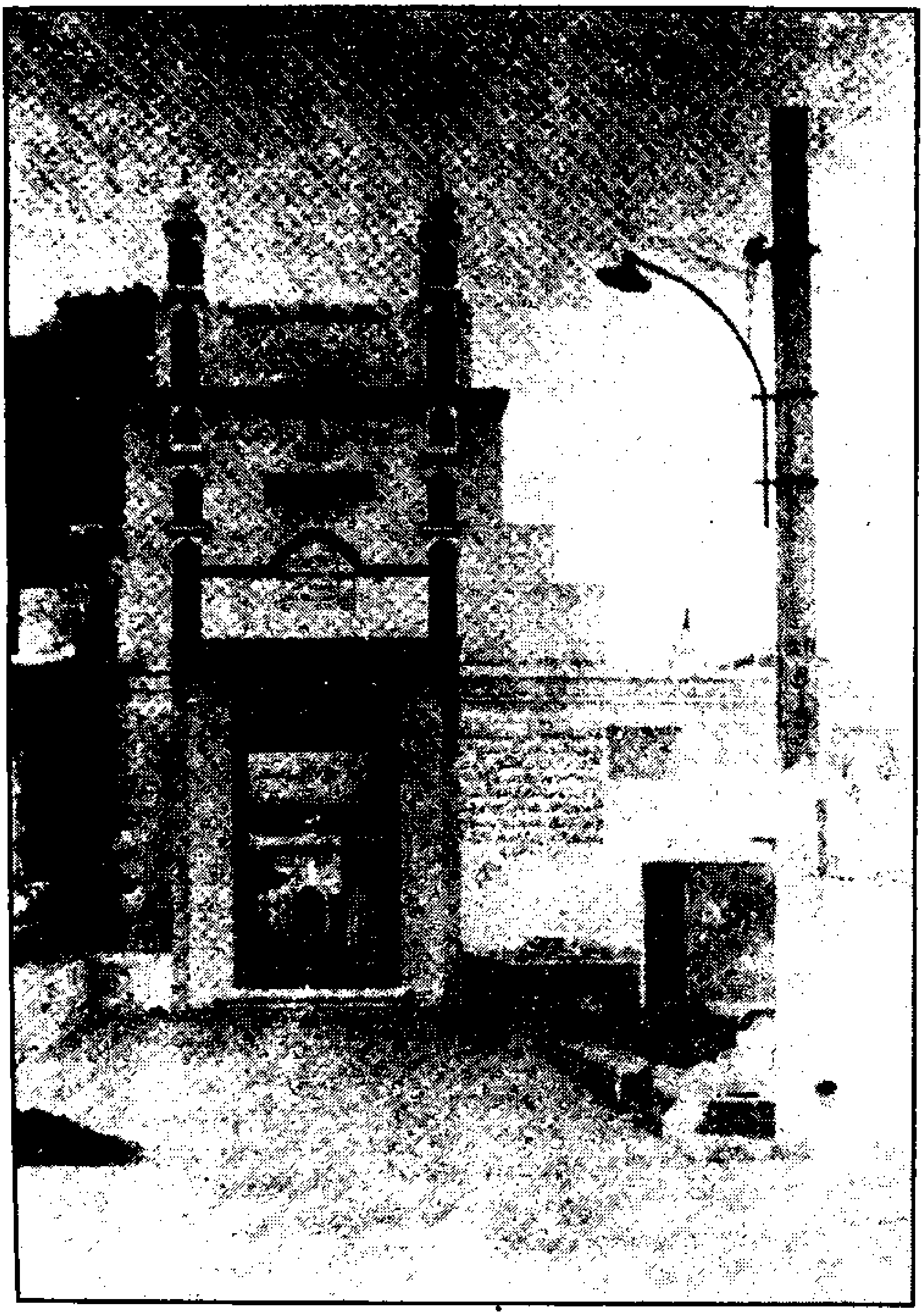
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار مبارک دو مناظر



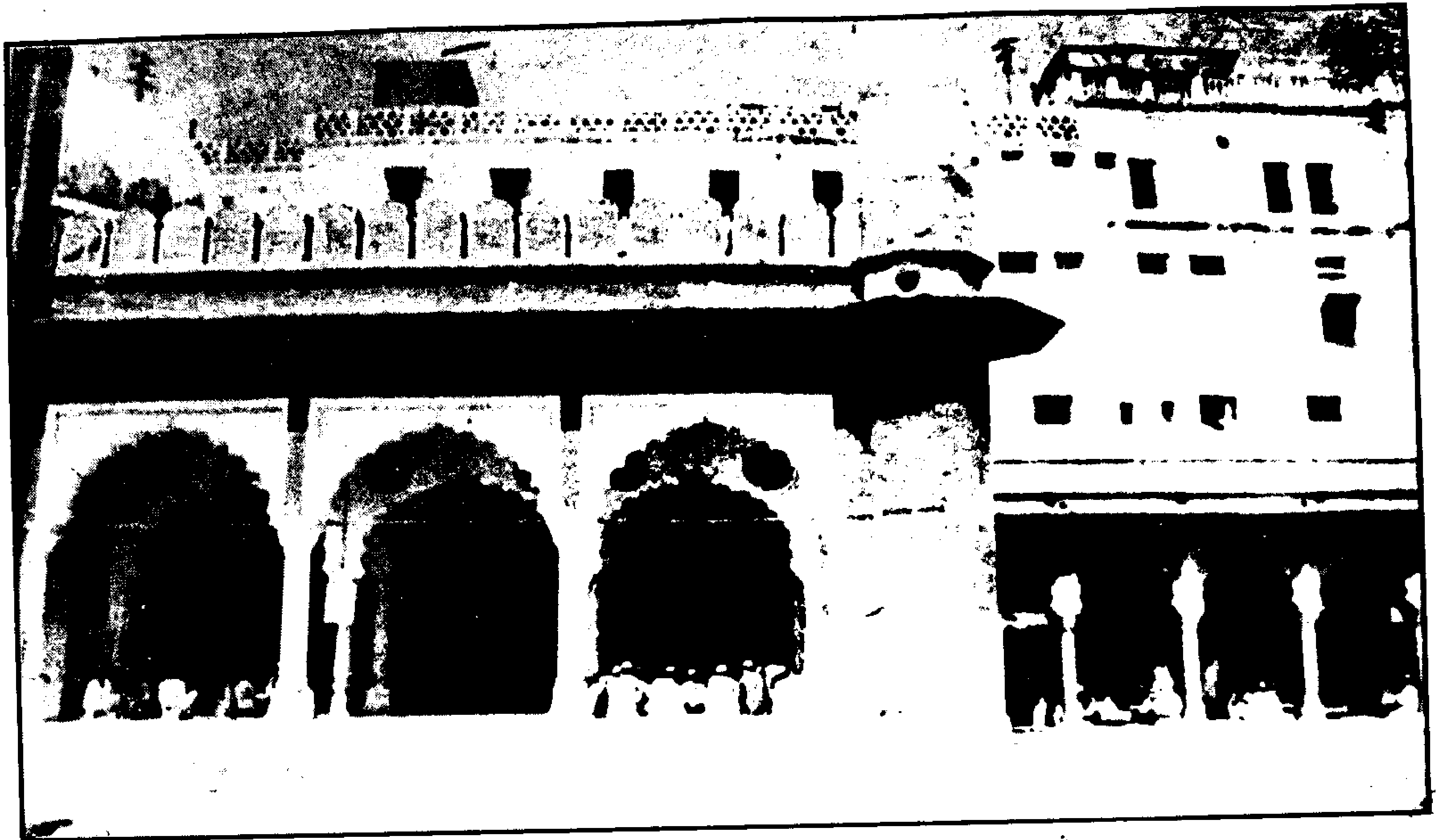
بستی نظام الدین کے سامنے ہمایوں کا مقبرہ۔ اس مقبرے میں ہمایوں کے علاوہ ۱۵۷ شاہ زادے اور شاہ زادیاں مدفون ہیں۔ اس مقبرے کے ایک کمرے سے ملعون انگریز نے بہادر شاہ ظفرؒ کو گرفتار کیا تھا۔



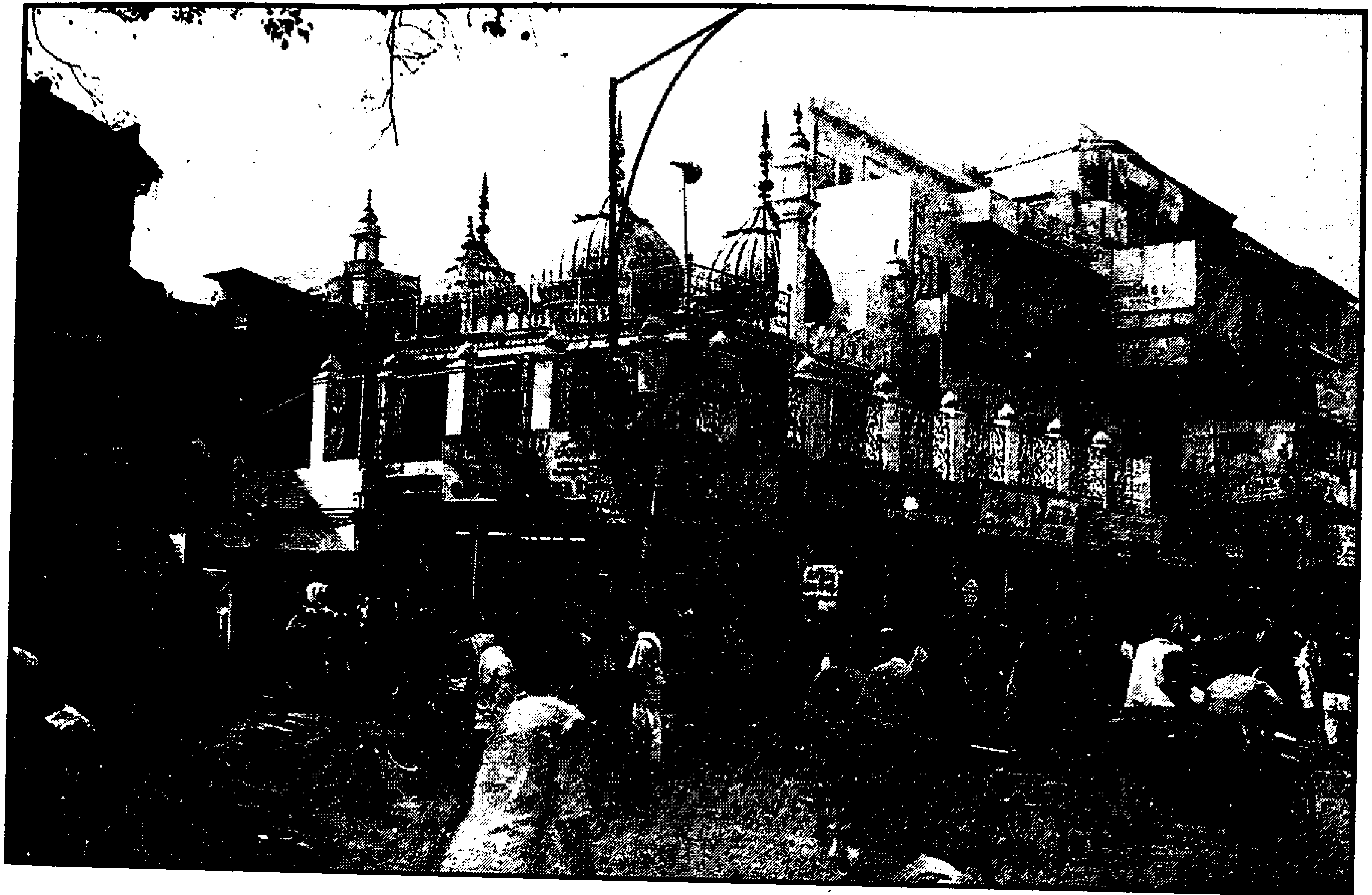
مسجد قوت الاسلام کے احاطے میں سلطان شمس الدین التمشؒ کی قبر



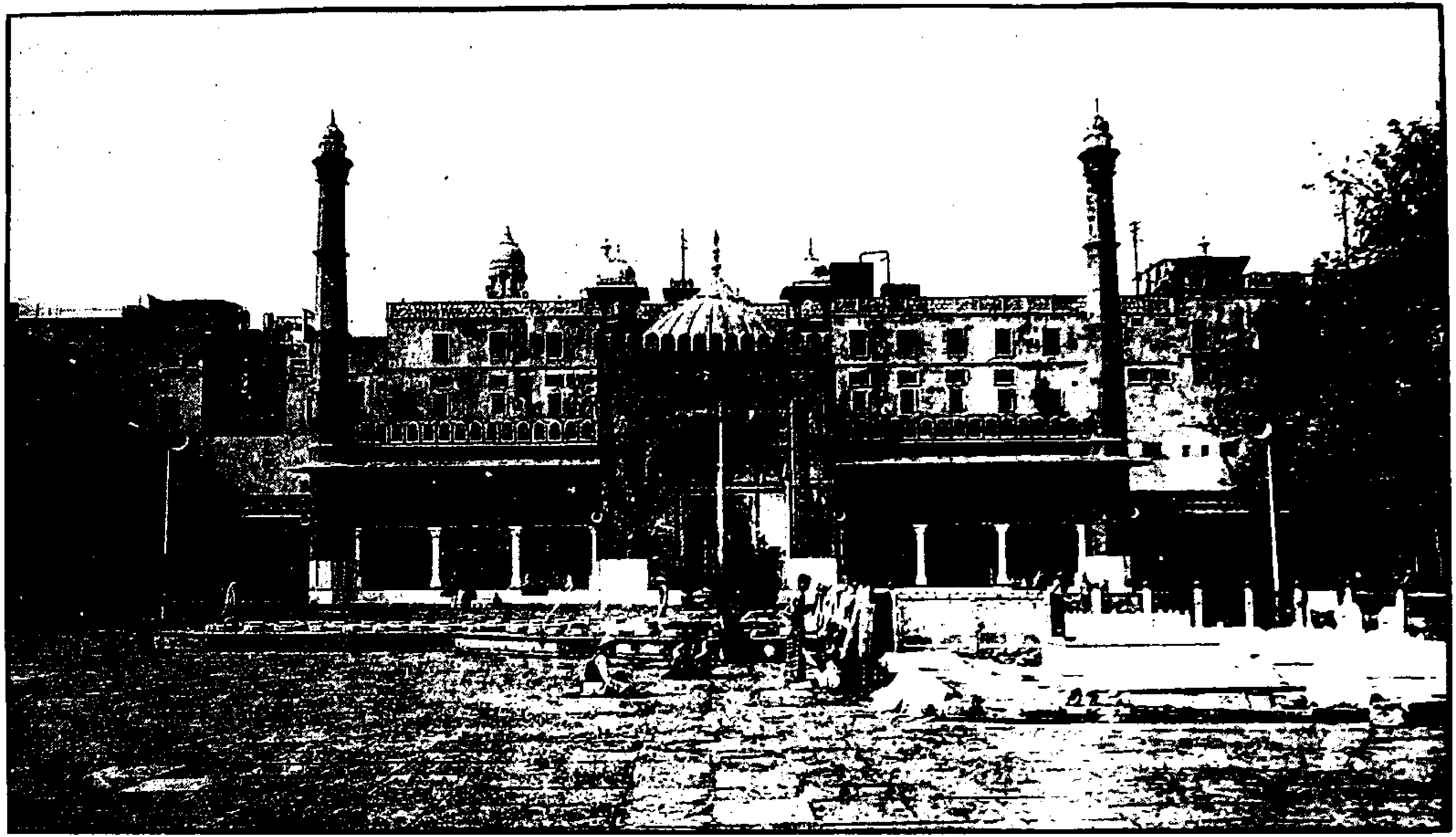
قبرستان مہندیان کا صدر دروازہ



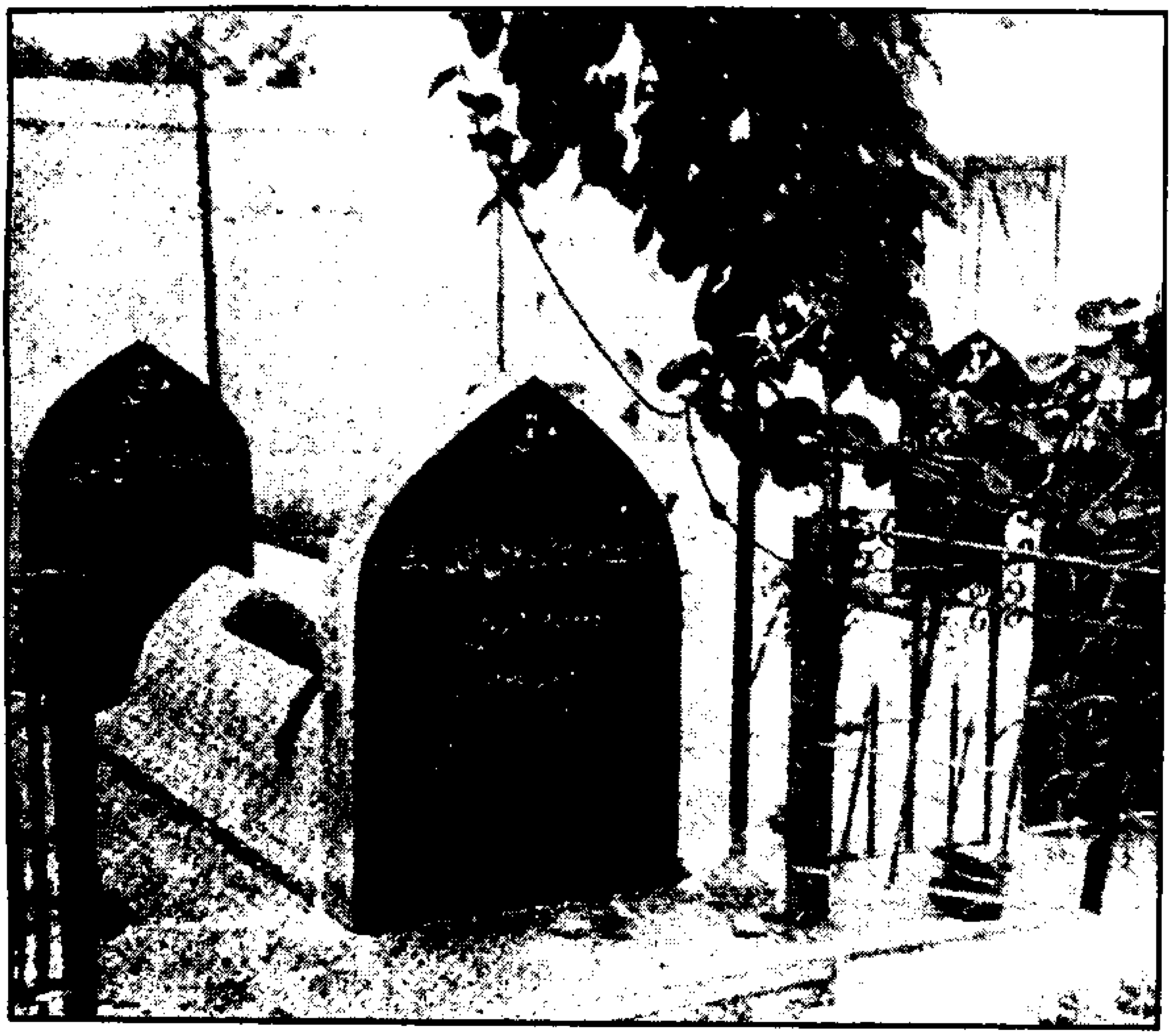
مسجد فتح پوری دہلی میں مدرسۂ عالیہ کا ایک منظر۔ آجکل اس کے مہتمم صاحب ''دلی کی برادریاں'' ہیں۔



سنہری مسجد چاندنی چوک، دہلی



مسجد فتح پوری کا دل کش منظر



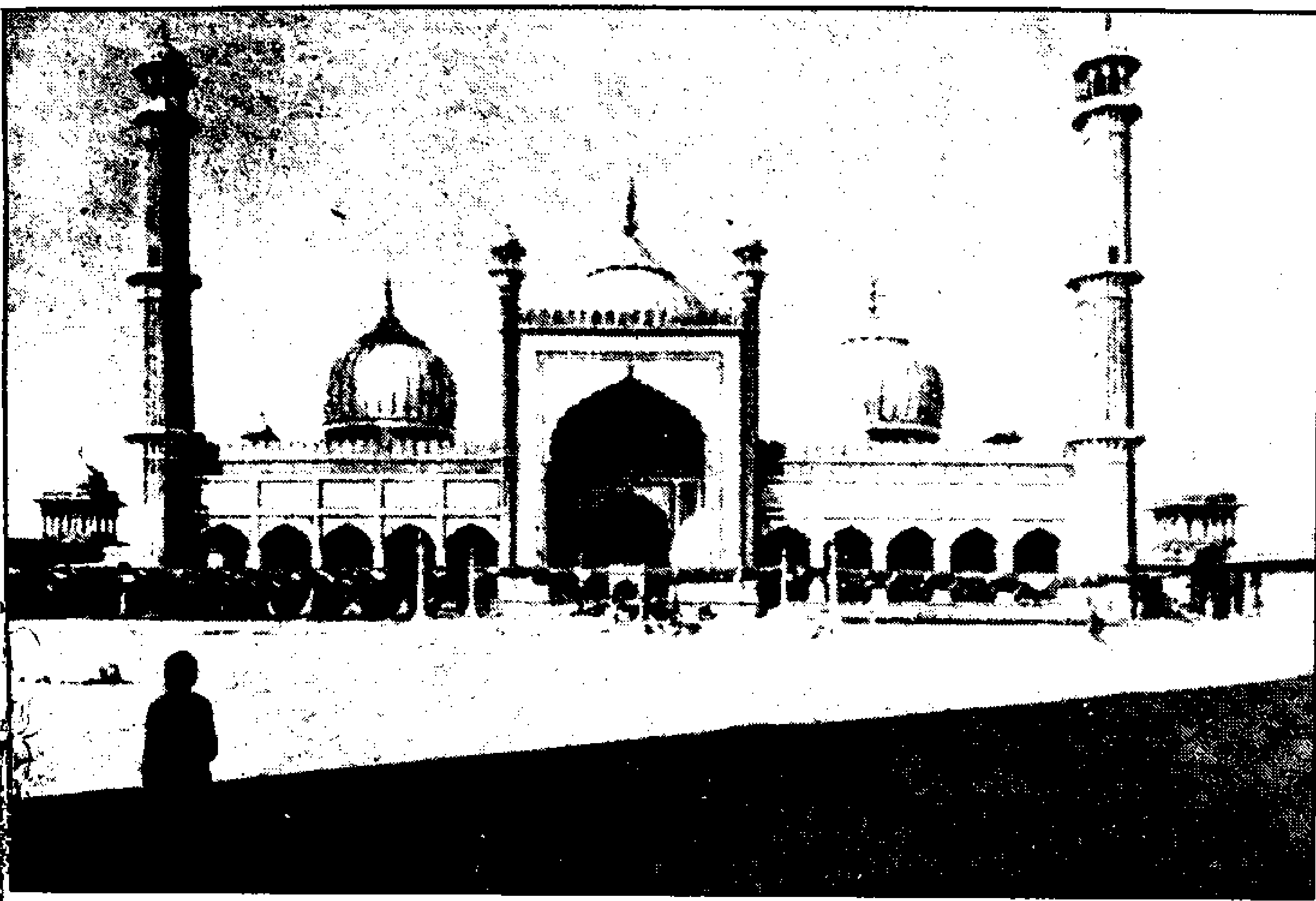
قبرستان مہندیوں میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادے کی قبریں۔



مسجد قوت الاسلام، دہلی کا منظر اور قطب کی لاٹ



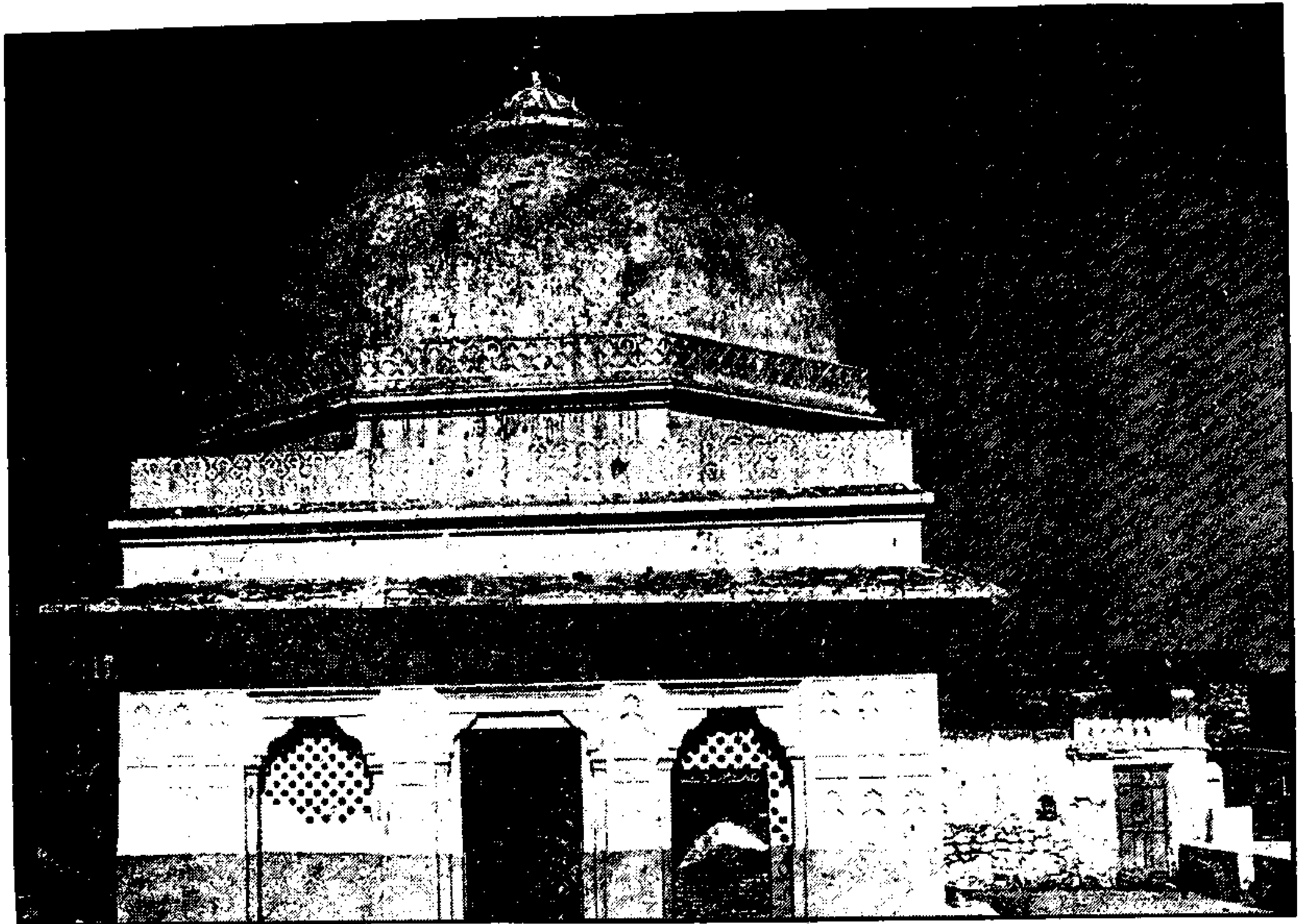
دہلی میں ترکمان دروازے کے باہر "ٹکھوں کی ڈیڈی" میں خواجہ میر درد
اور ان کے والد خواجہ میر ناصر عندلیب کی قبریں۔



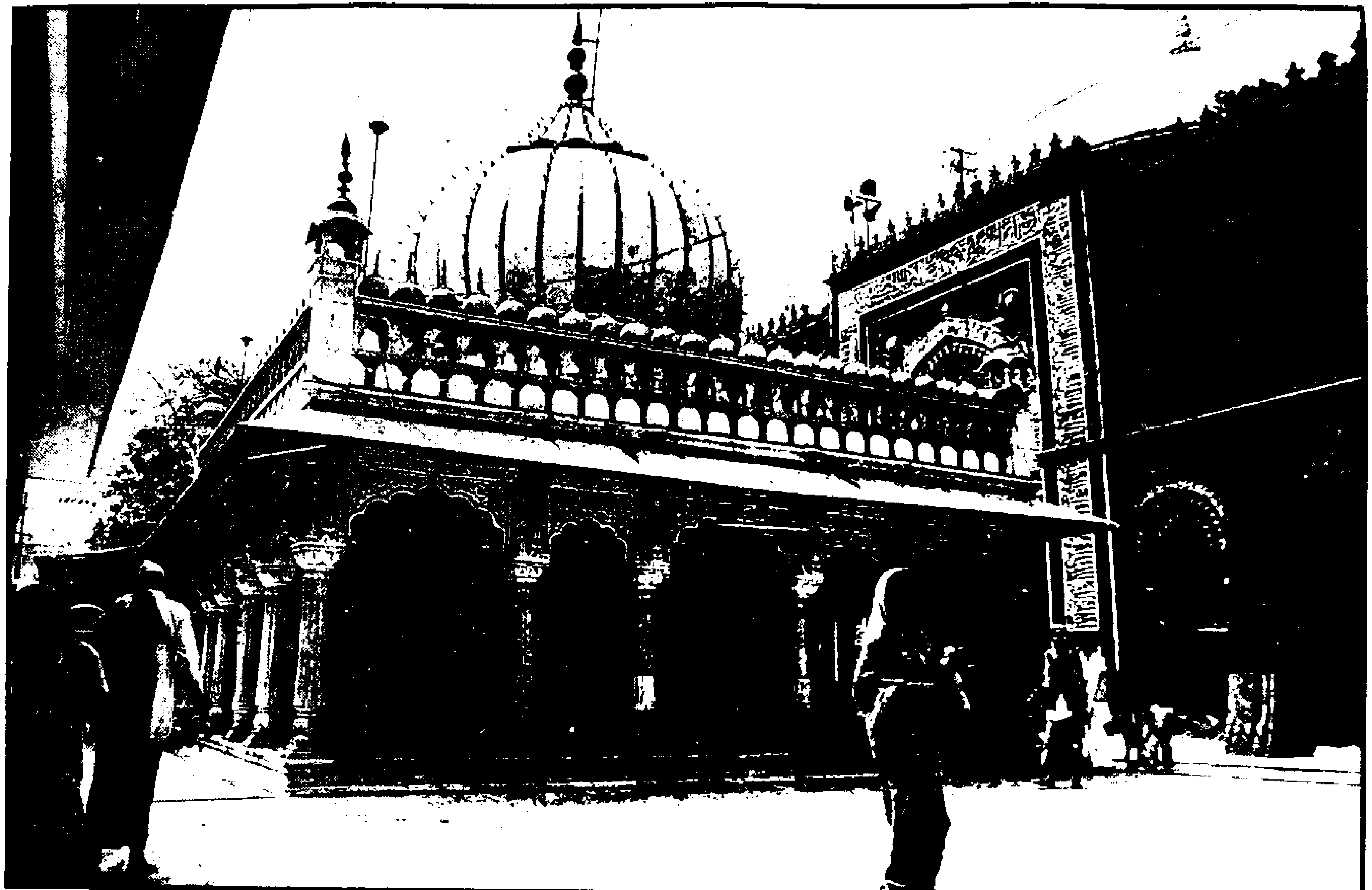
جامع مسجد دہلی کی پُرشکوہ عمارت

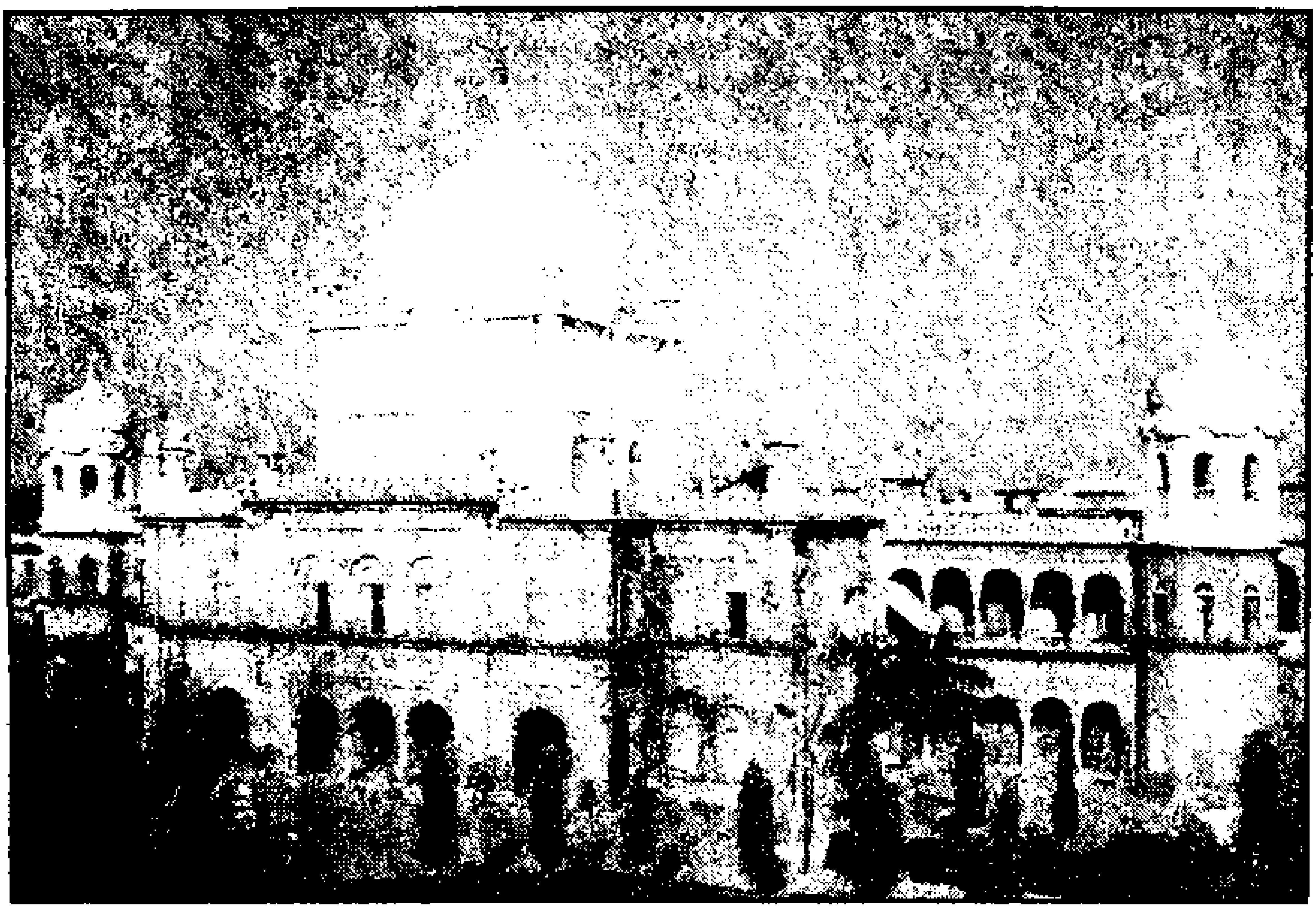


مزار حضرت رسول نماؒ

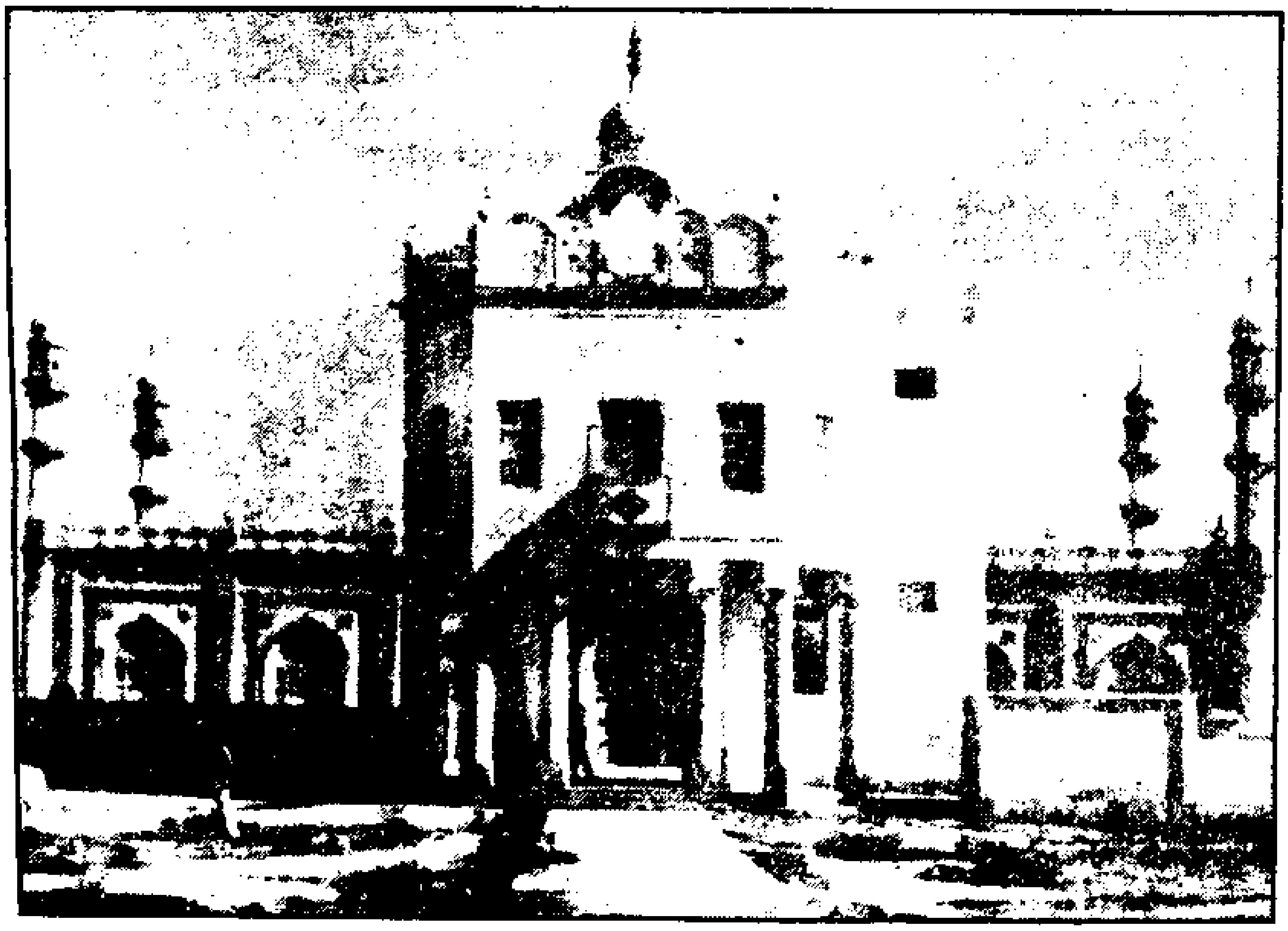


حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مزار مبارک۔


درگاہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء۔ دائیں طرف مسجد ہے۔



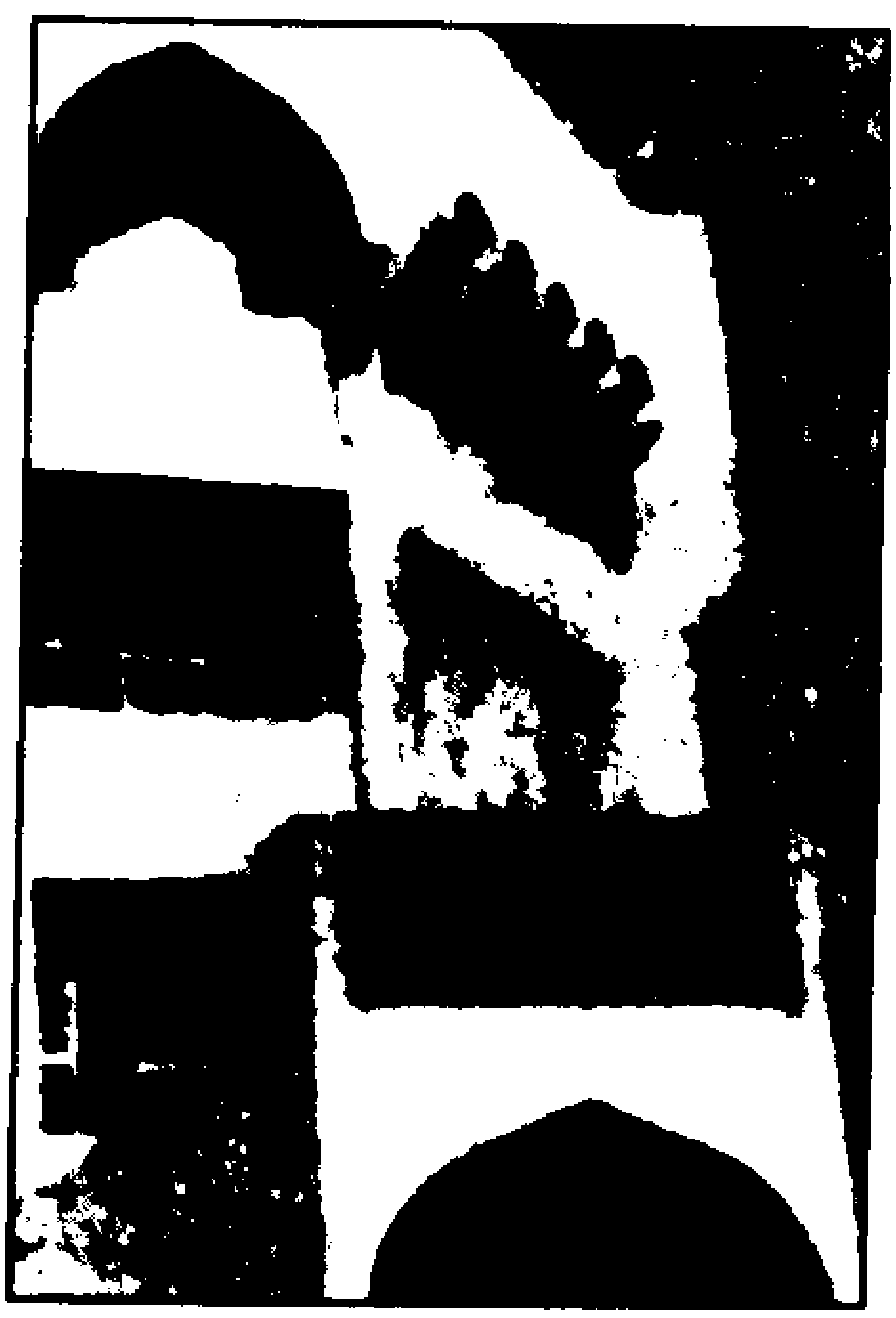
دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث، جہاں حضرت شیخ الاسلامؒ درس حدیث دیا کرتے تھے۔ اسی جگہ زینے پر بیٹھ کر مہمانان رسول نے رسول کا پیغام پڑھا اور دنیا میں اسے پھیلانے کے لیے پھیل گئے۔



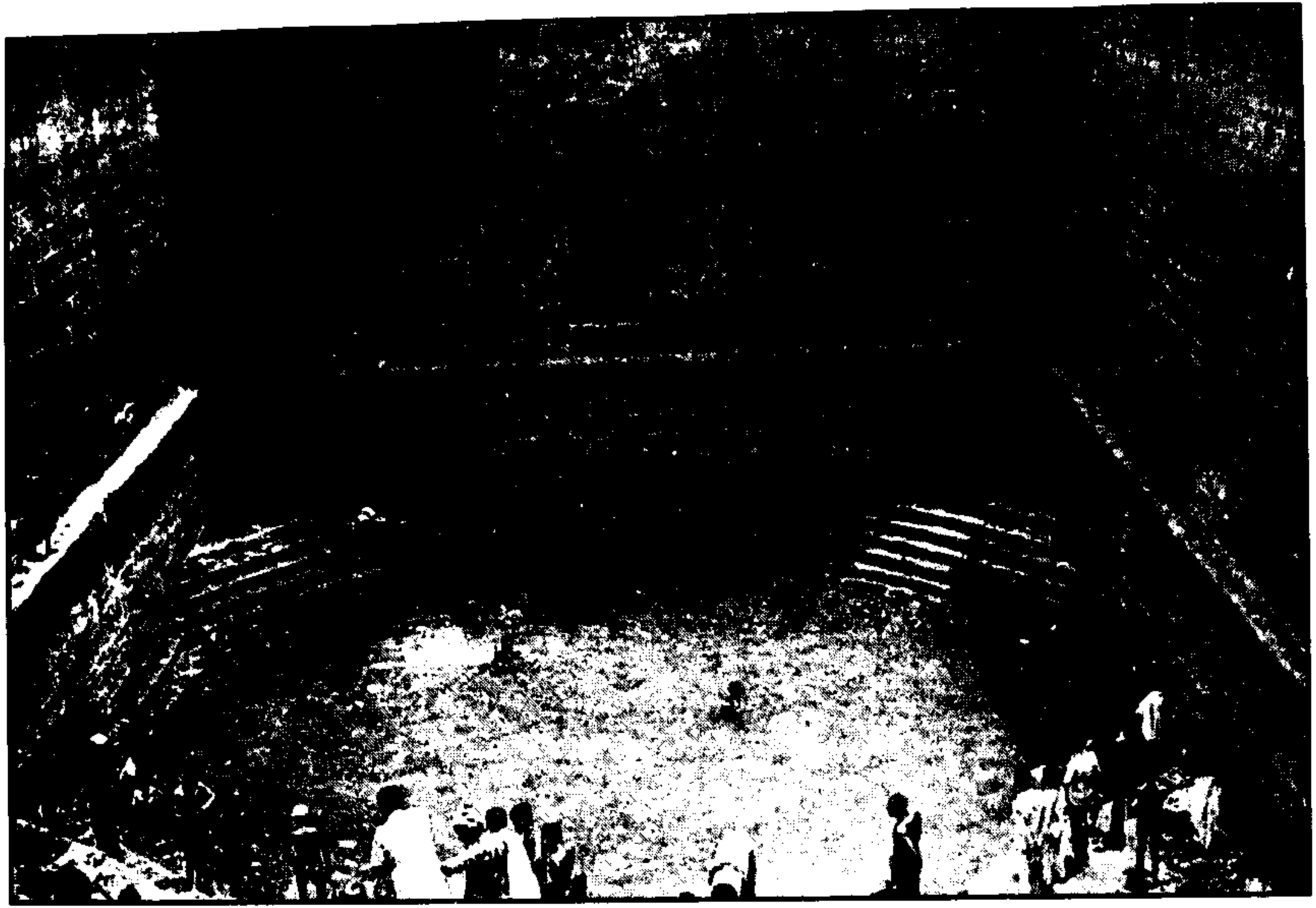
دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار



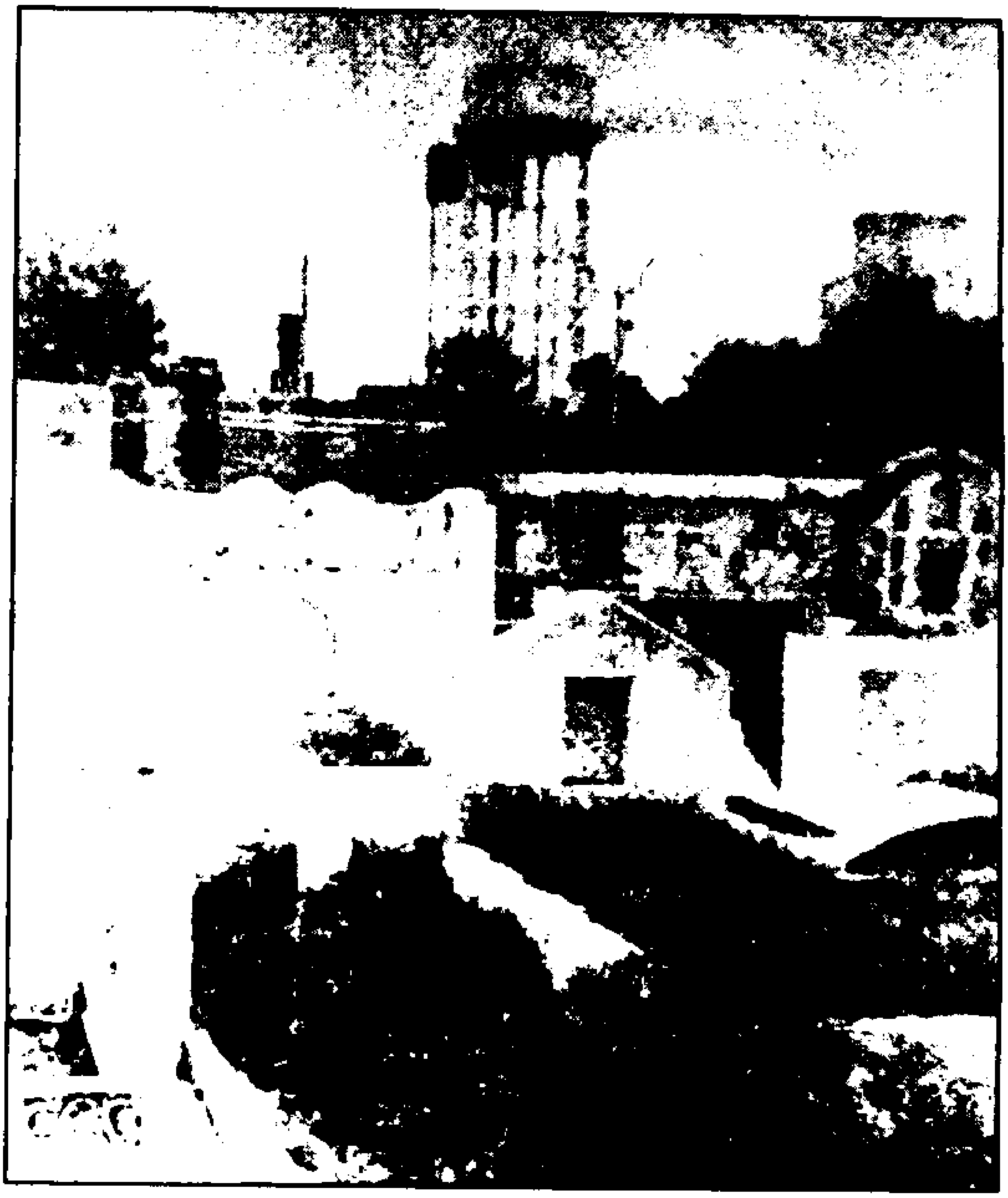
قبرستان قاسمی میں حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی سادہ اور سنت کے مطابق قبریں۔



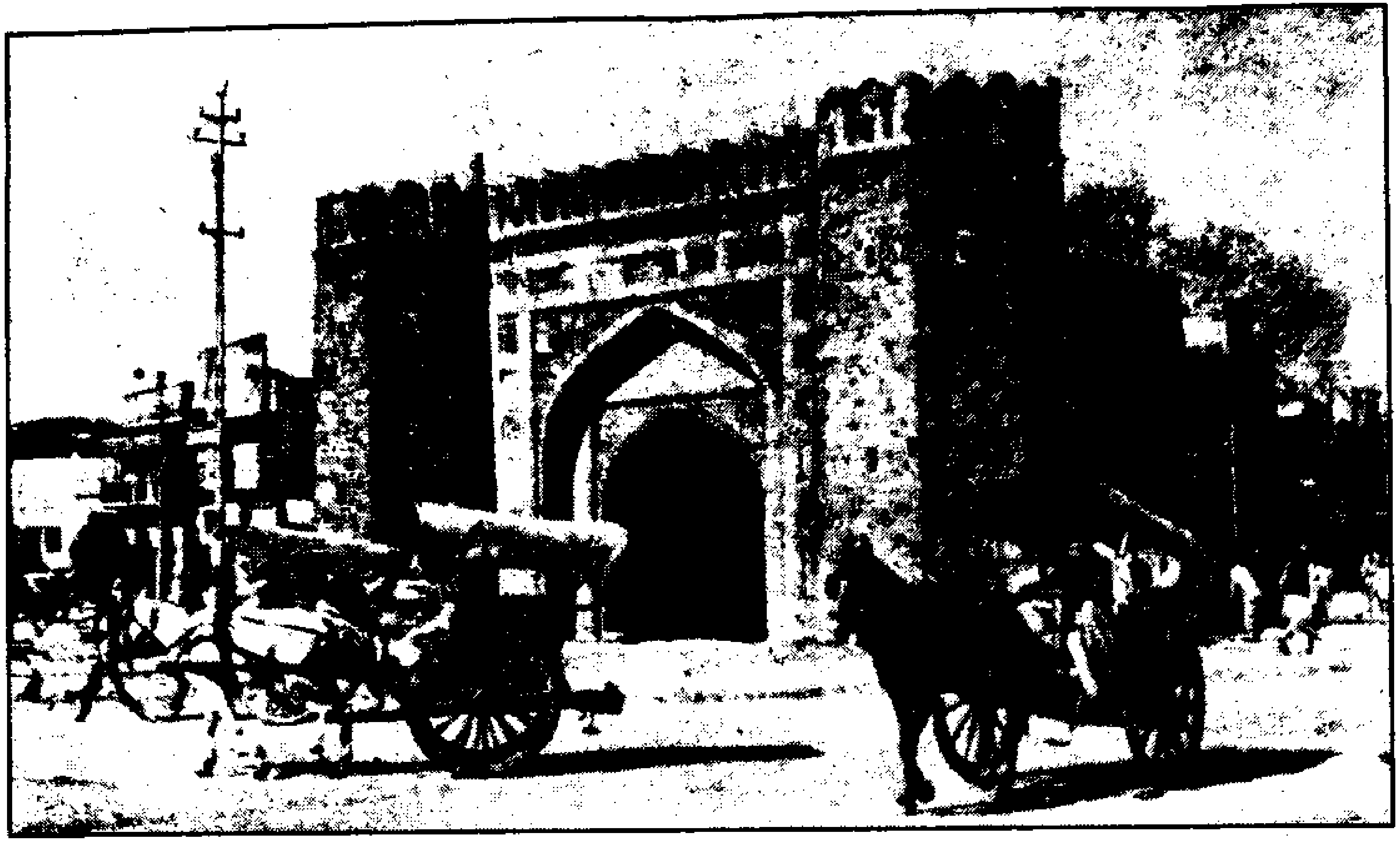
دہلی میں مدنی ہال اور محمودیہ لائبریری



باؤلی درگاہ حضرت نظام الدینؒ اولیا



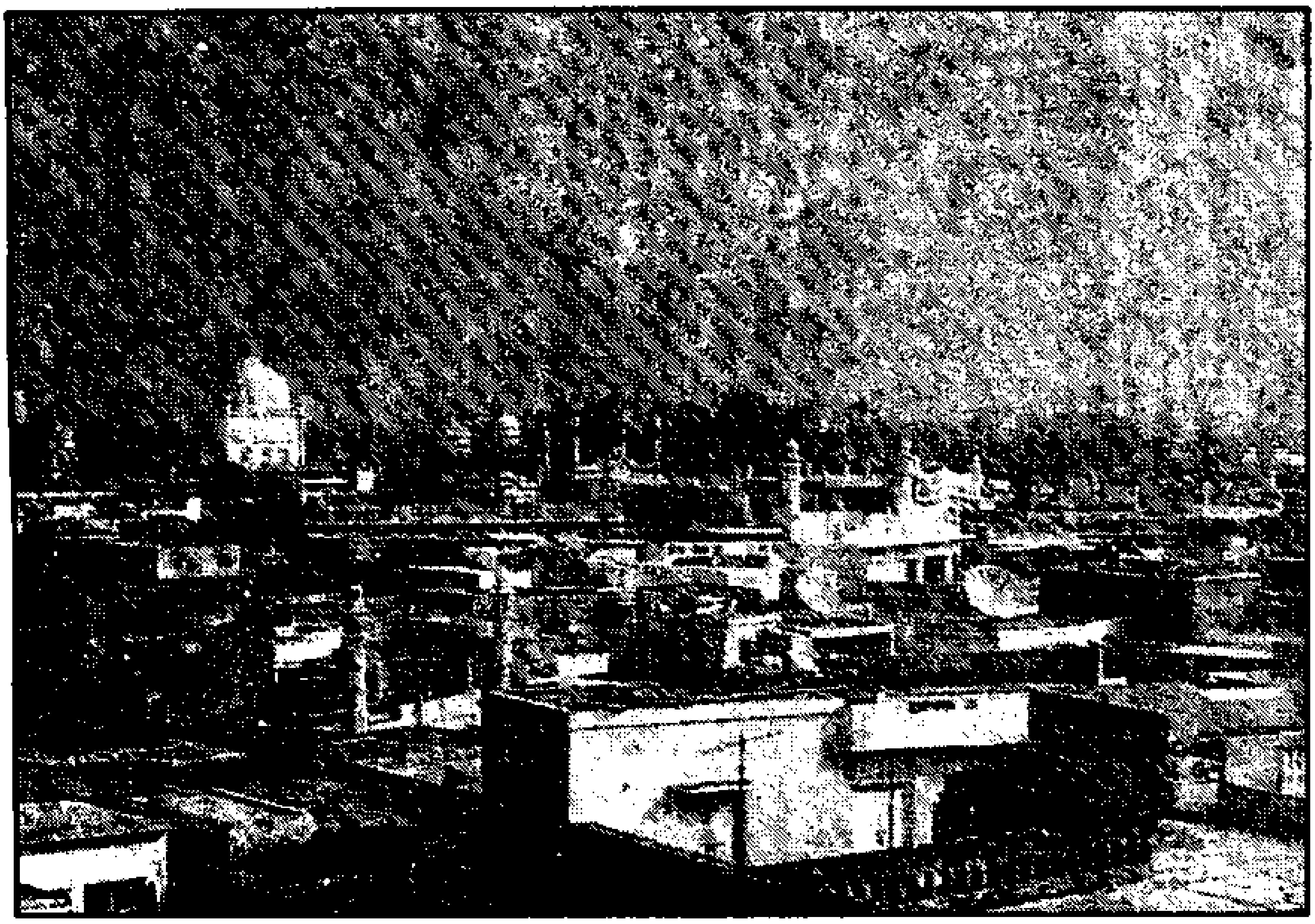
مہندیوں کے قبرستان میں استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کی قبر۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور سرسیّد اُن ہی کے شاگرد تھے۔



اجمیری گیٹ، دہلی: یہ مشہور دروازہ ہے۔ اس کے باہر عربک کالج تھا، جہاں حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور سرسید نے مولانا مملوک العلیؒ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن سرسید پھر بھی منکر حدیث ہی رہا۔ اب یہ ''ذاکر حسین کالج'' ہے۔



مسجد قوت الاسلام کا اندرونی منظر



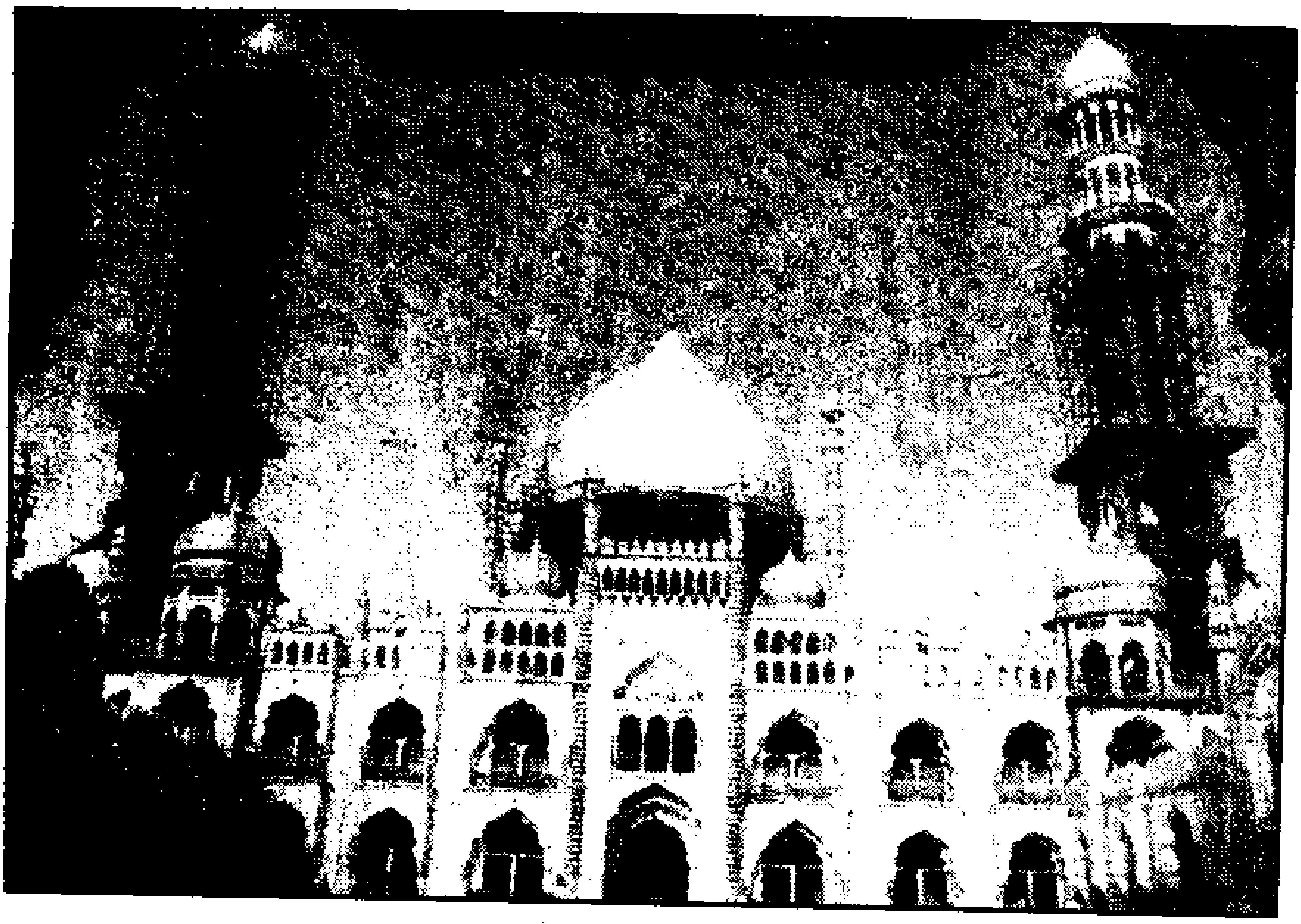
دارالعلوم دیوبند کا شہر سے ایک منظر



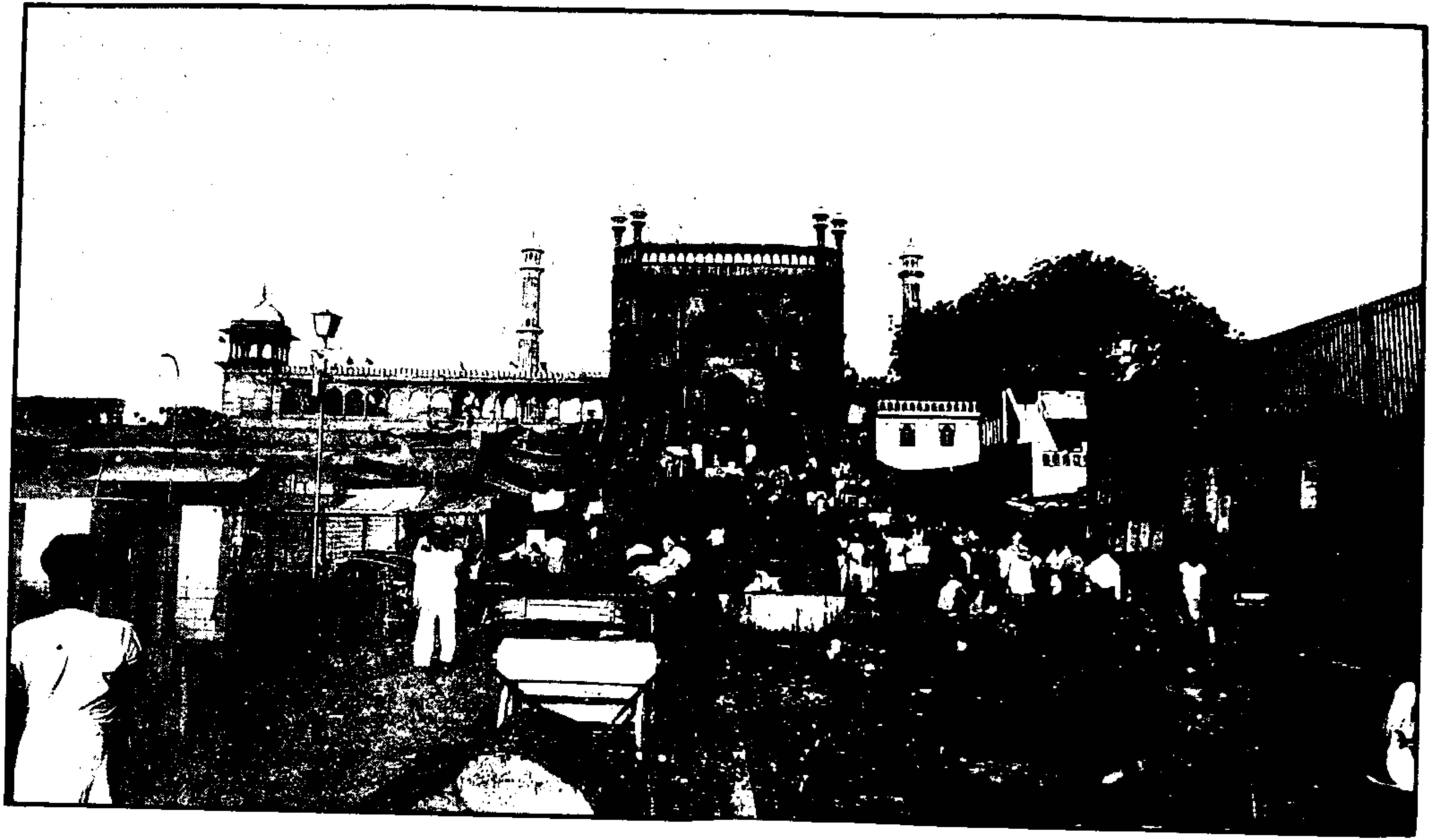
دیوبند میں حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہٗ کی زیرِ سرپرستی مدنی آئی ہسپتال کی عمارت



پرانے قلعے کا دروازہ



دارالعلوم دیوبند کی نئی مسجد "جامع الرشید"- یہاں پہلے پانی کا تالاب تھا جو حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے مکان اور دارالعلوم کے درمیان حد فاصل تھا۔ حضرت کشمیریؒ کے انتقال پر اس جگہ سے لوگوں نے رونے کی آواز سنی ہے۔ آج یہ جگہ سجدہ گاہ مؤمن بنی ہوئی ہے۔



دہلی کی جامع شاہجہانی مسجد کا صدر دروازہ اور اس کے باہر مینا بازار



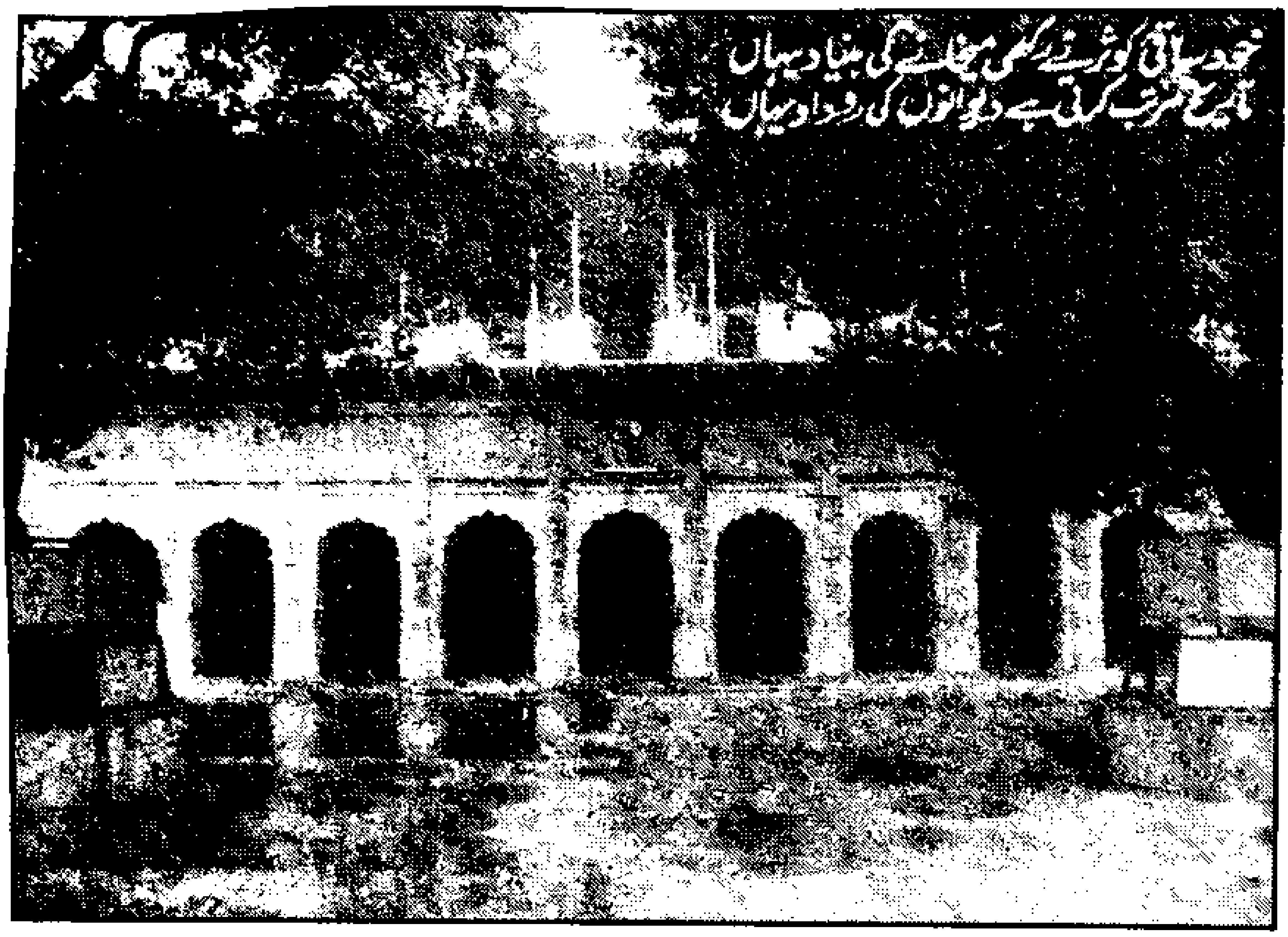
قلعہ تغلق آباد



دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ



مسجد عبدالنبی - نئی دہلی



دارالعلوم دیوبند کی یہ عمارت ''نودرہ'' کہلاتی ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب دیکھا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر نشانات لگا کر فرما رہے ہیں ''اس جگہ تم مدرسہ تعمیر کرو''۔ یہ عمارت اسی جگہ بنائی گئی ہے۔ اساتذہ کرام فرماتے ہیں کہ اس عمارت میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ کسی طالب علم کو تفسیر، حدیث یا کسی اور کتاب میں کوئی مقاسم سمجھ میں نہ آرہا ہو یا قرآن مجید یاد نہ ہوتا ہو تو یہاں بیٹھ کر مطالعہ کرنے سے مشکل مقامات حل اور قرآن کریم یاد ہو جاتا ہے۔ اس پر بے شمار طلبا کا تجربہ ہے۔


دلّی کی برادریاں
مکتبہ رشیدیہ